سلسلہ مطبوعات مجلس الدعوۃ و التحقیق الاسلامی - ۱۰

سُنّتِ نبویّہ
علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

اور

قرآنِ کریم

تالیف

محمد حبیب اللہ مختار

صدر

مجلسِ دعوت وتحقیق اسلامی کراچی

ونائب رئیس

جامعۃ علوم اسلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن - کراچی

ناشر
مجلسِ دعوت وتحقیقِ اسلامی
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
کراچی - ۵ - پاکستان

نام کتاب :- سنت نبویہ اور قرآن کریم
نام مصنف :- مولانا محمد حبیب اللہ مختار
کتابت :- (مولانا) حسین احمد نجیب
مطبعہ :- القادر پرنٹنگ پریس کراچی
تعداد :- ۱۰۰۰
سن طباعت :- ۱۴۰۰ھ - ۱۹۸۰ء

ناشر

مجلس دعوت و تحقیق اسلامی

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی ۵

سول ایجنٹ : مکتبہ بنوریہ
علامہ بنوری ٹاؤن - کراچی ۵

* * *

علامۃ العصر محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”سنّتِ نبویہ اور قرآن کریم“ کے بارے میں رائے گرامی :

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قد طالعت قبسات من هذه الرسالة " السنة النبوية والقرآن الكريم " فوجدت المؤلف أخانا فى الله صاحبنا الأستاذ محمد حبيب الله ابن محمد مختار حسن الطبيب - وفقه الله للخير - قد استوفى فيها آيات التنزيل العزيز ، ولبيان شرحها أحاديث النبى الكريم عليه صلوات الله وتحياته وسلامه ، ولتنويرها جاء بغرر النقول من مآخذ موثوقة وأعلام راسخين فى العلم كابن عبد البر وابن القيم وابن حزم وأمثالهم، وإن كان التوسع فى النقل جره إلى نقل من مثل المراغى فى تفسيره ولاحاجة إلى النقول من أمثاله ؛

نجد أخونا المؤلف - وفقه الله للخير - واجتهد فى استقصاء الأبحاث واستيفاء النقول من مظان بعيدة ، وجمعها فى صعيد واحد ؛ فهو يشكر بهذا الإستيفاء والاجتهاد ، وبذل وسعه فى تكثير السواد ، ويستحق أن يمنح له فى التخصص فى الحديث ؛ الدرجة الأولى من " نجاح باهر ممتاز " ؛

وأدعو الله سبحانه أن يوفقه لأمثال هذا وأكثر وأغزر وأجمع وأبرع ، والله سبحانه الموفق والميسر لكل تيسير وبيده النعمة والفضل الغزير - كتبه

محمد يوسف البنورى عفا الله عنه

۱۳- جمادی الاخری ۱۳۸۷ھ، ۱۹- ستمبر ۱۹۶۷ء

فہرست مضامین "سنتِ نبویہ اور قرآن کریم"

موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ کی رائے	۳		
پیش لفظ	۱۰	ایمان بالرسول کا تقاضہ	۲۷
تمہید	۱۲	رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا حکم	〃
اہل عرب کی حالت	〃	رسول کے فرمان کو چھوڑ کر کسی اور کی بات ماننا درست نہیں	۲۹
فتنہ انکار حدیث	۱۳		
فتنہ انکار حدیث کے مؤسس و بانی	۱۵	رسول اکرم ﷺ کی بات ماننا ضروری ہے	۳۰
منکرین حدیث کے اغراض و مقاصد	〃	مومن ہونے کا امتحان اور اس کا فیصلہ	۳۱
منکر سنت کا حکم	۱۸	رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم اور مخالفت پر وعید	۳۳
قدیم و جدید ملحدین کے اعتراض کی نوعیت	〃	اطاعت رسول کا فرض ہونا	〃
عدم تدوین حدیث کو انکار حدیث کے لئے آڑ بنانا۔	۱۹	رسول کی نافرمانی موجب کفر ہے	۳۴
علماء کرام کی ان کے خلاف کوششیں	۲۰	رسول کی اطاعت اس کی سنت پر عمل کا نام ہے	۳۶
وجہ تالیف رسالہ	〃	اطاعت اللہ کی طرح اطاعت النبی بھی دائمی مستقل اور غیر مشروط ہے	〃
دین کا اصل مدار وحی نبوت پر ہے	۲۱		
انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد	〃	امراء کی اطاعت	〃
انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت	۲۲	اطاعت رسول کی استقلالی حیثیت	۳۹
ہر نبی کا اپنی اطاعت کی دعوت دینا	۲۳	رسول کی اطاعت سے انحراف کافروں کا شیوہ ہے	〃
ہر نبی کا صاحب سنت ہونا ضروری ہے	۲۶	اطاعت رسول کے استقلال پر حافظ ابن قیم کی تفصیلی بحث	۴۰
سنت پر عمل کے بغیر دین پر عمل ناممکن ہے	۲۷		

موضوع	صفحہ
سنت پر عمل کے سلسلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل	۴۳
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا طرز عمل	״
اطاعت رسول کی اصل وجہ	۴۴
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں	״
انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد	۴۵
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت خدا پاک ہی کی اطاعت ہے	۴۶
خدا کی محبت کا مدار اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے	۴۷
مخلوق میں چار افضل جماعتوں کا بیان اور ان میں شامل ہونے کا طریقہ	״
ہدایت کا مدار اطاعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے	۴۹
رسول کی اطاعت کے بغیر ارکان اسلام ادا کرنا ناممکن ہے	״
ایک نکتہ از حضرت الشیخ البنوری رحمہ اللہ	״
حیات ابدی کا دارومدار اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے	۵۰
رسول کی مخالفت پر قرآنی وعیدیں	۵۲
حجیت حدیث پر مسلمانوں کا اجماع	۵۳
مخالفت رسول مخالفت خدا ہے	۵۴
مخالفت رسول عذاب الیم کا ذریعہ ہے	۵۶
ترک سنت و احادیث حبط اعمال کا ذریعہ ہے	۵۷
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو تسلیم کرنا ضروری ہے	۵۸
حضرت ابن عباس و طاؤس کا واقعہ	۵۹
حضرت سعید بن المسیب کا واقعہ	۶۰
عصیانِ رسول سبب عذاب ہے	۶۱
مومن و منافق کا فرق	۶۴
رسول کی نافرمانی کفر ہے	۶۵
مخالفتِ رسول کا انجام	۶۶
اطاعت رسول ایمان کی علامت ہے اور عصیان کفر کی	۶۸
احکام شرعیہ کے مآخذ	۶۹
اخلاق و سیرت میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی فرض ہے	۷۰
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اتباع نبوی	۷۲
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ	۷۵
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اتباع نبوی کی ایک جھلک	۷۷
صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں عروہ کا بیان	״
اقتداء نبی سے پیچھے ہٹنے پر عتاب	۷۸
حضرت جنید کا فرمان	۸۰
اسوۂ حسنہ کے حجت ہونے کی ایک اور شہادت	۸۲

موضوع	صفحہ
سنت بھی منزل من اللہ ہے	۸۳
منکر سنت کافر ہے	۸۴
رسول اللہ ﷺ کے تمام فیصلے تسلیم کرنے پر مومن ہونے کا دارومدار ہے	۸۵
آیۃ کریمہ "فلا وربك لا یؤمنون" کا شان نزول	۸۸
نبی کریم ﷺ کی عالی ظرفی و بلند اخلاقی کا ایک نمونہ	۸۹
امام شافعیؒ کا آیت مذکورہ بالا سے حجیت سنت پر استدلال	۹۰
حضرت عمر کا رسول اکرم ﷺ کا فیصلہ نہ ماننے والے کی گردن اڑانا	۹۲
رسول اللہ ﷺ کے اوامر کی اتباع کا حکم	۹۶
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا آیت سے استدلال	۹۷
حضرت عبدالرحمن بن یزیدؒ کا آیت سے استدلال	۹۸
حفظ قرآن کی طرح حفظ حدیث بھی ضروری ہے	۹۹
امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ	۱۰۰
حضرت حسن وذوالنون کا فرمان	۱۰۰ اور ۱۰۱
اللہ تعالیٰ نے حفاظت حدیث کا بھی ذمہ لیا ہے	۱۰۱
علامہ ابن حزم کا تفصیلی کلام	۱۰۲
ذکر سے صرف قرآن کریم ہی مراد نہیں	۱۰۶
ذکر حدیث کو بھی شامل ہے	۱۰۸
وحی خفی کی حجیت اور اس کا اثبات	۱۰۹
امام غزالی کا فرمان	۱۱۰
وحی کی قسمیں	۱۱۱
حافظ ابن قیم کا فرمان	۱۱۳
ترتیب قرآن امر الٰہی سے ہوئی	۱۱۴
تحویل قبلہ کا بیان	۱۱۵
یہود کے نخلستان کاٹنے کا حکم اور اس کے مصالح	۱۱۷
نبی کریم ﷺ کا منصب	۱۱۹
نبی کریم ﷺ کے فرائض منصبی	۱۲۰
تعلیم کتاب کا مقصد اور اس کا فائدہ	۱۲۱
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تعلم قرآن	۱۲۲
قرآن کی اصطلاح میں سنت کا نام حکمت ہے	۱۲۳
امت کی ہدایت کے لئے دو چیزیں	۱۲۴
گمراہی وضلال کا سبب ومنشاء	۱۲۵
نزول قرآن کے وقت کی شدت کا بیان	۱۲۹
سنت بھی من جانب اللہ ہے	۱۳۰

موضوع	صفحہ
حجیتِ حدیث کی عقلی دلیل	۱۳۲
قرآنی مجملات کی تفصیل	۱۳۳
تفصیلِ قرآن کی بعض مثالیں	"
حکمت سے سنت رسول ہی مراد ہے	۱۳۶
حدیث کی ضرورت	۱۴۴
سنت حجت ہے	۱۴۵
سنت پر عمل کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبہ	۱۴۷
حکمت کے بارے میں علماء کرام اور مفسرین عظام کے اقوال	"
حکمت سے سنت ہی کیوں مراد ہے ؟	۱۵۰
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیتِ شارح کتاب اللہ	۱۵۲
شانِ قرآن مجید	"
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد	۱۵۴
قرآن وسنت کا باہمی تعلق	۱۵۵
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حکم الٰہی کی پابندی کرتے ہیں	۱۵۶
مشکلاتِ قرآن کا صحیح حل	۱۵۸
ظلم سے اللہ تعالیٰ کی مراد کیا ہے ؟	۱۵۹
کنز کی تشریح	۱۶۰
قرآنی مجملات کی تفصیل	۱۶۲

موضوع	صفحہ
سرقہ اور اس کا حکم	۱۶۲
وراثت اور اس کے احکامات	۱۶۳
حجیتِ حدیث کی ایک دلیل	۱۶۵
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان دو قسم کا ہے	۱۶۸
سنت قرآن کریم کی تفسیر ہے	۱۶۹
حضرت یحییٰ بن ابی کثیر کے قول کا مطلب	۱۷۰
قرآن کریم کے سنت کا محتاج ہونے کا مطلب ۔	۱۷۱
تبیینِ نبوی بطریق الحاق	۱۷۳
تبیینِ نبوی بطریق الحاق کی چند مثالیں	۱۷۴
تبیینِ نبوی بطریق قیاس	۱۷۸
تبیینِ نبوی بطریق قیاس کی چند مثالیں	۱۷۹
کتاب اللہ نے سنت نبویہ کے لئے تشریح کی جگہ چھوڑی ہے ۔	۱۸۲
سنتِ نبویہ کا اصل ماخذ قرآن کریم ہے	۱۸۴
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کی وضاحت فرمانا	۱۸۵
علامہ شاطبی رحمہ اللہ کا بیان	۱۸۷
ترکِ سنت کا نتیجہ گمراہی ہے	۱۹۱
قرآن کریم، سنت کا ماخذ ہے، اس کے بارے میں امام العصر مولانا کشمیری رحمۃ اللہ کا قول	۱۹۲

موضوع	صفحہ
اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذوق	۱۹۳
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا طرز عمل	〃
حضرت سعید بن جبیر کا مقولہ	۱۹۴
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان	۱۹۵
امام شافعیؒ کا ہر سوال کا جواب قرآن کریم سے دینے کا اعلان	〃
حضرت ابوبکر بن مجاہد کا طرز عمل	۱۹۷
ابن برجان کا فرمان	〃
اس سلسلہ میں علماء کا طرز عمل	۲۰۰
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی اتباع کی	۲۰۳
امام شافعی کا اس موضوع پر تفصیلی کلام	۲۰۴
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کام وحی کے مطابق کیا	〃
امام سیوطی کا فرمان	۲۰۸
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت حاکم اعلیٰ	۲۱۲
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت شارع	۲۱۳
ما انزل اللہ کی طرف رجوع کا حکم	۲۱۶
خاتمہ	۲۱۷
لفظ سنت قرآن کریم میں	〃

موضوع	صفحہ
سنت اللہ	۲۱۷
سنتِ رُسل	۲۱۹
سنت الاوّلین	۲۲۰
سنت کی تحقیق از رُوئے لغت	۲۲۲
سنت کی تحقیق از رُوئے شریعت	۲۲۵
سنت کے اصطلاحی معنیٰ	۲۲۶
سنت اصطلاح محدثین میں	۲۲۷
سنت اصطلاح مجتہدین میں	〃
سنت فقہاء کی اصطلاح میں	۲۲۸
منکرین حدیث کے ادلّہ اور ان کے جوابات	۲۳۰
بیان نبوی اگر غیر محفوظ ہو تو اس کے نقصانات	۲۳۷
کتابت حدیث کی ممانعت	۳۹
بعض صحابہ کرام کا صحف حدیث کو تحریر فرمانا اور پھر جلا دینا	〃
کتابت حدیث کی ممانعت والی احادیث کے جوابات	۴۱
ممانعت کی وجہ	〃
کتابت احادیث کی اجازت	۴۳
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حافظہ کی ایک مثال	۵۰

موضوع	صفحہ
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کتابت کو بُرا سمجھنے کی وجہ	٢٥٠
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے صحیفہ جلانے کے بارے میں تحقیق	٢٥١
اس کے بارے میں علامہ ذہبی کی رائے	٢٥٢
کتابت احادیث کے جواز کے قائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	٢٥٣
عدمِ تدوین کو عدمِ حجیت کی دلیل بنانے پر ردّ	٢٥٣
منکرین حدیث سے علامہ ابن حزم کی زبانی ایک سوال	٢٥٤
مراجع و مآخذ	٢٥٧

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

الحمد للہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ،

ومن تبع ھداہ وھدیہ، وبعد؛

راقم الحروف سنہ ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۳ء میں جب جامعۃ علوم اسلامیہ کراچی سے فارغ ہوا تو اسی سال جامعہ کی جانب سے حضرت مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی مدظلہ العالی کی زیر نگرانی شعبہ "تخصص فی علوم الحدیث" کا افتتاح عمل میں آیا۔ اللہ رب العزت نے اس ناچیز کو بھی اس درجہ تخصص میں شرکت کی سعادت نصیب فرمائی اور دو سالہ نصاب کی تکمیل کے بعد جب شرکاء درجہ تخصص کے لئے اخیر سہ ماہی میں مقالات لکھنے کیلئے مختلف عنوانات مقرر کئے گئے تو خوش قسمتی سے بندہ کے لئے ... "سنت نبویہ اور قرآن کریم" کا موضوع مقرر کیا گیا، یہ میرے لئے ایک نعمتِ غیر مترقبہ اور نیک فال تھا۔ اس موضوع یا عنوان کا مقصد قرآن کریم سے حجیت حدیث کو ثابت کرنا تھا۔

چنانچہ اس عظیم اور انمول مقصد کے لئے بندہ نے دو مرتبہ قرآن کا اول سے آخر تک غور و خوض اور تدبر و امعان کے ساتھ مطالعہ کیا اور موضوع سے متعلق خاص خاص آیات منتخب کر کے ان کی شرح و تفسیر کے لئے احادیث نبویہ، اقوال سلف صالحین اور شروح محققین کو یکجا کرنے کی حتی الوسع کوشش کی جو اس رسالہ میں قارئین کرام کے سامنے ہے۔

چونکہ یہ مجھ جیسے ایک بے بضاعت اور ناکارہ کی پہلی طالبعلمانہ کوشش تھی لہذا اس میں مختلف مقامات پر بعض اغلاط کی موجودگی یا بے قاعدگی اور عدم سلاست ایک طبعی امر ہے جس کے لئے راقم الحروف اپنے مخلص قارئین کرام سے ملتمس ہے کہ وہ اس

قلم کی غلطیوں پر بندہ کو اپنی قیمتی رائے اور انمول مشوروں سے ضرور مطلع فرمائیں ۔

میرے مربی وشیخ علامۂ عصر حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی عرصہ سے دلی خواہش تھی کہ میرا مقالہ کتابی شکل میں چھپ جائے اور علم دین کے پروانوں کو اس سے استفادہ ممکن ہو سکے اس لئے مرحوم کی اس خواہش کو پورا کرنے کی خاطر بندہ یہ مقالہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہے ، ورنہ من آنم کہ من دانم ۔

اس سلسلہ میں بندہ استاذ محترم حضرت مولانا محمد عبد الرشید صاحب نعمانی مد ظلہ العالی کا انتہائی شکر گذار ہے کہ انہوں نے میرے اس مقالہ کو اپنی محققانہ ومدققانہ نظر مکرر کا شرف بخشا ، اللہ تعالیٰ سے میری دعاء ہے کہ اللہ رب العزت موصوف اور جملہ ان سب حضرات کو جنہوں نے اس مقالہ کی اصلاح تصحیح ، طباعت اور اشاعت میں جو جو حصہ لیا اس کے مطابق ان کو اجر عظیم عطا فرماتے اور حدیث پاک کی یہ ادنیٰ سی خدمت قبول فرما کر میرے لئے ہدایت اور فلاحِ دارین کا سبب بنائے ۔ إنه سميع مجيب وصلى الله على خير خلقه محمدٍ وآله وصحبه أجمعين ۔ کتبہ

محمد حبیب اللہ مختار

۱۲ / ۸ / ۱۴۰۰ھ

۲۶ / ۶ / ۱۹۸۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله الملك الحنان ۔ الذى نزل القرآن على حبيبه المختار للبيان والتبيان ، هدى للإنس والجان ، والصلاة والسلام على صفيه ونجيه الذى كان خُلُقه القرآن ، وعلى آله وأُصحابه وأتباعه الذين شيّدوا الدين باتباع سيّد المرسلين ونفوا عنه تحريف الغالين ، وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين ، أمّا بعد ؛

تمہید

سرورِ کائنات فخرِ موجودات خاتم النبیین رحمۃ للعالمین نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں اس وقت تشریف لائے جب وہ ضلالت وگمراہی کی تاریکیوں میں غرق اور کفر وعصیان کے سمندر میں ڈوبی ہوئی تھی ، لوگ جانوروں کی طرح اپنی عمر کے قیمتی اوقات کھانے پینے اور حیوانی خواہشات پوری کرنے میں گذار رہے تھے ، دنیا سے دین وایمان ختم ہو چکا تھا خدا پرستی اور انسانی اخوت وہمدردی کے احساسات ناپید ہو چکے تھے ، شرم وحیا کافور ہو چکی تھی ، غیرت ان سے کوسوں دور تھی ، ذرا ذرا سی بات پر آپس میں ایسی طویل اور خطرناک جنگیں شروع ہو جاتی تھیں جو برسوں ختم نہ ہوتی تھیں ، ظلم وبربریت عروج پر تھی ، طاقتور کمزور کو اور مالدار غریب مفلس کو ہر وقت اپنا دست نگر بنائے رکھتا تھا ۔ اس نازک وقت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا تاکہ آپ اولادِ آدم کو کفر وطغیان کی ان تاریکیوں سے باہر نکال کر دین وایمان کی روشنی اور خدا پرستی کے صراطِ مستقیم پر لانے کی کوشش فرمائیں ۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ آپ نے دنیا کی اس

سب سے زیادہ جاہل وسرکش قوم کو دین وایمان کے سیدھے راستہ پر لانے کی کس عزم و استقلال اور صبر وہمت کے ساتھ کوشش فرمائی اور کس طرح ان کی تربیت کی اور اصلاح فرمائی ، اور کس محنت ومشقت سے ان کی رہنمائی فرماکر کفر وشرک کی پستیوں سے نکال کر ایمان واسلام کی بلندیوں پر پہونچایا ، توحید ، خداپرستی ، جذبۂ ایمانی ، اخوت وانسانی ہمدردی کو ان کے رگ وریشہ میں پیوست کردیا اور وہ اس مقام پر پہونچ گئے کہ اب اپنے گھربار ، اھل وعیال ، جان ومال ، غرض ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کے لئے قربان کرنے پر تیار تھے ، اپنے دینی بھائیوں کی اعانت وامداد میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ، اخلاص کا یہ عالم کہ اپنے ہر قول وفعل میں ان کی کوشش یہ ہوتی کہ کسی طرح خدائے پاک کی خوشنودی حاصل ہو جائے ۔ یہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم وتربیت اور تزکیہ کا نتیجہ اور آپ کے اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب کا ثمرہ تھا ۔ ان لوگوں نے آپ کی سنت اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں کتاب اللہ کو اپنا مشعل راہ بنالیا تھا اسی لئے دنیا نے بھی ان کا لوہا مان لیا ، کفر کی تمام طاقتیں ان کے سامنے سرنگوں ہوگئیں ، اسلام کا بول بالا ہوا ، اور وہ یہاں تک ترقی کرگیا کہ منافقوں اور زندیقوں کو بھی اس کے احکام سے سرتابی کرنے کی جرأت نہ ہوسکی مجبوراً انہیں آپ کو مسلمان کہلانا پڑا تاکہ دنیوی منافع سے بھی خاطر خواہ منتفع ہوتے رہیں اور اسلام کا ٹھپہ بھی ساتھ لگا رہے ؎

کافر نتوانی شد ناچار مسلماں شو

اس قسم کے لوگوں کا وجود بھی اس لئے ضروری ہے کہ فرمان الٰہی کے مطابق دنیا میں دو گروہ ضرور رہتے ہیں : خدا اور اس کے رسول کی بات ماننے والے مسلمان بھی ، اور اس سے انحراف واعراض کرنے والے منافق اور زندیق بھی ، پہلا گروہ نیک بختوں کا ہے ، اور دوسرا بدبختوں کا ، ارشاد باری ہے :

فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ[1] ؛ "انہیں میں بعض نیک بخت ہیں اور بعض بدبخت"

---

[1] سورۂ ھود : ۱۰۵

لیکن اسی کے ساتھ حق تعالیٰ شانہٗ کی یہ بھی سنتِ جاریہ ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً منافقین اور زنادقہ کے اطوار و کردار کو ظاہر فرماتا رہتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین اور مخالفین میں فرق و امتیاز کیا جا سکے :

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ[1]	”تاکہ اللہ تعالیٰ خبیث کو پاکیزہ سے جدا کردے“

شاعر نے خوب کہا ہے :

ونذیمهم وبهم عرفنا فضلهٗ
وبضدها تتبين الاشياء[2]

ترجمہ : ”اور ہم ان (ذلیل و حقیر) لوگوں کی مذمت و برائی کرتے ہیں حالانکہ ان ہی کے ذریعہ ہم نے ممدوح کے فضل و کمال کو پہچانا ہے، اور چیزیں اپنی ضد کے ذریعہ ہی تو پہچانی جاتی ہیں“۔

مشہور مقولہ ہے :-

تعرف الأشياء بأضدادها	”ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے“

پھر مرورِ زمانہ سے جب اسلام کی گرفت ڈھیلی ہوئی تو ان بے دینوں نے احکامِ اسلام سے گلو خلاصی کی سوچی اور اس سلسلہ میں ان کی راہ میں جو چیز بھی آڑے آئی اس کی بیخ کنی کے درپے ہوئے۔ سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی پیروی ان کے لئے سب سے کٹھن اور ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی اس لئے انہوں نے اپنا راستہ ہموار کرنے کے لئے اسے اکھاڑ پھینکنے کا ارادہ کیا۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ؁[3]	”چاہتے ہیں کہ بجھائیں اللہ کی روشنی اپنے منہ سے اور اللہ کو پوری کرنی ہے اپنی روشنی اگرچہ نافرمانوں کو گوارا نہ ہو“

---

[1] سورۃ الانفال : ۳۷

[2] دیوان أبی الطیب المتنبی (ص : ۹)۔

[3] سورۃ صف : ۸

انکار حدیث کا یہ پُر آشوب فتنہ جو آج کے دور فتن میں خصوصیت کے ساتھ اپنی جڑیں مضبوط کرنے لگا ہے اور خصوصاً نوتعلیم یافتہ طبقہ اس فتنہ سے متاثر نظر آرہا ہے، کوئی نیا فتنہ نہیں ہے، بلکہ یہ بہت قدیم فتنہ ہے جس کے اصل بانی کچھ زنادقہ وملاحدہ اور کچھ غالی شیعہ و رافضی اور کچھ عقلیت پرست معتزلہ تھے۔

معتزلہ کے دماغوں پر تو عقل کا بھوت سوار تھا، انہوں نے ردّ و قبول کا معیار اپنی ناقص اور کوتاہ عقل کو بنایا تھا، لھذا جو چیز ان کی عقل میں نہ آتی اس کے ماننے سے انکار کر دیتے تھے، چنانچہ پل صراط، معراج جسمانی اور اس قسم کے مضامین پر مشتمل احادیث کے ماننے سے جو انہوں نے انکار کیا اس کی یہی وجہ ہے، اور اپنے اس مزاجی فساد کی بناء پر انہوں نے نہ صرف حدیث پر ہی دست درازی کی بلکہ قرآن کریم بھی ان کی زد میں آئے بغیر نہ رہ سکا، چنانچہ قرآن مجید کی جو آیتیں ان کی عقل وفہم اور ذوق ونظر کے خلاف تھیں ان میں خلافِ ظاہر تاویلیں کر ڈالیں۔

تاہم معتزلہ کی یہ غلطی ایک اصولی غلطی تھی جو ان کے دماغوں میں ایک غلط نظریہ کی بناء پر قائم ہو گئی تھی، ان کا مقصد دین سے سبکدوشی حاصل کرنا نہ تھا، لیکن اس کے برخلاف غالی شیعہ و روافض اور اسی طرح زنادقہ وملاحدہ کا اصل مقصد اسلام سے گلو خلاصی کرنا تھا، اور ان کا یہی جذبہ انکار حدیث کا سبب بنا۔ ان لوگوں کی اصل خواہش یہ تھی کہ کسی صورت سے اسلام کو ختم کرکے اس کی روحانیت اور اصل جوھر کو مٹا دیا جائے تاکہ بنیاد کھوکھلی ہو کر صرف ظاہری ڈھانچہ رہ جائے جو خود ہی رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گا۔ علامہ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ نے اپنے رسالہ "مِفتاح الجنّة" میں ان فتنہ پردازوں کی تفصیل سے نشاندہی کی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے اس رسالہ کی تالیف کا سبب ہی یہ بتلاتے ہیں کہ ایک زندیق رافضی عام طور سے یہ کہا کرتا تھا کہ سنت نبویہ اور احادیث حجت نہیں، اصل حجت اور ماخذ صرف قرآن کریم ہے۔

اس کے بعد امام سیوطی فرماتے ہیں کہ:۔

وأصل هذا الرأي الفاسد أن الزنادقة وطائفة من غلاة الرافضة ذهبوا إلى إنكار الاحتجاج بالسنة والاقتصار على القرآن وهم في ذلك مختلفوا المقاصد؛ فمنهم من كان يعتقد أن النبوة لعلي وأن جبرئيل عليه السلام أخطأ في نزوله إلى سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم تعالى الله عما يقول الظالمون علواً كبيراً۔

ومنهم من أقر للنبي صلى الله عليه وسلم بالنبوة ولكن قال: إن الخلافة كانت حقاً لعلي؛ فلما عدل بها الصحابة عنه إلى أبي بكر — رضي الله عنه وعنهم أجمعين — قال هؤلاء المخذولون — لعنهم الله —: كفروا حيث جاروا وعدلوا بالحق عن مستحقه، وكفروا — لعنهم الله — علياً رضي الله تعالى عنه أيضاً لعدم طلبه حقه

"اور اس باطل نظریہ کی بنیاد یہ ہے کہ زندیقوں اور غالی رافضیوں کی ایک جماعت نے سنت کو حجت ماننے سے انکار کر دیا اور صرف قرآن کریم پر اکتفا کیا ہے لیکن ان کے اغراض ومقاصد جدا جدا ہیں، ان میں سے بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ نبوت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا اور جبرئیل علیہ السلام نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو کر غلطی کا ارتکاب کیا، اللہ تعالیٰ بلند و برتر ہے ظالموں کے ان خرافات ولغویات سے

اور ان میں سے بعض یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ نبوت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا حق تھا لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ خلافت کا حق حضرت علیؓ ہی کا تھا، لہٰذا جب صحابہؓ نے اس سے عدول کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا تو رحمتِ حق سے دور اس ملعون گروہ نے تمام صحابہ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا کیونکہ — انکے زعم کے مطابق — انہوں نے ظلم کیا تھا اور مستحق کو اس کا حق نہیں دیا، اور اس کے ساتھ ہی ان ملعونوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ

فبنوا على ذلك ردّ الأُحاديث كلها لأنها عندهم بزعمهم من رواية قوم كفار .

پر بھی کفر کا فتویٰ لگا یا اس لئے کہ انہوں نے بھی اپنے حق کا مطالبہ نہیں کیا، پھر اسی بات کو بنیاد بنا کر (کہ سارے صحابہ العیاذ باللہ ان کے زعم فاسد میں کافر ہو گئے تھے) تمام احادیث کو رد کر دیا کیونکہ یہ روایات ان کے خیال کے مطابق کافروں کی روایت کردہ تھیں (اور کافروں کی روایات قابل قبول نہیں ہوتیں)۔“

اس کے بعد لکھتے ہیں :۔

وقد كان أهل هذا الرأي موجودين بكثرة في زمن الأئمة الأربعة فمن بعدهم وتصدّى الأئمة الأربعة وأصحابهم في دروسهم ومناظراتهم وتصانيفهم للردّ عليهم[1]

”اور اس عقیدہ کے لوگ ائمہ اربعہ اور ان کے بعد بھی ہر زمانہ میں بکثرت موجود تھے، چنانچہ ائمہ اربعہ اور انکے اصحاب نے بھی اپنے درسوں، مناظروں اور تصنیفات کے ذریعہ ان لوگوں کی تردید پر کمر باندھی۔“

یورپ کے کافر مستشرقین نے جو انکارِ حدیث کی داغ بیل ڈالی ہے وہ انہیں فتنہ پردازوں کی فتنہ سامانیوں پر مبنی ہے، اور ہماری نئی نسل کے پاس اس سلسلہ میں جو شبہات ہیں ان سب کا مواد مستشرقین ہی کا پس خوردہ ہے جس کی پذیرائی کی اصل وجہ نئی نسل کی یہ خواہش ہے کہ جسطرح بھی بن سکے دین کی گرفت کو ڈھیلا کیا جائے اور اسلام کو ایسی صورت میں پیش کیا جائے جو ہر قالب اور ہر سانچے میں ڈھلنے کے قابل ہو۔

قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ[2]

”خدا ان کو غارت کرے یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں“۔

ان ماڈرن منکرینِ حدیث کا تمام زور اس امر پر ہے کہ نبی کے کسی قول یا فعل کی حیثیت

---

[1] مفتاح الجنۃ (ص : ۳)۔

[2] سورۂ توبہ، آیت ۳۰۔

تشریعی نہیں ہے بلکہ اس کی اطاعت ایک امیر اور حاکم کی طرح صرف وقتی طور پر لازم ہے۔ یہ بات اس قدر غلط اور جہالت پر مبنی ہے کہ کسی پڑھے لکھے مسلمان کو بھی اس کے باطل ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ صرف خدائے پاک پر ایمان لانا کافی ہے، رسول پر ایمان لانے کی ضرورت ہی نہیں۔ جب "اَطِیْعُوا اللّٰہَ" اور "اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" کی یہ تاویل کی جا سکتی ہے تو "اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ" کی تاویل کیوں نہیں کی جا سکتی۔ اور تاویلات کا یہ مہمل سلسلہ شروع ہو جائے تو پھر دین کی خیر نہیں۔

اس لئے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ منکر سنت گمراہ اور دین کا دشمن ہے۔ حضرت ایوب سختیانی المتوفی سنہ ۱۳۱ھ نے بالکل بجا فرمایا ہے کہ:۔

إذا حدثت الرجل بسنة فقال: دعنا من هذا و أجبنا عن القرآن فاعلم أنه ضال مضل[1]	جب تم کسی شخص کے سامنے کوئی سنت بیان کرو اور وہ یوں کہے کہ اسے چھوڑ دیجیے، ہمیں تو قرآن سے جواب دو تو تم یقین کر لو

کہ وہ شخص خود گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے؟

مندرجہ بالا سطور سے یہ حقیقت آشکارا ہو گئی کہ یہ بہت قدیم فتنہ ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ فتنہ کن لوگوں نے کھڑا کیا تھا اور ان کا مقصد کیا تھا۔

قدیم و جدید مُلحدین کے اعتراض کی نوعیت

ذیل میں ہم قدیم اور جدید منکرین حدیث کے اعتراض کی نوعیت میں جو فرق ہے اس کو واضح کرنا چاہتے ہیں، اس زمانہ میں جیسے ہر چیز نے ترقی کی ہے، اسی طرح الحاد و لادینیت نے بھی ترقی کی ہے اور اپنے مقصد اور مدعا کو مختلف پیرائے میں بدل بدل کر پیش کرنے کے لئے نئی نئی تعبیرات ایجاد کی گئیں، نئی نئی ملمع سازیوں سے کام لیا گیا، اور نئے نئے سانچوں میں اس باطل کو حق بنا کر دکھلانے کی کوشش کی گئی ہے، اگرچہ ان کے اغراض و مقاصد آپس میں مختلف ہیں، دلائل و براھین جدا جدا ہیں، اسلوب بیان اور انداز نگارش بدلا ہوا ہے، مگر ان سب کا مقصد و

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث (ص - ۶۵) الکفایۃ فی علم الروایۃ (ص - ۱۶)۔

مدعا ایک ہی ہے ، اصل الحاد و لادینی نظریات میں سب کا اتفاق ہے ۔

اس زمانہ کے ملحدین اور دشمنان دین ، کو یہ اعتراض نہیں تھا کہ چونکہ تدوین حدیث بعد میں ہوئی ہے لھذا اتنی مدت گذر جانے کے باوجود حافظہ پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے ، اس اعتراض کو پیش کرنے کی ہمت اور جرأت انہیں اس لئے نہ ہوئی کہ اس زمانہ میں یہ اعتراض انتہائی مضحکہ خیز اور مشاھدات کے خلاف تھا اس لئے کہ ان کے سامنے اس قسم کے حافظہ کے مالک بکثرت افراد اور بہت سی ہستیاں تھیں ، ہاں اِس زمانہ کے جدید ملحدین اور نئی پود کے لئے یہ اعتراض گھڑ لینا اور اسے باور کر لینا بہت آسان ہے کیونکہ نہ خود ان کے حافظے ایسے تیز ہیں اور نہ اس قسم کے حافظہ کے افراد اب پائے جاتے ہیں اور نہ حافظہ پر اتنا اعتماد اب کیا جا سکتا ہے ۔ لھذا انہوں نے اب یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ فرقہ پرستوں اور حکمرانوں نے دین کو اپنے معتقدات اور اغراض کے مطابق بنانے کے لئے ہزاروں احادیث خود گھڑ کر بیان کیں ، اس لئے اس ذخیرۂ حدیث پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ۔

پھر اس کی تائید میں یوں تقریر کی جاتی ہے کہ دین کے معاملات میں اگر کتاب اللہ کافی نہ ہو بلکہ احادیث کی بھی حاجت باقی رہے تو پھر تکمیل دین اور اتمام دین کا کیا مطلب ؟ اور قرآن کریم کے کامل کتاب ہونے کے کیا معنیٰ ؟ اس لئے کہ اگر احادیث کی ضرورت باقی ہے تو قرآن ناقص ہوا ، حالانکہ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے :۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ [1]	" آج ہم نے تمہارا دین مکمل کر دیا ۔"

اور دوسری جگہ فرمایا :۔

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ [2]	" ہم نے کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا ۔"

ایک جگہ یوں ارشاد ہوتا ہے :۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ [3]	" اور ہم نے آپ پر کتاب کو نازل کیا ہر چیز کے لئے بیان بنا کر ۔"

---

[1] المائدہ : ۲ [2] الانعام : ۳۸ [3] النحل : ۸۹

غرض یہ اور اسی قسم کی دوسری آیات کو یہ لوگ اپنے دعوی کی تائید میں پیش کرتے ہیں، علماء کرام نے ہر زمانہ میں ان شبہات کے دندان شکن جوابات دئے ہیں، خاص کر ائمۂ اربعہ اور ان کے ارشد تلامذہ نے اپنے درسوں، مناظروں، مجلسوں، وعظوں، تصنیفوں اور مقالات میں ان کی مکمل تردید کی ہے (جیسا کہ ابھی ہم علامہ سیوطی کے حوالہ سے ذکر کر چکے ہیں)

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ائمۂ متقدمین کے زمانہ میں تو آج کی بنسبت بہت زیادہ منکرین حدیث موجود تھے۔ چنانچہ ان کے ان ہی شبہات و اعتراضات کو ختم کرنے کے لئے ہی "مختلف الحدیث" کا فن مدوّن ہوا اور ائمۂ اسلام نے اس موضوع پر بڑی بڑی عمدہ تصانیف تیار کیں، چنانچہ امام شافعیؒ المتوفی سنہ ۲۰۴ھ کی کتاب "اختلاف الحدیث" اور علامہ ابن قتیبہؒ المتوفی سنہ ۲۷۶ھ کی "تاویل مختلف الاحادیث" اس سلسلہ کی قابل ذکر کتابیں ہیں۔ اور امام طحاویؒ المتوفی سنہ ۳۲۱ھ کی "شرح معانی الآثار" اور "مشکل الآثار" تو اس موضوع پر ایسی بیش بہا تصانیف ہیں کہ پورے اسلامی ذخیرۂ کتب میں ان کی نظیر نہیں۔ یہ سب تصانیف ان ہی لوگوں کے شبہات کے ازالے کے لئے لکھی گئی ہیں جنھیں احادیث میں طرح طرح کے اشکال اور تضاد نظر آتے تھے اور وہ ان احادیث کو حجت ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔

ائمۂ مذکورین کے علاوہ اور بہت سے علماء نے "کتاب السنۃ" کے نام سے مختلف ادوا میں اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں جن سے ان زائغین کی تردید ہوتی ہے لیکن ان علماء اور اکابر نے اپنی تصانیف میں زیادہ تر احادیث سے استدلال کیا تھا کیونکہ اس دور کے منکرین حدیث کی اکثریت جن میں معتزلہ پیش قدم تھے، اخبار متواترہ و مشہورہ کو تو مانتی تھی البتہ اخبار آحاد کو حجت تسلیم کرنے سے انکاری تھی اور ان ملاحدہ کی تعداد جو سرے سے حدیث نبوی کو حجت نہ سمجھتی تھی بہت ہی کم تھی۔ برخلاف ہمارے زمانہ کے منکرین حدیث کے کہ یہ سرے سے حدیث کو حجت ماننے ہی کے لئے تیار نہیں اور ظاہر ہے جس فریق کی نظر میں خود احادیث ہی محل بحث اور مورد نزاع ہوں اس پر احادیث سے حجت قائم کرنا اس وقت تک مؤثر نہیں ہو سکتا جب تک ک احادیث کا حجت ہونا ہم قرآن کریم سے ثابت نہ کر دیں، اس لئے ہم نے اس مختصر سے مقالہ میں

کوشش کی ہے کہ آپ کے سامنے قرآن کریم کی اُن آیات بینات کو پیش کریں جو سنت اور احادیث کے حجت ہونے پر صاف طور سے دلالت کرتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو لازمی قرار دیتی ہیں، آپ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیتی ہیں، آپ کے ہر حکم اور ہر فیصلہ کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا حکم دیتی ہیں، آپ کے مطاع و مفترض الطاعۃ ہونے کو بتاتی ہیں اور آپ کے اقوال و افعال کے حجت ہونے کی صریح اور محکم شہادت دیتی ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

ملحوظہ:- یاد رہے اس مقالہ میں جو بعض احادیث آپ کی نظر سے گذریں گی وہ ضمناً صرف تائید کے طور پر پیش کی گئی ہیں، اصل مدارِ استدلال قرآن کریم ہی پر ہے، اسی طرح علماء محققین کے جو اقوال پیش کئے گئے ہیں وہ بھی آیات کریمہ کی توضیح کے سلسلہ میں ہیں۔

دین کا اصل دار و مدار وحیِ نبوّت پر ہے

سب جانتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت اور لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لئے ہر زمانہ میں انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، ارشاد باری ہے:-

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ [1]	"اور کوئی فرقہ نہیں جس میں نہیں ہو چکا ہو کوئی ڈر سنانے والا"

انبیاء عظام علیہم السلام کی تعداد کے بارے میں حضرت ابو امامہؓ سے مروی ہے کہ ایک بار حضرت ابوذرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ سوالات کئے جن کے آخر میں انبیاء علیہم السلام کی تعداد کے بارے میں بھی دریافت کیا تو حضور اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:-

مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا الرسل من ذلك ثلثمائة وخمسة عشر جما غفيرا [2]	"ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء گذرے ہیں جن میں سے تین سو پندرہ کی اچھی خاصی تعداد رسولوں کی ہے"

---

[1] فاطر: ۲۴

[2] مسند احمد (۵: ۲۶۵ و ۲۶۶)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ "فتح الباری" میں لکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی تعداد کے بارے میں حضرت ابوذرؓ کی مرفوع حدیث میں آتا ہے کہ ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے جن میں سے رسول تین سو تیرہ ہیں، ابن حبان نے اس روایت کی تصحیح کی ہے[1]

سوچنے کی بات ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام میں سے چار انبیاء کرام کو ہی اللہ تعالےٰ نے مستقل کتابیں عطا فرمائیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور اور خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بعض دیگر انبیاء علیہم السلام کو کچھ صحیفے بھی عنایت ہوئے مگر ان حضرات کے علاوہ اور نبیوں پر نہ کسی اور کتاب کے نازل ہونے کا ذکر ہے اور نہ کسی صحیفہ کے اترنے کا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ جل شانہٗ اپنے احکام وحی خفی کے ہی ذریعہ سے بتلاتے تھے اور ان پر کوئی وحی متلو نازل نہ ہوئی تھی، لیکن ہر نبی کی امت پر اپنے نبی کی اطاعت اور اتباع ہر زمانہ میں فرض تھی۔ اس سے صاف واضح ہو گیا کہ دین کا اصل مدار وحی متلو یا کسی کتاب کے نازل ہونے پر نہیں بلکہ اس وحی پر ہے جو خدا اپنے کسی نبی پر نازل فرماتے ہیں اور اس وحی کا نام قرآن کریم کی اصطلاح میں حکمت اور حدیث کی اصطلاح میں سنت ہے، یہی وحی مصدر تشریع احکامِ الٰہیہ ہے اور اسی وحی کے ذریعہ نبی جو شریعت بتلائے اس کی اطاعت اور اتباع کو لازمی قرار دیا گیا ہے اور فرمایا ہے:۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ[2]	"اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس واسطے کہ اس کا حکم مانیں اللہ کے فرمانے سے"

ہر نبی نے دنیا میں آ کر اپنی قوم کے سامنے اس شریعت کو پیش کیا جو اسے بذریعہ وحی معلوم ہوئی، ارشاد ہے:۔

---

[1] فتح الباری (۶ : ۲۵۷)۔

[2] النساء : ۶۳

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا [1]

"تم میں سے ہر قوم کے لئے ہم نے ایک شریعت اور طریقہ عطا کیا ہے۔"

ہر نبی نے اپنی امت سے یہی کہا کہ تم میری ہی اطاعت کرو، حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی اپنی قوموں کو یہی دعوت دی ہے۔ چنانچہ سورہ شعراء میں دعوت نوح ؑ کی تفصیل اس طرح مذکور ہے:۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ○ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ○ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ○ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ [2]

"جھٹلایا نوح کی قوم نے پیغام لانے والوں کو، جب کہا ان کو ان کے بھائی نوح نے کیا تم کو ڈر نہیں، میں تمہارے واسطے پیغام لانے والا ہوں معتبر، سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو، اور مانگتا نہیں میں تم سے اس پر کچھ بدلہ، میرا بدلہ ہے اس پروردگار عالم پر، سو ڈرو اللہ کا اور میرا کہا مانو۔"

سورہ نوح میں ارشاد باری ہے:۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ [3]

"ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف کہ ڈرا اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ پہونچے ان پر عذاب دردناک، بولا اے میری قوم میں تم کو ڈر سناتا ہوں کھول کر، کہ بندگی کرو اللہ کی اور اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔"

---

[1] المائدہ : ۴۸

[2] الشعراء : ۱۰۵ تا ۱۱۰

[3] نوح : ۱ تا ۳

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ھود علیہ السلام نے بھی اسی طرح اپنی قوم کو انہی الفاظ میں اپنی اطاعت کی دعوت دی، ارشاد ربانی ہے :-

كَذَّبَتْ عَادُ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوْهُمْ هُوْدٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ [1]	”جھٹلایا عاد نے پیغام لانے والوں کو جب کہا ان کو ان کے بھائی ھود نے کیا تم کو ڈر نہیں میں تمہارے پاس پیغام لانیوالا معتبر ہوں سو ڈرو خدا سے اور میرا کہا مانو“

اس کے بعد قوم کو مزید نصیحت کرنے کے بعد پھر ان ہی الفاظ کو دہرایا ہے :-

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ [2]	”سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو“

حضرت ھود علیہ السلام کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا کہ ”تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو“ ارشاد ہے :-

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوْهُمْ صٰلِحٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ ؕ إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ؕ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ [3]	”جھٹلایا ثمود نے پیغام لانے والوں کو جب کہا ان کو ان کے بھائی صالح نے کیا تم ڈرتے نہیں، میں تمہارے پاس پیغام لانے والا ہوں معتبر، سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو“

* * * * *

اور اس خطاب کے اختتام پر قوم سے پھر مکرر یہی فرمایا :-

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ [4]	

حضرت لوط علیہم السلام نے بھی یہی دعوت دی تھی، ارشاد باری ہے :-

---

[1] الشعراء : ۱۲۳ تا ۱۲۶

[2] الشعراء : ۱۳۱

[3] الشعراء : ۱۴۱ تا ۱۴۴

[4] الشعراء : ۱۵۰

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ٍالْمُرْسَلِيْنَ إِذْ
قَالَ لَهُمْ أَخُوْهُمْ لُوْطٌ أَلَا
تَتَّقُوْنَ ۝ إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ۝[1]

"جھٹلایا لوط کی قوم نے پیغام لانیوالوں
کو جب کہا ان کو ان کے بھائی لوط نے
کیا تم نہیں ڈرتے، میں تمہارے لئے پیغام
لانے والا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔"

حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو راہ راست پر لانے کے لئے یہی فرمایا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

كَذَّبَ أَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝
إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ ۝
إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ۝[2]

"جھٹلایا بن کے رہنے والوں نے پیغام
لانے والوں کو جب کہا ان کو شعیب نے
کیا تم ڈرتے نہیں، میں تم کو پیغام پہنچانے
والا ہوں معتبر، سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔"

غور فرمائیے یہ پانچوں جلیل القدر انبیاء علیہم السلام اپنی قوم کو کس چیز کی دعوت دے رہے ہیں۔ ہر نبی نے اپنی قوم کے سامنے دو باتیں پیش کیں : (۱) اللہ تعالیٰ سے ڈرو (۲) میری اطاعت کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل مدار اطاعت و اتباع وحی نبوت پر ہے جس کا نام سنت ہے، کتاب اور وحی متلو کا نازل ہونا ضروری نہیں۔

حضرت ہارون علیہ السلام کی دعوت میں سب سے زیادہ صریح طور پر "امر نبی" کی اطاعت کی تصریح ہے، فرمایا :-

وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ
وَأَطِيْعُوْا أَمْرِيْ ۝[3]

"اور تمہارا رب تو رحمان ہے سو میری راہ
چلو اور میری بات مانو۔"

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اپنی ہی اطاعت کی دعوت دی، فرمایا :-

---

[1] الشعراء : ۱۶۰ تا ۱۶۳

[2] الشعراء : ۱۷۶ تا ۱۷۹

[3] طٰہٰ : ۹۰

فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوْنِ ۝ [1]	"سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو"

سورۂ زخرف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم سے خطاب ان الفاظ میں مذکور ہے :-

وَلَمَّا جَآءَ عِیْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُکُمْ بِالْحِکْمَۃِ وَلِاُبَیِّنَ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ تَخْتَلِفُوْنَ فِیْہِ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوْنِ [2]	"اور جب آیا عیسیٰ نشانیاں لے کر، بولا میں لایا ہوں تمہارے پاس پکی باتیں اور بتلانے کو بعض وہ چیز جس میں تم جھگڑتے تھے، سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو"

اس آیت کریمہ میں حکمت کا مصداق وہی سنت رسول ہے (جس کی تفصیل وتحقیق آئندہ آئیگی) ان تمام نصوص قرآنیہ سے ثابت ہوا کہ ہر رسول اپنی امت اور قوم کے لئے مفترض الطاعۃ ہوتا ہے یعنی قوم پر ضروری اور لازمی ہوتا ہے کہ وہ اپنے رسول کے تمامتر احکام، اوامر ونواہی افعال واعمال اور اخلاق کی اتباع اور پیروی کرے اور یہی اقوال وافعال اور اوامر ونواہی اس کی سنت ہیں اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے اسی لئے ارشاد باری ہے :-

سُنَّۃَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنْ رُّسُلِنَا [3]	"دستور چلا آتا ہے ان رسولوں کا جو تجھ کو پہلے ہم نے بھیجے"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نبی صاحب سُنّت ہوتا ہے اور اس کی اطاعت پر اللہ تعالیٰ ک
اطاعت کا مدار ہوتا ہے ، ارشاد ربانی ہے :-

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ [4]	"جس نے حکم مانا رسول کا اس نے حکم مانا اللہ کا"

غرض ہر نبی کا صاحب کتاب ہونا ضروری نہیں، صاحبِ سنت ہونا ضروری ہے، اگر کوئی نبی صاحب کتاب بھی ہو تو پھر اس کی امّت کے لئے دو چیزیں واجب الاتباع ہوں گی ،

---

[1] آل عمران : ٥٠

[2] الزخرف : ٦٣

[3] الاسراء : ٧٧

[4] النساء : ٨٠

ایک کتاب اور دوسری اس کی سنّت، اور جس نبی پر کتاب نازل نہ ہو تو صرف اس کی سُنّت ہی قوم کے لئے راہِ نجات اور ماخذِ احکامِ شریعت ہوگی۔

حاصل یہ ہے کہ جب تک کتاب نازل نہ ہو تو رسول کی سُنّت ہی احکامِ شریعت کا اوّلین ماخذ ہوگا، اور سنت اس بات کی محتاج نہ ہوگی کہ کتابِ الٰہی نازل ہوکر اس کی تصدیق کرے، غرض سُنّت پر عمل کئے بغیر دین پر عمل پیرا ہونا ناممکن ہے۔

ایمان بالرسول کا تقاضا

ذیل میں ہم ان آیات کو ذکر کریں گے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کو لازمی قرار دیا ہے اور یہ ایمان اس وقت تک متحقق نہیں ہوسکتا جب تک اللہ اور اس کے رسول کے احکام موجود نہ ہوں، خواہ بصورتِ کتاب، خواہ بصورتِ سنّت۔ اور ان کا اعتقاداً و عملاً اتباع نہ کیا جائے۔ اس کے بعد ان آیاتِ بینات کو پیش کریں گے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو بھی لازمی قرار دیا ہے۔

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم

اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

١ — يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا آمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتَابِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتَابِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ط[1]	"اے ایمان والو! یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی اپنے رسول پر، اور اس کتاب پر جو نازل کی تھی پہلے"

* * * *

---

[1] النساء : ١٣٦

۲۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّکُمْ [1]	"اے لوگو! تمہارے پاس رسول آچکا حق بات لے کر تمہارے رب کی تو مان لو تاکہ بھلا ہو تمہارا"
۳۔ قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا، الَّذِیْ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَکَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ [2]	"آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف، جس کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین پر، کسی کی بندگی نہیں سوائے اس کے وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے، سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی اُمّی پر جو کہ یقین رکھتا ہے اللہ پر اور اس کے سب کلاموں پر اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم راہ پاؤ"
۴۔ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ [3]	"سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی رفاقت کی اور اس کی مدد کی"
۵۔ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا [4]	"(اور لوگ کہتے ہیں) ہم نے مانا اللہ کو اور رسول کو اور حکم میں آگئے"
۶۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا کَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰی	"ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جب ہوتے ہیں اس کے ساتھ کسی جمع ہونے کے کام

---

[1] النساء : ۱۷۰

[2] الاعراف : ۱۵۸

[3] الاعراف : ۱۵۷

[4] النور : ۴۷

يَسْتَأْذِنُوْهُ . إِنَّ الَّذِيْنَ
يَسْتَأْذِنُوْنَكَ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ [1]

میں تو چلے نہیں جاتے جب تک اس سے
اجازت نہ لے لیں، جو لوگ تجھ سے اجازت
لیتے ہیں وہی ہیں جو مانتے ہیں اللہ کو اور
اس کے رسول کو"

* * * * *

ملاحظہ فرمایئے اللہ تعالیٰ نے ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسول کو بھی لازمی قرار دیا ہ
اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا بھی حکم دیا ہے اور مومنوں کی شان ہی یہ بتلائی ہے
کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول دونوں پر ایمان لاتے ہیں، اور ایمان کے لوازمات میں
اس بات کو بھی شامل فرما دیا کہ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود ہوں، اور
اکٹھے رہنے کا کوئی کام ہو تو وہ بغیر آپ کی اجازت لئے ہوئے مجلس سے واپس بھی نہ جائیں
تو جس طرح آپؐ کی اجازت کے بغیر مجلس سے اٹھ کر جانا درست نہیں ہے اسی طرح آپؐ کے
فرمانِ مبارک کو چھوڑ کر کسی اور کے کلام کی اتباع کرنا بھی درست نہیں۔ اسی لئے حافظ ابن قیمؒ
اپنی کتاب "اعلام الموقعین" میں لکھتے ہیں:-

فإذا جعل الله من لوازم
الإيمان أنهم لا يذهبون
مذهباً إذا كانوا معه إلا
باستئذانه فأولى أن
يكون من لوازمه ألا يذهبوا
إلى قول ولا مذهب علمي إلا
بعد استئذانه، وإذنه يعرف
بدلالة ما جاء به على أنه أذن فيه [2]

"جب اللہ تعالیٰ نے ایمان کے لوازمات
میں سے یہ بات قرار دی کہ وہ آپؐ کے ساتھ
ہوں تو بغیر اجازت لئے مجلس سے نہ جائیں
تو اس کے لوازمات سے یہ بدرجۂ اولیٰ
ضروری ہے کہ وہ کسی قول یا مذہب کو
آپؐ سے اجازت لئے بغیر اختیار نہ کریں اور
آپؐ کے اذن کا پتہ جو سنت آپؐ لیکر آئے ہیں
اس کے بتلانے ہی سے چلے گا کہ مثلاً آپؐ نے اس حکم کی اجازت دی ہے"

---

[1] النور: ٦٢

[2] اعلام الموقعین (١: ٥١)۔

۷۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ [1]	"اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور یقین لاؤ اس کے رسول پر۔"
۸۔ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا [2]	"سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اتارا۔"
۹۔ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ۔ [3]	"لیکن اللہ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے سو تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔"
۱۰۔ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ	"سو مانو اللہ کو اور اس کے رسولوں کو اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں اس بات کو چھوڑو، بہتر ہوگا تمہارے لئے، بے شک اللہ معبود ہے اکیلا، اس کے لائق نہیں کہ اس کی اولاد ہو۔"

* * *

تلک عشرۃ کاملۃ، ہم نے یہ دس آیتیں بطور نمونہ (مشتے از خروارے) پیش کر دیں جن میں اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے اوپر ایمان لانے کا حکم دیا ہے اسی طرح اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بھی ایمان لانے کو لازمی قرار دیا ہے۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کی بات ماننا فرض اور ضروری ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننا بھی لازمی اور حتمی ہے۔ امام شافعیؒ لکھتے ہیں:۔

وضع الله رسوله من دينه	"اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا اپنے دین کے

---

[1] الحدید : ۲۸

[2] التغابن : ۸

[3] آل عمران : ۱۷۹

[4] النساء : ۱۷۱

وفرضه وكتابه الموضع الذي أبان جل ثناؤه أنه جعله علماً لدينه بما افترض من طاعته وحرم من معصيته وأبان من فضيلته بما قرن من الإيمان برسوله مع الإيمان به[1]

فرائض اور کتاب میں جو مقام تجویز کیا ہے اس کو اللہ پاک نے اس طرح نمایاں فرمایا ہے کہ آپ کو دین کے لئے ایک علامت بنادیا، اس لئے کہ آپ کی اطاعت کو فرض کردیا اور نافرمانی کو حرام قرار دیدیا اور آپ کی فضیلت کو اس طرح ظاہر فرمایا کہ اپنے رسول پر ایمان لانے کو اپنے اوپر ایمان لانے کی طرح لازمی اور ضروری قرار دیدیا"۔

اس کے بعد امام ممدوح ان چند آیات کو ذکر کر کے جن میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ" (جن کو ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں) لکھتے ہیں:۔

فجعل كمال ابتداء الإيمان الذي ما سواه تبع له الإيمان بالله ثم برسوله، فلو آمن عبد به ولم يؤمن برسوله لم يقع اسم كمال الإيمان أبداً حتى يؤمن برسوله معه

"اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ابتدائی مرحلہ کا کمال جس کے اور سب (ایمانیات) تابع ہیں اس کو بنایا کہ اللہ اور پھر اس کے رسول پر ایمان لایا جائے، سو اگر کوئی شخص خدا پر تو ایمان لاتا ہے لیکن اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتا تو اس پر پورے ایمان لانے کا اطلاق نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس کے ساتھ اس کے رسول پر بھی ایمان نہ لے آئے"۔

پھر اس کی مزید تاکید اور توثیق کے لئے فرماتے ہیں:۔

وهكذا سن رسول الله صلى الله عليه وسلم في كل من امتحنه للإيمان، أخبرنا مالك عن هلال بن أسامة عن عطاء بن

"اور یہی طریقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس شخص کے بارے میں اختیار فرمایا جس کے مومن ہونے کا امتحان لیا، خبر دی ہے ہمیں مالک نے ہلال بن اسامہ سے انہوں نے

---

[1] الرسالۃ (ص ۷۳)۔

يسار عن عمر بن الحكم قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم بجارية فقلت: يا رسول الله! عليّ رقبة أفأعتقها؟ فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم: «أين الله؟» فقالت: في السماء؛ فقال: «من أنا؟» قالت: أنت رسول الله؛ قال: «فأعتقها»۔ [1]

عطاء بن یسار سے انہوں نے عمر بن الحکم کو فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک باندی لے کر حاضر ہوا اور میں نے کہا: اے اللہ کے رسول مجھے ایک غلام آزاد کرنا ہے، کیا میں اسے آزاد کر دوں؟ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے پوچھا: اللہ تعالیٰ کہاں ہیں؟ اس نے کہا: آسمان میں، پھر آپ نے پوچھا: اور میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ اللہ کے رسول ہیں اس پر آپ نے فرمایا: اسے آزاد کر دو۔"

چونکہ یہ لونڈی ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسول سے بھی متصف تھی اور اپنے ایمان کا اظہار کر چکی تھی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آزاد کرنے کا حکم دیا۔

بہر حال ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ ایمان باللہ کے معتبر ہونے کے لئے ایما
بالرسول بہر صورت ضروری ہے اور جس طرح ایمان باللہ میں اللہ کے ہر حکم کو تسلیم کرنا اور اس کو
ماننا داخل ہے اسی طرح ایمان بالرسول اس وقت تک متحقق نہ ہوگا جب تک آپ کے ہر حکم اور
قول و فعل کو حجت نہ مانا جائے اور اسے اعتقاداً و عملاً تسلیم نہ کیا جائے، اگر قرآن کریم میں صرف
یہی آیاتِ بینات ہوتیں تب بھی منکرینِ سُنّت و حدیث پر حجت قائم کرنے کے لئے کافی تھیں
لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے علاوہ اور بہت سی آیات میں آپ کی اطاعت کو بھی صریح طور پر لاز
قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو:-

---

[1] الرسالة (ص: ۷۵) موطأ مالک (ص: ۲۲۶) مسند احمد (۵ : ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹) صحیح مسلم (۱: ۲۰۳، ۲۰۴) سنن أبی داؤد (۲ : ۴۶۶)-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم اور مخالفت پر وعید

قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جن آیاتِ مبارکہ میں حکم دیا گیا ہے اس عنوان کے تحت ہم ان آیات کا ایک معتد بہ حصہ پیش کریں گے تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔

اطاعتِ رسول کا فرض ہونا

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱﴾

"آپ کہہ دیجئے، حکم مانو اللہ کا اور رسول کا، پھر اگر اعراض کریں تو اللہ پسند نہیں کرتا کافروں کو"۔

اس آیت میں صریح طور پر اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم ہے اور واضح کر دیا گیا ہے کہ جس نے بھی رسول کی اطاعت سے اعراض کیا اور منہ موڑا وہ مسلمان نہیں کافر ہے، اور خدا کافروں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر یہ بھی نظر میں رہے کہ رسول کی اطاعت سے منہ موڑنے پر کفر کا حکم لگایا گیا ہے اور کافروں کا ٹھکانا جہنم ہے، اس لئے نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

«كل أمتى يدخلون الجنة إلا من أبى» قالوا: ومن يأبى؟ قال: «من أطاعنى دخل الجنة، و

"میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی سوائے اس کے جو انکار کرے۔ صحابہ نے پوچھا کہ: کون انکار کرے گا؟ آپ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ

---

۱ آل عمران: ۳۲

من عصاني فقد أبى»[1]

جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔"

* * * *

مذکورہ حدیث آیت کریمہ مندرجہ بالا کی تفسیر ہے کہ رسول کی اطاعت سے انکار کفر ہے۔

حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ، جو بڑے جلیل القدر محدث و مفسر ہیں، مندرجہ بالا آی کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

فدل على أن مخالفته في الطريقة كفر والله لا يحب من اتصف بذلك وإن ادعى وزعم في نفسه أنه محب لله ويتقرب إليه حتى يتابع الرسول النبي الأمي خاتم الرسل ورسول الله إلى جميع الثقلين الجن والإنس الذي لو كان الأنبياء بل المرسلون بل أولو العزم منهم في زمانه ما وسعهم إلا اتباعه والدخول في طاعته واتباع شريعته[2]

"اس آیت نے اس بات کو بتلا دیا کہ دین میں رسول کی مخالفت کرنا کفر ہے اور جو اس صفت سے متصف ہو اللہ تعالیٰ اس سے محبت نہیں کرتا اگرچہ وہ خود اس زعم میں مبتلا ہو اور اس امر کا مدعی ہو کہ وہ خدا سے محبت کرتا ہے اور اس کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے، جب تک کہ وہ رسول کریم نبی اُمّی خاتم الرسل اور اللہ کے اس پیغمبر کا جو تمام ثقلین جن اور انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہو اتباع نہ کرے، جس کی شان یہ ہے کہ تمام انبیاء بلکہ سارے رسول بلکہ اولوالعزم پیغمبر بھی اگر آپ کے زمانے میں ہوتے تو اُن کے لئے بھی سوائے آپ کی اتباع کرنے اور آپ کی اطاعت میں داخل ہونے اور آپ کی شریعت کی پیروی کرنے کے اور کوئی چارۂ کار نہیں ہوتا۔"

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاعتصام، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۲: ۱۰۸۱)۔

[2] تفسیر ابن کثیر (۱: ۳۵۸)۔

۲۔ وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ [1]	"اور حکم مانو اللہ کا اور رسول کا تاکہ تم پہ رحم کیا جائے"
۳۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ [2]	"اور جو کوئی حکم پہ چلے گا اللہ کے اور اس کے رسول کے، اس کو داخل کریگا اللہ. جنتوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں، ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں، اور یہی ہے بڑی مراد ملنی"

* * *

۴۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ الآیہ [3]	"اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور اپنے ارباب اقتدار کی، پس اگر تمہارا کسی چیز میں نزاع ہوجائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو (اور فیصلہ کرالو)"

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :۔

أَطِيْعُوا اللّٰهَ أي اتبعوا كتابه وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ أي خُذُوْا بسنته فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ؛ قَالَ مجاهد وغير واحد من السلف: أي إلى كتاب الله و	"اللہ کی اطاعت کرو یعنی اس کی کتاب کا اتباع کرو، اور رسول کی اطاعت کرو یعنی اس کی سنت پر عمل کرو، اور اگر تمہارا (اور ارباب اختیار کا) کسی چیز میں جھگڑا ہوجائے تو اس کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو، حضرت

---

[1] آل عمران : ۱۳۲

[2] النساء : ۱۳

[3] النساء : ۵۹،

سنة رسوله، إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ؛ فدل على أن من لم يتحاكم في محل النزاع إلى الكتاب والسنة ولم يرجع إليهما في ذلك فليس مؤمنا بالله ولا باليوم الآخر[1]

مجاہد اور ان کے علاوہ اور بہت کم سلف صالحین نے فرمایا ہے کہ رجوع کرو اللہ کی کتاب کی طرف اور اس کے رسول کی سنت کی طرف۔ اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، پس اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ جو شخص جھگڑے کے موقع پر کتاب وسنت سے فیصلہ نہ کرائے اور ان کی طرف اس سلسلہ میں رجوع نہ کرے تو وہ خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والا نہیں[1]۔

امام ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل سمرقندی دارمی المتوفی ۲۵۵ھ اپنی کت
میں آیت مندرجہ بالا کے بارے میں حضرت عطاء سے بسند متصل نقل کرتے ہیں:۔

أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ، قال أولو العلم والفقه، وطاعة الرسول اتباع الكتاب والسنة[2]

"کہ آیت کریمہ أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ میں "أولی الأمر" سے مراد اہل علم وفقہ ہیں، اور "رسول کی اطاعت" کا مطلب کتاب اور سنت کی اتباع ہے[2]۔"

آیت مندرجہ بالا میں اللہ تعالیٰ نے جس طرح لوگوں پر اپنی اطاعت فرض ولازم وضرور
قرار دی ہے اسی طرح اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے، اور
"أطيعوا" کے صیغہ کو مکرر لا کر یہ بتلا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرح اس کے رسول
اطاعت بھی ضروری اور لازمی ہے، رہے "أُولِي الأمر" تو ان کی اطاعت اس شرط کے سا
مشروط ہے کہ ان کا حکم اللہ یا اس کے رسول کے حکم کے خلاف نہ ہو ورنہ اسے ٹھکرا دیا جائے

---

[1] تفسیر ابن کثیر (۱: ۵۱۸)۔

[2] سنن دارمی (ص ۳۰۱)۔

کیونکہ ارشاد نبوی ہے :-

لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق [1]	"خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ۔"

معلوم ہوا کہ "اُولِی الامر" سے مراد وہ "اُولی الامر" ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے خلاف حکم نہ دیں، ایسے امراء کی اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اطاعت کے مترادف ہے اور ان کی نافرمانی گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد عالی ہے :-

ومن يطع الأمير فقد أطاعني ومن يعص الأمير فقد عصاني [2]	"جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری ہی اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری ہی نافرمانی کی ۔"

ایک اور روایت میں امیر کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ :-

ومن أطاع أميري فقد أطاعني ومن عصى أميري فقد عصاني [3]	"جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری ہی اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی ۔"

اور یہ ظاہر بات ہے کہ جو امیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانتا ہو اور آپ کے بتلائے ہوئے احکام پر عمل کرتا ہو وہ یقیناً واجب الاتباع ہو گا، اس لئے حافظ ابن القیم

---

[1] مسند احمد (۵ : ۶۶) ۔

[2] صحیح بخاری (۱ : ۴۱۵) ۔

[3] صحیح بخاری (۲ : ۱۰۵۷) کس امیر کی اطاعت کی جائے گی اور کس کی نہیں اس بارے میں احادیث کے لئے ملاحظہ فرمائیے مُسندِ احمد (۱ : ۸۲ و ۹۴ و ۱۲۴ و ۱۲۹ و ۱۳۱ و ۱۶۰ و ۴۰۰ و ۴۰۹) اور (۲ : ۱۶۱ و ۱۹۱) اور (۴ : ۴۲۶ و ۴۲۷ و ۴۳۲ و ۴۳۶) اور (۵ : ۶۶ و ۶۷ و ۷۰ و ۳۳۵ و ۴۲۹) اور سنن ابن ماجہ اور جامع ترمذی کی کتاب الجہاد ۔

المتوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں :-

والتحقيق أن الأمراء إنما يطاعون إذا أمروا بمقتضى العلم فطاعتهم تبع لطاعة العلماء فإن الطاعة إنما تكون في المعروف وما أوجبه العلم فكما أن طاعة العلماء تبع لطاعة الرسول فطاعة الأمراء تبع لطاعة العلماء [1]

”صحیح بات یہ ہے کہ حاکموں کی اتباع اس وقت کی جائے گی جب کہ وہ علم کے مطابق حکم کریں اس لئے ان کی اطاعت علماء کی اتباع کے تابع ہے اس لئے کہ اطاعت امور خیر میں اور ان کاموں میں ہوا کرتی ہے جو علم شرع کے مطابق ہوں تو جس طرح علماء کی اطاعت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کے تابع ہے اسی طرح امراء کی اطاعت علماء کی اطاعت کے تابع ہوگی۔“

اسی بناء پر جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خلیفہ عبدالملکؒ بن مروانؒ سے بیعت کی تو بیعت نامے میں یہ الفاظ تحریر فرمائے :-

إلى عبد الله عبد الملك أمير المؤمنين إني أقر بالسمع والطاعة لعبد الله عبد الملك أمير المؤمنين على سنة الله وسنة رسوله فيما استطعت وإن بني قد أقروا [2]

”خدا کے بندے امیر المومنین عبدالملکؒ کے نام : میں اقرار کرتا ہوں کہ جہاں تک مجھ سے بن سکے گا میں خدا کے بندے امیر المومنین عبدالملکؒ کی سنوں گا اور اطاعت کروں گا بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی سنت کے موافق ہو، اور میرے بیٹے بھی اس بات کا اقرار کرتے ہیں۔“

---

[1] إعلام الموقعين (۱ : ۱۰) -

[2] صحیح بخاری (۲ : ۱۰۶۹) -

اطاعتِ رسول کی استقلالی حیثیت

اس آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی مستقل بالذات ہے جیسا کہ ان آیات کریمہ سے طاعتِ رسول کے مستقل بالذات ہونے کی تصریح ہوتی ہے جن میں صرف طاعت رسول ہی کا حکم ہے یا جن میں اطاعت الٰہی کو بھی رسول کی اطاعت ہی میں منحصر کیا گیا ہے۔ چنانچہ آیات کا ذکر آئندہ آئے گا۔

بہر حال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے انحراف مسلمانوں کا شیوہ نہیں کفار کا شعار ہے۔ حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:-

كان فتاويه صلى الله عليه وسلم جوامع الأحكام ومشتملة على فصل الخطاب وهي في وجوب اتباعها وتحكيمها والتحاكم إليها ثانية الكتاب وليس لأحد من المسلمين العدول عنها ما وجد إليها سبيلاً وقد أمر الله عباده بالرد إليها حيث يقول: «فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِيلًا»[1]

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فتاویٰ احکام شرعیہ کے جامع فیصلہ کن خطاب پر مشتمل ہیں اور یہ وجوب اتباع میں حَکَم ہونے میں، اور ان کے ذریعہ فیصلہ کرنے میں کتاب اللہ کا ثانی ہیں، لہٰذا کسی مسلمان کو جب تک ان پر عمل کرنا ممکن ہو ان سے منہ موڑنے کا حق نہیں اور خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے: اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور بہت اچھا ہے اس کا انجام۔“

---

[1] اعلام الموقعین (۱ : ۱۱)-

حافظ ابن قیمؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے مستقل بالذات ہونے پر شرح و بسط کے ساتھ کلام کیا ہے، فرماتے ہیں:-

"اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم فرمایا اور "أُطیعوا" کے صیغہ کا اعادہ اس امر کو بتلانے کے لئے کیا کہ رسول کی اطاعت بھی بغیر اسکے کہ آپکے امر کو کتاب اللہ پر پیش کر کے دیکھا جائے (کہ اس کے موافق ہیں یا نہیں) مستقل طور پر واجب ہے، بلکہ آپ جب بھی کوئی حکم دیں تو اس کی اطاعت مطلقاً فرض ہے، خواہ آپ کا وہ حکم کتاب اللہ میں موجود ہو یا نہ ہو کیونکہ آپ کو کتاب بھی دی گئی ہے اور اسی کے ساتھ اسی کی مثل اور تعلیمات بھی۔ اس کے برعکس ہمیں "اُولی الامر" کی اطاعت کا استقلالاً حکم نہیں دیا گیا بلکہ وہاں "اطیعوا" فعل کو حذف کر کے ان کی اطاعت کو رسول کی اطاعت کے ضمن میں کر دیا اس بات کو بتلانے کے لئے کہ ان حاکموں کی اطاعت رسول کی اطاعت کے اتباع میں ہوگی، لھذا ان میں سے جو حاکم رسول کی اطاعت کا حکم دے گا اس کی پیروی واجب ہوگی اور جو حاکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے خلاف حکم دے گا تو نہ اس کی بات مانی جائے گی اور نہ اس کی اطاعت کی جائے گی چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:-

لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔	"مخلوق کی اطاعت خالق کی نافرمانی میں نہیں۔"

نیز آپ نے ارشاد فرمایا:-

إنما الطاعة فی المعروف	اطاعت تو صرف شرع کے موافق کاموں میں ہے

اور ارباب اقتدار کے بارے میں فرمایا:

من أمرکم منهم بمعصیة فلا سمع ولا طاعة۔	"ان میں سے جو کوئی تم کو خدا کی نافرمانی کا حکم دے تو نہ اس کی بات سنو نہ اس کا کہا مانو۔"

پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:-

"پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مسلمانوں کا جس چیز میں اختلاف ہو جائے اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹائیں اگر وہ مومن ہیں اور انہیں بتلا دیا کہ یہی ان کے لئے دنیا میں بھی بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے آخرت کے لئے بھی بہتر ہے۔" لہ

اس کے بعد علامہ موصوف نے اس آیت کے بعض نکات پر مزید روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں:-

إن قوله، « فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ » نكرة في سياق الشرط تعم كل ما تنازع فيه المؤمنون من مسائل الدين دقه وجله جليه وخفيه، ولو لم يكن في كتاب الله وسنة رسوله بيان حكم ما تنازعوا فيه ولم يكن كافيا لم يأمر بالرد إليه إذ من الممتنع أن يأمر الله تعالى بالرد عند النزاع إلى من لا يوجد عنده فصل النزاع . . . .

. . . .

. . . .

ومنها أن الناس أجمعوا على أن الرد إلى الله سبحانه هو

" فرمانِ الٰہی: فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ میں " شَيْءٍ " نکرہ ہے جو سیاقِ شرط میں آیا ہے اس لئے وہ ان تمام دینی مسائل پر جن میں مسلمانوں کا اختلاف ہو، چھوٹے ہوں یا بڑے، جلی ہوں یا خفی، سب کو شامل ہے، اور اگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان چیزوں کے حکم کا پورا بیان بھی نہ ہو تاکہ جن میں مسلمانوں کا اختلاف ہو سکتا ہے تو ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم نہ دیا جاتا اس لئے کہ یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نزاع کے وقت اس کی طرف رجوع کا حکم دے جس کے پاس اس نزاع کا کوئی فیصلہ ہی نہ ہو۔

ان (نکتوں) میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ

لہ اعلام الموقعین (۱ : ۳۸)۔

الرد إلى كتابه والرد إلى الرسول صلى الله عليه وسلم هو الرد إليه نفسه فى حياته وإلى سنته بعد وفاته. . . .

- - - - - - - - . . . .

. . . - - - - - - - - . . .

- - . . - - - - - - - - - - .

ومنها أنه جعل هذا الرد من موجبات الإيمان ولوازمه فإذا انتفى هذا الرد انتفى الإيمان ضرورة انتفاء الملزوم لانتفاء لازمه ولاسيما التلازم بين هذين الأمرين فإنه من الطرفين وكل منهما ينتفى بانتفاء الآخر، ثم أخبرهم أن هذا الرد خير لهم وأن عاقبته أحسن عاقبة، ثم أخبر سبحانه أن من تحاكم أو حاكم إلى غير ما جاء به الرسول فقد حكم الطاغوت وتحاكم إليه . . . . .

کی طرف رجوع کرنے کا مطلب کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی حیات مبارکہ میں آپ سے بذات خود فیصلے کرائے جائیں اور آپکی وفات کے بعد آپ کی سنت کی طرف رجوع کیا جائے۔

اور ان (نکتوں) میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس "رجوع کرنے" کو ایمان کے موجبات اور لوازمات میں سے قرار دیا ہے لہذا اگر حسب فرمان رجوع نہ کیا جائے گا تو پھر ایمان ختم ہو جائے گا، اس لئے کہ لازم کی نفی سے ملزوم کی بھی نفی ہو جاتی ہے خصوصاً ان دونوں امور میں تو تلازم طرفین سے پایا جاتا ہے لہذا ہر ایک کی نفی دوسرے کی نفی کو مستلزم ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ یہ رجوع ان کے لئے بہتر ہے اور اس کا انجام بہتر انجام ہے، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس بات سے بھی آگاہ فرمایا کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی سنت کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا حکم یا حاکم بنایا تو اس نے شیطان

- - - - - - . . . . . . ـه کو اپنا حاکم بنایا اور اس سے اپنا فیصلہ کرایا۔"

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا دستور العمل برابر یہی چلا آتا رہا کہ جب بھی ان کو کوئی معاملہ پیش آیا تو اولاً اسے قرآن کریم میں تلاش کیا اگر اس میں نہ مل سکا تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا اگر سنت میں بھی نہ مل سکا تو پھر اہل علم کے مشورے سے کتاب و سنت سے اس کا حکم استنباط کیا، حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسا ہی کیا کرتے تھے، امام دارمیؒ لکھتے ہیں:۔

كان أبو بكرؓ إذا ورد عليه الخصم نظر في كتاب الله فإن وجد فيه ما يقضي بينهم قضى به، وإن لم يكن في الكتاب وعلم من رسول الله صلى الله عليه وسلم في ذلك الأمر سنة قضى به؛ فإن أعياه خرج فسأل المسلمين وقال: أتاني كذا و كذا فهل علمتم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى في ذلك بقضاء؟ فربما اجتمع النفر كلهم يذكر من رسول الله صلى الله عليه و سلم فيه قضاءً. فيقول ابوبكر: الحمد لله ــــ

"جب حضرت ابو بکرؓ کے پاس کوئی مدعی آتا تو کتاب اللہ میں غور کرتے اگر اس میں ان کو کوئی ایسا حکم مل جاتا کہ جس سے وہ فیصلہ کر سکتے تو اس سے فیصلہ کر دیتے اور اگر کتاب اللہ میں نہ ہوتا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے اس کا فیصلہ معلوم ہو جاتا تو اس سے اس کا فیصلہ کر دیتے تھے اور جو پھر دقت پیش آتی تو باہر آکر مسلمانوں سے دریافت فرماتے کہ ایسا ایسا واقعہ پیش آیا ہے کیا تمہیں معلوم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا ہے؟ تو بعض مرتبہ تو ایسا ہوتا کہ متعدد حضرات اس معاملہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ سنا دیتے (کہ حضور اقدس صلی اللہ نے یہ فیصلہ کیا تھا)

ـه اعلام الموقعین (۱: ۴۹ و ۵۰)۔

الذی جعل فینا من یحفظ علی نبینا ، فإن أعیاه أن یجد فیه سنة من رسول الله صلی الله علیه وسلم جمع رؤوس الناس وخیارهم فاستشارهم ؛ فإذا اجتمع رأیهم علی أمر قضی به۔[1]

اس پر حضرت ابوبکر فرماتے : تعریف اس خدا کے لئے ہے جس نے ہم میں ایسے لوگ پیدا کئے جنہوں نے ہمارے نبی کی سنت کو یاد رکھا ، اور اگر اب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دریافت کرنے میں دقت پیش آتی تو آپ سرکردہ لوگوں اور بہترین افراد کو جمع کر کے ان سے مشورہ کرتے اور جب کسی معاملہ پر ان کا اتفاق ہو جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے۔"

اطاعتِ رسول کی اصل وجہ

رسول کے مفترض الطاعۃ ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس کا ہر قول و فعل عموماً وحی الٰہی (وحی غیر متلو) کے مطابق ہوتا ہے اور اگر اس سے اجتہاد میں خطا ہو جاتی تو فوراً وحی کے ذریعہ اس کو آگاہ کر دیا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول و فعل دونوں میں معصوم ہیں۔ چنانچہ نطق نبوی کے بارے میں ارشاد ربانی ہے :-

۱۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى ۝[2]

"اور وہ نہیں بولتے اپنی طرف سے کچھ بھی یہ تو وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے۔"

اور کردار نبوی کے بارے میں اللہ جل شانہٗ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ اعلان کرایا :-

۲۔ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۤئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ

"آپ کہہ دیں کہ میرا کام نہیں کہ میں اس کو اپنی طرف سے بدل ڈالوں میں

---

[1] سنن دارمی (۱ : ۳۲ و ۳۳)۔

[2] النجم : ۳، ۴

إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ [۱]	اس کی تابعداری کرتا ہوں جو میری طرف حکم آئے :

اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ یہاں تک فرما دیا گیا کہ :-

۳ — وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ [۲]	"اور اگر یہ (رسول) بنا لاتا ہم پر کوئی بات تو ہم پکڑ لیتے اس کا داہنا ہاتھ، پھر کاٹ ڈالتے اس کی رگِ گردن"

جس سے صاف معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل سب وحی الٰہی کے مطابق تھا، اور مذکورہ بالا تنقیح و تحقیق سے یہ بھی قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مستقل بالذات غیر مشروط اور دائمی ہے اس لئے کہ آپ کے بعد نہ کوئی نبی و رسول آئے گا نہ کتاب و وحی الٰہی نازل ہو گی، آپ آخری نبی و رسول ہیں اور قرآن کریم آخری کتاب و وحی ہے اور شریعت اسلام آخری دین اور شریعت ہے جو قیامت تک بعینہٖ معمول بہ اور واجب الطاعۃ ہے۔

مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کی اطاعت کے مستقل بالذا اور لازمی ہونے کی تصریح کی ہے :-

۴ — وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ [۳]	"اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس واسطے کہ اس کا حکم مانیں اللہ کے فرمانے سے"

یعنی تمام انبیاء و رُسُل کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ ان کے اوامر و نواہی، اقوال و افعال اور اخلاق و سیرت میں ان کی اطاعت و پیروی کی جائے، اسی لئے حضرت

---

[۱] یونس : ۱۵

[۲] الحاقہ : ۴۴ تا ۴۶

[۳] النساء : ۶۴

نوح علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوم کو یہی دعوت دی کہ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو جیساکہ تفصیل سے ہم آپ کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ انسانوں کی ہدایت کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کا کلام ہرگز کافی نہیں بلکہ اس پر عمل کرکے دکھلانے اور بتلانے والا انسان بھی ضروری ہے اور اسی انسان کا نام رسول ہے جس کا ہر قول و فعل اللہ جل شانہٗ کے حکم کے مطابق سرزد ہوتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے انہی اقوال و افعال و اخلاق کے مجموعہ کا نام سنت، حکمت اور شریعت الٰہیہ ہے۔

پھر آیت کریمہ مندرجہ ذیل میں یہ بھی واضح فرمایا کہ رسول کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے، بالفاظ دیگر اللہ کی اطاعت رسول کی اطاعت کے بغیر ممکن ہی نہیں لہٰذا جو شخص رسول کی تعلیمات (سنت و حدیث) کا انکار کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا مدعی ہے وہ سخت ترین جہالت اور خود فریبی میں مبتلا ہے۔

ارشاد باری ہے:-

۵ — مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ [1]	"جس نے حکم مانا رسول کا اس نے حکم مانا اللہ کا۔"

غور فرمایئے کس طرح اطاعت رسول میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے منحصر ہونے کو واضح فرمایا ہے اور دوسری جگہ اللہ جل شانہٗ نے مدعیان محبت الٰہی کو واشگاف الفاظ

---

[1] النساء: ۸۰، اس آیت سے قبل کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو محقق اور ثابت کیا ہے اور پھر فرمایا کہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) چونکہ میرے ہی بھیجے ہوئے ہیں اس لئے ان کی اتباع میری ہی اتباع کرنے کے مرادف ہے۔ یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ رسول کی اطاعت سے مقصد صرف کتاب اللہ کی اتباع نہیں کیونکہ اللہ کی اطاعت و اتباع کو سب ضروری سمجھتے تھے اور کتاب اللہ پر عمل بھی کرتے تھے اگر کسی کو چون و چرا ہو سکتا تھا تو رسول کی اطاعت میں آپ کی سنت و احادیث کے ماننے میں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کو صاف طور پر واضح فرمایا کہ رسول کی اطاعت میں ہی اللہ کی اطاعت ہے، جس طرح کہ اللہ تعالیٰ بعثت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

(باقی صفحہ آئندہ پر)

میں سنا دیا کہ میری محبوبیت اتباع نبوی سے وابستہ ہے۔ ارشاد ہے:۔

۶ــــ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [1]

"آپ کہہ دیں کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری راہ چلو تاکہ اللہ تم سے محبت کرے۔"

اس آیت کریمہ میں قطعی طور پر واضح فرما دیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اتباع و پیروی کے بغیر اللہ تعالیٰ کی محبت یعنی خدا پرستی کا دعویٰ سراسر جہالت و سفاہت ہے جو لوگ اخلاق و اعمال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں وہ عند اللہ "مَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ" اور "ضَآلِّیْنَ" کا مصداق اور قہر الٰہی میں گرفتار ہیں اس کے مقابل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی اطاعت اور اعمال و اخلاق کی پیروی کرنے والے "اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ" کا مصداق ہیں، ارشاد ہے:۔

۷ــــ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا [2]

"اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا سو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا کہ وہ نبی اور صدیق اور شہید اور نیکو کار ہیں اور اچھی ہے ان کی رفاقت۔"

؋ ؋ ؋ ؋

اس آیت کریمہ میں اللہ جل شانہٗ نے ان چار جماعتوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن پر اپنے

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ۔ (الفتح: ۱۰)

"تحقیق جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے۔"

اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی شرح اپنے الفاظ میں اس طرح کی ہے: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی (صحیح بخاری ۱/۵۱۱ اور ۲/۱۰۵۷)

حاشیہ صفحہ ہذا ←

[1] آل عمران: ۳۱

[2] النساء: ۶۹

انعامات کی بارش کی ہے یہ چار جماعتیں بالاتفاق عام لوگوں سے افضل و ارفع ہیں، ۱۔ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام، ۲۔ صدیقین، ۳۔ شہداء، ۴۔ صالحین۔ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) یہ چاروں جماعتیں سب مخلوق سے افضل ہیں اور سب مخلوق ان سے درجہ میں کم ہے، لیکن اگر کوئی چاہے کہ ان کے زمرہ میں شامل ہو تو اس کو چاہیئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے۔

۸ — وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ط[1]	"اور اگر اس (رسول) کا کہا مانو تو راہ پاؤ اور پیغام لانے والے کے ذمہ نہیں مگر پہونچا دینا کھول کر۔"

اس آیت کریمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے منصب کو واضح فرمایا گیا ہے کہ آپ کا منصب تبلیغ ہے۔ اور لوگوں کا فرض آپ کی بات ماننا اور آپ کی اطاعت کرنا ہے اگر آپ کی اطاعت کی تو ہدایت یافتہ ہو کر کامیاب ہوں گے ورنہ عدم اطاعت کی صورت میں ہدایت سے بے بہرہ ہو کر ضرر عظیم میں مبتلا ہو جائیں گے۔

علامہ جلال الدین سیوطی مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں حضرت ابو عثمان حیریؒ سے نقل کرتے ہیں کہ:-

الصحبة مع الله بحسن الأدب ودوام الهيبة والمراقبة، والصحبة مع الرسول صلى الله عليه وسلم باتباع سنته وظاهر العلم، وقال: من أمّر السنة على نفسه قولاً وعملاً نطق	"اللہ کی معیت حسن ادب، دوام ہیبتِ الٰہی اور مراقبہ سے نصیب ہوگی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت آپ کی سنت اور علم ظاہری کی پیروی سے۔ نیز فرمایا کہ: جو سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوپر حاکم بنائے گا حکمت

---

[1] النور: ۵۴

بالحكمة ومن امر الهوى على نفسه نطق بالبدعة قال الله تعالى: وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا [1]	کی باتیں اس کی زبان سے نکلیں گی اور اور جو اپنے نفس پر خواہشات کو حاکم بنائے گا وہ بدعت کی باتیں بکے گا اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں: تم اگر ان (رسول) کی اتباع کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔"
۹ — وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ [2]	" اور قائم رکھو نماز اور زکاۃ دیتے رہو اور حکم پر چلو رسول کے تاکہ تم پر رحم ہو۔"

آیت کریمہ بالا میں اللہ جل شانہٗ نے تین چیزوں کا بندوں کو حکم دیا ہے (۱) نماز قائم کرو، (۲) زکاۃ ادا کرو، (۳) رسول کی اطاعت کرو۔

غور سے دیکھا جائے تو آیت کریمہ میں مختلف عنوان سے اطاعتِ رسول ہی کا ذکر ہے کیونکہ نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ کا ادا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و احادیث پر عمل کئے بغیر ناممکن ہے جب تک آپ کی بیان کردہ ان تفصیلات کو تسلیم نہ کر لیا جائے اور ان پر عمل نہ کیا جائے جنہیں آپ نے احادیث مبارکہ میں بیان فرمایا ہے نہ نماز پڑھی جا سکتی ہے اور نہ زکاۃ ادا کی جا سکتی ہے۔ اور نماز اور زکاۃ کا ذکر تو ان کے اہم عبادات ہونے کی وجہ سے کیا گیا ورنہ ظاہر ہے کہ سنت و حدیث کے بغیر دین کے کسی شعبہ پر بھی عمل نہیں ہو سکتا۔

ہمارے شیخ، علامۃ العصر المحدث الکبیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری قدس سرہ العزیز نے یہاں ایک نکتہ بیان فرمایا ہے، اور وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کے ساتھ بیان کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا وہی درجہ ہے جو نماز اور زکوٰۃ کا ہے یعنی جیسے نماز پڑھنا اور زکوٰۃ ادا

---

[1] مفتاح الجنۃ (ص: ۴۹ و ۵۰)۔

[2] النور: ۵۶

کرنا فرض ہے ایسے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی فرض ہے۔ (اللّٰھم ارزقنا متابعة رسولك وحبيبك وتوفنا عليه وألحقنا بالصالحين ، آمين، اللّٰھم آمين ، ويرحم الله عبداً قال آمينا)

١٠ــ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ[1]

”اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔“

اس آیت کریمہ میں ایمان کی شرط ہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو بتلایا گیا ہے، معلوم ہوا کہ مومن کی شان ہی یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اور اسی پر اس کی حیات ابدی کا دار و مدار ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

١١ــ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ الآية[2]

”اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جس وقت بلائیں تم کو اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے اور بتلا دیا ہے کہ تمہاری حیات حقیقی کا انحصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر ہے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نماز پڑھ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آواز دی، وہ چونکہ نماز میں مشغول تھے اس لئے جواب نہ دیا، جب نماز پڑھ چکے تو حاضر خدمت ہوئے۔ آپؐ نے تاخیر کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اس لئے فوراً حاضر نہ ہو سکا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ رسول کی آواز پر فوراً لبیک کہو اور تم نے تاخیر کر دی۔ چنانچہ امام بخاری حضرت ابوسعید بن المعلیٰؓ سے نقل کرتے ہیں:-

---

[1] الانفال : ١

[2] الانفال : ٢٤

مرّ بي النبي صلی اللہ علیہ وسلم وأنا أصلي فدعاني فلم آته حتی صلیت ثم أتیت، فقال: «ما منعك أن تأتي؟» فقلت: کنت أصلي، فقال: «ألم یقل اللہ: «یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ» الآیة[1]

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے قریب سے گذرے میں نماز میں مشغول تھا۔ آپ نے مجھے بلایا تو میں اس وقت نہیں گیا بلکہ نماز سے فارغ ہو کر حاضر خدمت ہوا تو آپؐ نے فرمایا: تمہیں آنے میں دیر کیوں ہوئی؟ میں نے عرض کیا کہ میں نماز میں مشغول تھا' آپؐ نے فرمایا کہ کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ: اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔"

ایک اور آیت کریمہ میں ارشاد ربانی ہے :-

۱۲— وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝[2]

"اور جو کوئی کہنے پر چلے اللہ کے اور اس کے رسول کے اس نے بڑی مراد پائی"

ایک اور آیت میں ہے :-

۱۳— وَاِنْ تُطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا یَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَیْـًٔا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝[3]

اور اگر حکم پر چلو گے اللہ کے اور اس کے رسول کے تو تمہارے اعمالوں میں سے کچھ کم نہیں کرے گا، بیشک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔"

ایک اور مقام پر اس طرح حکم دیا :-

۱۴— وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ[4]

"اور اطاعت کرو اللہ کی اور اسکے رسول کی۔"

مذکورہ بالا آیات میں مُذکّر کے صیغے استعمال کئے گئے تھے یعنی مرد مخاطب تھے اگرچہ

---

[1] صحیح بخاری (۲: ۶۸۳)۔

[2] الاحزاب : ۷۱

[3] الحجرات : ۱۴

[4] المجادلہ : ۱۳

عام طرز خطاب کے اعتبار سے عورتیں بھی اس میں داخل و شامل ہیں مگر مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں مؤنث کا صیغہ لاکر عورتوں کو بھی خصوصیت کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے، ارشاد ہے:۔

۱۵۔ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ [1]	"اور تم اطاعت میں رہو اللہ اور اس کے رسول کی۔"

* * *

اس آیت میں عورتوں کو بھی مردوں کی طرح خدا اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عورتوں سے بیعت لی تو اس میں بھی یہی شرط لگائی کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا ہوگی [2]

رسول کی مخالفت پر قرآنی وعیدیں

۱۔ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا [3]	"اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جب کہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے راستہ کے خلاف تو ہم حوالہ کریں گے اس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے ہم اس کو دوزخ میں اور بہت بُری جگہ پہونچا۔"

* * *

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے اور آپ کے احکام و فرامین کو تسلیم نہیں کرتے ہیں نیز جو لوگ مسلمانوں کی راہ چھوڑ کر دوسر راہ اختیار کرتے ہیں ان کو جہنم کی وعید سنائی ہے، اس لئے علماء کرام نے اس آیت کو اجماع کی حجیت کے لئے دلیل میں پیش کیا ہے، اب یہ بھی ذہن میں رہے کہ امت کا اس

---

[1] الاحزاب : ۳۳

[2] مسند احمد (۶ : ۳۵۷ و ۳۶۵ و ۳۷۹) وغیرہ۔

[3] النساء : ۱۱۵

امر پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے اور آپ کی مخالفت کفر ہے، اس لئے یہ آیت کریمہ حجیت حدیث کے لئے دونوں حیثیت سے نہایت واضح دلیل ہے۔

ہماری معلومات کی حد تک اس آیت کریمہ کو حجیت اجماع کے سلسلہ میں سب سے پہلے امام شافعی رحمہ اللہ نے پیش کیا، واقعہ یہ ہوا کہ ایک شخص امام موصوف کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کر کے آپ کے پاس بیٹھ گیا، اور پھر یہ سوال کیا کہ بتلایئے: خدا کے دین میں حجت و دلیل کیا چیز ہے؟

امام شافعیؒ : اللہ تعالیٰ کی کتاب۔

سائل : اس کے علاوہ اور کیا چیز؟

امام شافعیؒ : اللہ تعالیٰ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت و احادیث۔

سائل : کیا اس کے علاوہ اور بھی کوئی چیز حجت ہے؟

امام شافعیؒ : امت کا کسی چیز پر اجماع۔

سائل : کیا آپ کتاب اللہ سے اجماع امت کے حجت ہونے کی کوئی دلیل پیش کر سکتے ہیں؟

امام شافعیؒ ذرا سی دیر کے لئے سوچ میں پڑ جاتے ہیں۔

سائل : میں اس وقت تو جا رہا ہوں آپ خوب سوچ لیں تین دن بعد میں آؤں گا آپ اس وقت مجھے بتلا دیجئے گا، ورنہ .... ورنہ آپ اپنے اس قول سے رجوع کر لیجئے گا۔

سائل تو یہ کہہ کر چلا جاتا ہے، امام شافعیؒ گھر جا کر پورے تدبر کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے ہیں، اس طرح جب نو مرتبہ قرآن کریم اول تا آخر ختم کر لیا تو مندرجہ بالا آیت آپ کے ذہن میں آئی اور آپ اپنی مجلس میں تشریف لے آئے، اب تیسرا دن شروع ہو چکا تھا، سائل حسب وعدہ آن موجود ہوا اور آتے ہی عرض کرنے لگا: امید ہے آپ دلیل پیش فرمائیں گے۔

امام شافعیؒ : جی ہاں ضرور، لیجئے ملاحظہ فرمایئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ "اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے جبکہ

مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ
غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا
تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ
مَصِيْرًا ۝[1]

اس پر کھل چکی سیدھی راہ اور مسلمانوں کے
راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے
تو ہم اس کے حوالہ کر دیں گے وہی راستہ جو
اس نے اختیار کیا اور ہم اس کو ڈال دیں گے
دوزخ میں جو بہت بری جگہ ہے۔"

دیکھئے وہ آگ میں اس وجہ سے داخل ہوگا کہ اس نے ایک فرض کو چھوڑ دیا اور اجماع امت کے خلاف کیا۔

سائل : بے شک آپ نے بالکل بجا ارشاد فرمایا، شکریہ .... ، سائل رخصت ہوجاتا ہ[2]

امام شافعیؒ نے دلائل کے سلسلہ میں اس شخص کے سامنے تین چیزیں بیان کیں، ۱۔کتاب اللہ، ۲۔سنت رسول، ۳۔اجماع امت، اور یہ ثابت کیا کہ تینوں حجت اور واجب الاتباع ہیں، اب سوچنے کی بات ہے کہ جب اجماع حجت ہے تو سنت نبوی کیوں حجت نہ ہوگی جب ک اس کی حجیت پر بے شمار آیات قرآنیہ بھی شاہد ہیں اور اجماع امت بھی سنت رسول اللہ (علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتسلیم) کے حجت ہونے پر ہے۔

سورۂ انفال میں ارشاد ہوتا ہے :۔

۲ــــ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ
رَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ
رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
الْعِقَابِ ۝[3]

"یہ اس لئے ہے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ
کے اور اس کے رسول کے اور جو کوئی مخالف
ہو اللہ کا اور اس کے رسول کا تو بیشک
اللہ کا عذاب سخت ہے۔"

اس آیت سے معلوم ہوگیا کہ رسول کی مخالفت اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی طرح ہے اور

---

[1] النساء : ۱۱۵

[2] مفتاح الجنۃ (ص: ۲۸)۔

[3] الانفال: ۱۳

جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے اس کو سخت ترین عذاب دیا جائے گا ۔

ایک اور آیت میں ارشاد ہے :۔

۳۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ الآیۃ[1]

" جنگ کرو ان لوگوں کے ساتھ جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور حرام نہیں جانتے ہیں وہ اس کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے "

ملاحظہ فرمائیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان نہیں لاتے اور جس چیز کو اللہ یا اس کے رسول نے حرام کیا ہو اسے حرام نہیں سمجھتے بلکہ ان کی مخالفت کرتے ہیں ۔ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کو حرام قرار دیں اس کی حرمت کا بھی بعینہٖ وہی حکم ہے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیز کا ہے اور جس طرح ان لوگوں سے جنگ کرنا ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہ سمجھیں ، اس طرح ان لوگوں سے بھی قتال واجب ہے جو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام نہ سمجھیں ۔

ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں :۔

۴۔ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ[2]

" کیا وہ نہیں جانتے کہ جو کوئی مقابلہ کرے اللہ سے اور اس کے رسول سے تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے ہمیشہ اس میں رہے گا یہی بڑی رسوائی ہے "

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں :۔

۵۔ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ

" سو ڈرتے رہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے

---

[1] توبہ : ۲۹

[2] توبہ : ۶۳

عَنْ اَمْرِہٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ؕ[1]

ہیں اس (رسول) کے حکم کے اس سے کہ آپڑے ان پر کچھ خرابی یا پہونچے ان کو دردناک عذاب"۔

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو رسول کی مخالفت سے باز رہنے کا حکم دیا ہے اور تنبیہ فرمادی کہ رسول کی مخالفت دردناک عذاب کا ذریعہ ہے۔ آیت ثانیہ میں اللہ تعالیٰ نے لفظ "اَمْرِہٖ" استعمال فرمایا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور تقریرات سب کو شامل ہے۔ لہٰذا سب امور میں آپ کا اتباع لازمی ہے اس لئے امام مالکؒ نے اس شخص کو جس نے ان سے حدیث نبوی کے مقابلہ میں ان کی رائے پوچھی تو یہی آیت پڑھ کر سنائی تھی۔ چنانچہ علامہ بغوی المتوفی ۵۱۶ھ اور علامہ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ حضرت عثمان بن عمرؓ سے بسند متصل نقل کرتے ہیں:

قال جاء رجل إلى مالك فسأله عن مسألة. فقال له: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا وكذا. فقال الرجل: أرأيت؟ فقال مالك: «فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ»[2]

"ایک شخص امام مالکؒ کے پاس آیا اور ان سے ایک مسئلے کے بارے میں دریافت کیا۔ امام صاحبؒ نے اس سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے۔ تو اس پر اس شخص نے پوچھا: آپ کا کیا خیال ہے؟ امام مالکؒ نے جواباً یہ آیت تلاوت کی کہ: سو ڈرتے رہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں اس کے حکم کے اس سے کہ ان پر کوئی مصیبت یا دردناک عذاب آپہونچے"۔

---

[1] النور : ۶۳

[2] مفتاح الجنة (ص:۳۳ و ۳۴)-

یعنی جب اس شخص نے امام مالکؒ سے حدیث نبوی سُنی تو دریافت کرنے لگا کہ کیا آپ کی رائے بھی اسی کے موافق ہے ؟ یہ سُن کر امام صاحبؒ کو غصہ آگیا اور آپ نے یہ آیت تلاوت کرکے اس کو بتلا دیا کہ سنت صحیحہ (حدیث صحیح) کے خلاف میں کیونکر کر سکتا ہوں جبکہ مجھے معلوم ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ اور ان کے حکم کے خلاف کرتے ہیں انہیں سخت قسم کا دردناک عذاب دیا جائے گا۔

۶۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى لَنْ يَضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ[1]	”بے شک جو لوگ منکر ہوئے اور روکا انہوں نے اللہ کی راہ سے اور مخالف ہوگئے رسول سے بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکی ان پر سیدھی راہ نہ بگاڑ سکیں گے اللہ کا کچھ بھی اور وہ اکارت کر دے گا ان کے سب اعمال۔“

* * *

۷۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ[2]	”اے ایمان والو ! بلند نہ کرو اپنی آواز نبی کی آواز سے اوپر اور اس سے نہ بولو تڑخ کر جیسے تڑختے ہو ایک دوسرے پر ، کہیں اکارت نہ ہو جائیں تمہارے کام اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔“

* * *

جائے غور ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اپنی آواز کا بلند کرنا حبطِ اعمال کا سبب بن سکتا ہے تو پھر احادیث کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کا اتباع کرنا حبطِ اعمال کا ذریعہ کیونکر نہ ہوگا۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں :-

---

[1] سورۂ محمد : ۳۲

[2] الحجرات : ۲

فإذا كان رفع أصواتهم فوق صوته سبباً لحبوط أعمالهم فكيف تقديم آرائهم وعقولهم وأذواقهم وسياساتهم ومعارفهم على ما جاء به ورفعها عليه ؟ أليس هذا أولى أن يكون محبطاً لأعمالهم [1]	"جب لوگوں کا اپنی آواز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند کرنا اعمال کے ضائع ہونے کا سبب بن سکتا ہے تو ان کا اپنی رائے اور عقول اور اذواق وسیاست اور اپنے علوم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام وسنت پر مقدم کرنا حبط اعمال کا سبب کیونکر نہ ہوگا ؟"
٨ ـ إِنَّ الَّذِيْنَ يُحَادُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ [2]	"جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی وہ ذلیل ہوئے جیسے کہ وہ لوگ ذلیل ہوئے جو ان سے پہلے تھے"
٩ ـ إِنَّ الَّذِيْنَ يُحَادُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ أُولٰٓئِكَ فِي الْأَذَلِّيْنَ [3]	"بے شک جو لوگ خلاف کرتے ہیں اللہ کے اور اس کے رسول کے وہ سب کے سب ذلیلوں میں سے ہیں"
١٠ ـ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ [4]	"یہ اس لئے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ کے اور اس کے رسول کے اور جو مخالف ہو اللہ کے تو اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے"
١١ ـ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ	"اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت

---

[1] إعلام الموقعين (١ : ٥١)۔

[2] المجادلہ : ٥

[3] المجادلہ : ٢٠

[4] الحشر : ٣

إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ *

کا یہ کام نہیں جبکہ مقرر کردے اللہ اور اس کا رسول کوئی کام کہ ان کو رہے اختیار اپنے کام میں ۔"

مندرجہ بالا آیات کریمہ صراحۃً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کو مان لینا چاہئے اور اُن کی مخالفت سے بچنا چاہئے اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ عام ہے خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات وغیرہ سے ، کسی امر یں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے فیصلہ سے منہ موڑنے کا اختیار کسی کو نہیں ۔

آیت کریمہ " وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ " الآیہ ، حضرت زینبؓ اور ان کے ھائی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ وہ حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ اپنی بہن کا نکاح نے پر آمادہ نہ تھے اس لئے کہ وہ مولیٰ (آزاد کردہ غلام) تھے چنانچہ اس آیت کریمہ کے ازل ہونے کے بعد انہوں نے اپنی بہن کی شادی حضرت زیدؓ کے ساتھ کردی ۔

سنن دارمی میں ہشام بن حجیر سے روایت ہے کہ :-

كان طاؤس يصلي ركعتين بعد العصر فقال له ابن عباس : اتركهما ، فقال : إنما نهي عنهما أنْ تتخذ سلماً قال ابن عباس : فإنه قد نهي عن صلاة بعد العصر؛ فلا أدري أتعذب عليهما أم توجر لأن الله تبارك وتعالى قال : « وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ

" طاؤسؒ عصر کی نماز کے بعد دوگانہ پڑھا کرتے تھے ۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان کو فرمایا کہ یہ دوگانہ پڑھنا چھوڑ دو ۔ اس پر طاؤس کہنے لگے ممانعت تو ان دو رکعتوں کی اس لئے ہے کہ کہیں لوگ غروب آفتاب تک نفل پڑھنے کا انہیں ذریعہ نہ بنالیں ۔ یہ سُن کر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا ہے اب مجھے معلوم

---

* الاحزاب : ۳۶

إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ » قال سفيان : تتخذ سلمًا يقول : يصلي بعد العصر إلى الليل [1]

نہیں کہ کیا تمہیں ان دو رکعتوں کے پڑھنے پر عذاب دیا جائیگا یا اجر ملے گا۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا تو یہ ارشاد ہے کہ کسی بھی مومن مرد اور کسی بھی مومن عورت کا یہ کام نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی کام تجویز کر دیں تو اس کے بعد بھی ان کو اس میں اختیار باقی رہے۔ راوی حدیث سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ تتخذ سلما کا مطلب یہ ہے کہ عصر کے بعد سے رات تک نماز پڑھی جاتی رہے"۔

اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ کو امام دارمی اس طرح نقل کرتے ہیں :-

عن أبي رباح شيخ آل عمر قال رأى سعيد بن المسيب رجلًا يصلي بعد العصر الركعتين يكثر؛ فقال له : يا أبا محمد ! أيعذبني

"حضرت ابو رباح جو آل عمر کے ایک بزرگ ہیں ان سے مروی ہے کہ حضرت سعید بن المسیب نے ایک شخص کو عصر کے بعد دو رکعتیں کثرت سے پڑھتے دیکھا، اس شخص نے ان سے پوچھا کہ

---

[1] سنن دارمی باب ما یتقی من تفسیر حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقول غیرہ عند قولہ صلی اللہ علیہ وسلم (۱۴۲) مستدرک حاکم (۱ : ۱۱۰) اور سنن بیہقی باب النہی عن الصلاۃ بعد الفجر حتی تطلع الشمس (۲ : ۳۵۱)

اس واقعہ کو علامہ ابو عمر بن عبد البر المتوفی ۴۶۳ھ نے اپنی کتاب "جامع بیان العلم" میں (۲ : ۱۸۹) پر نقل کیا ہے اس میں الفاظ اس طرح ہیں :

قال إنما نهى عنهما أن يتخذ اسنة، فقال ابن عباس : قد نهى رسول صلى الله عليه وسلم عن صلاة بعد العصر الخ

اسی واقعہ کو اختصار کے ساتھ دوسرے طریق سے محدث عبد الرزاق المتوفی ۲۱۱ھ نے اپنی کتاب "المصنف" میں باب الساعۃ التی یکرہ فیہا الصلاۃ (۲ : ۴۳۳) میں نقل کیا ہے اور امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی المتوفی ۳۲۱ھ نے اپنی کتاب "شرح معانی الآثار" کے باب الرکعتین بعد العصر (۱ : ۱۴۹) میں ذکر کیا ہے۔

الله على الصلاة ؟ فقال: يعذبك الله بخلاف السنة [1]	اے ابو محمد (حضرت سعید بن المسیب کی کنیت ہے) یہ تو بتلایئے کہ کیا اللہ تعالیٰ

مجھے نماز پڑھنے پر بھی عذاب دے گا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ سنت کے خلاف کرنے پر خدا تجھ کو سزا دے گا۔"

یعنی وہ شخص عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھا کرتا تھا اس نے سوال کیا کہ میں تو نماز پڑھتا ہوں جو ثواب کا کام ہے کیا اس پر بھی اللہ تعالیٰ مجھے عذاب دیں گے؟ اس کا یہ فعل چونکہ سنت رسول (علیہ الصلاۃ والسلام) کے خلاف تھا اس لئے حضرت سعید بن المسیبؒ نے اس سے فرمایا کہ چونکہ تم سنت کے خلاف کر رہے ہو اس لئے اللہ تعالیٰ تمہیں اس خلافِ سنت فعل پر عذاب دیں گے، اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر اور عصر کے بعد نفل نماز پڑھنے سے منع فرمادیا ہے [2]

۱۲ــ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ [3]	"اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کے حدود سے نکل جائے تو اس کو آگ میں ڈالے گا اور وہ اس میں ہمیشہ رہیگا اور اس کے لئے ذلت کا عذاب ہوگا۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرما دیا کہ رسول کی نافرمانی اسی طرح سخت عذاب کا سبب ہے جس طرح اللہ کی نافرمانی۔

۱۳ــ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا [4]	"اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ صریح اور کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔"

---

[1] سنن دارمی (ص ۱، ۶۲) علامہ سیوطی نے اس واقعہ کو امام دارمی سے اس طرح نقل کیا ہے: عن سعيد بن المسيب أنه رأى رجلاً يصلي بعد الركعتين يكثر الخ۔ ملاحظہ ہو مفتاح الجنۃ (ص ۴۲ و ۴۳)۔

[2] تفصیل کے لئے کتب حدیث ملاحظہ فرمائیں، بہت سی مرفوع احادیث میں عصر و فجر کے بعد نفل نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔ ومن شاء التفصيل فليراجع كتابنا "لب اللباب فيما يقوله

(بقیہ حواشی بر صفحہ آئندہ)

۱۴— اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ [1]	"کیا تو نے نہ دیکھا ان لوگوں کو جن کو منع ہوئی کانا پھوسی پھر بھی وہی کرتے ہیں جو منع ہو چکا اور کان میں باتیں کرتے ہیں گناہ کی اور زیادتی کی اور رسول کی نافرمانی کی۔"
۱۵— يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى [2]	"اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرو تو گناہ کی بات اور زیادتی کی بات اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کرو اور نیکی اور پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشی کرو (اس میں کوئی حرج نہیں)
۱۶— وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا [3]	"اور جو کوئی حکم نہ مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا سو اس کے لئے آگ ہے دوزخ کی وہاں ہمیشہ رہے گا۔"
۱۷— وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا [4]	"اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسول کی اور اس کی مخالفت سے ڈرتے رہو۔"

(بقیہ حواشی صفحہ گذشتہ) الترمذی : وفی الباب" فقد جمعنا فیہ المرفوع والموقوف.

[3] النساء : ۱۴ | [4] الاحزاب : ۳۶

(حواشی صفحہ ہذا) [1] المجادلہ : ۸

[2] المجادلہ : ۹

[3] الجن : ۲۳

[4] المائدہ : ۹۲

اس آیت میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کا حکم دیا بعینہٖ اسی طرح رسول کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے اور ساتھ ساتھ نہایت بلیغ الفاظ میں مخالفت رسول سے بچنے کا بھی حکم دیا۔

۱۸۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ [1]	"اور حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا اگر تم ایمان رکھتے ہو۔"

گویا رسول کی اطاعت پر ایمان موقوف ہے اور رسول کی مخالفت کافروں کا شعار ہے۔

۱۹۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ [2]	"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور ان کا کہنا ماننے سے روگردانی اختیار مت کرو جبکہ تم سن رہے ہو۔"

اس آیت کریمہ میں بھی اطاعت کا حکم دیا گیا اور اعراض و مخالفت سے روکا گیا ہے۔

۲۰۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ [3]	"اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور (اس میں) جھگڑا مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔"

اس سے پہلے کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ جب مقابلہ کافروں سے ہو تو خوب ثابت قدمی اور بہادری سے جہاد کیا کرو اور خدا کو خوب یاد کیا کرو جو تمہاری فلاح و کامیابی کا واحد ذریعہ ہے، پھر اس کے بعد یہ حکم دیا کہ ہر موقع اور ہر بات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اسی میں تمہارے لئے خیر اور بھلائی اور امن و سلامتی ہے، لیکن اگر تم نے رسول کی بات نہ مانی تو یقیناً تم میں

---

[1] الانفال : ۱

[2] الانفال : ۲۰

[3] الانفال : ۴۶

آپس میں نزاع اور جھگڑا پیدا ہوگا، ہر شخص اپنی بات منوانا چاہے گا اور ہر بات میں اپنی ٹانگ اڑائے گا جس سے تمہاری ہمت اور عزم و ثبات کو نقصان پہونچے گا۔

٢١۔ وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ
وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِنْهُمْ
مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَمَا أُولَٰئِكَ
بِالْمُؤْمِنِينَ [١]

"اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ اور اس کے رسول کو مانا اور حکم میں آگئے، پھر ان میں سے ایک فرقہ اس کے بعد پھر جاتا ہے اور وہ لوگ ماننے والے نہیں۔"

اس آیت میں اللہ جلّ شانہٗ نے منافقین کا تذکرہ فرمایا ہے کہ یہ منافقین مومن نہیں ہیں بلکہ مومن تو وہ ہوتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی صحیح معنوں میں اطاعت کرتا ہے قولاً بھی عملاً بھی، ظاہراً بھی اور باطناً بھی، معلوم ہوا کہ مومن کی شان ہی یہ ہے کہ وہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت نہیں کرتا۔

٢٢۔ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ
فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ
وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ [٢]

"آپ کہہ دیجئے کہ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا، پھر اگر تم منہ پھیروگے تو رسول کے ذمے ہے جو بوجھ اس پر رکھا ہے اور تمہارے ذمہ ہے جو بوجھ تم پر رکھا؟"

* * *

٢٣۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا
اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا
تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ [٣]

"اے ایمان والو! اللہ کے حکم پر چلو اور رسول کے حکم پر چلو اور اپنے کئے ہوئے کاموں کو ضائع مت کرو۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلادیا کہ اعمال اس وقت قبول ہونگے جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی جائے آپ کے اقوال وافعال، اوامر ونواہی اور اخلاق واعمال

---

[١] النور : ۴٧

[٢] النور : ۵۴

[٣] سورۂ محمد : ٣٣

صل کیا جائے اور جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے گا وہ اپنے سارے اعمال ضائع اور بے کار کر دے گا۔

٢٤۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا [١]

"اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا اس کو داخل کرے گا باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں اور جو کوئی پلٹ جائے اس کو دردناک عذاب دیگا۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ جل شانہٗ نے یہ بیان فرمایا کہ جنت اس شخص کو ملے گی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام کی اطاعت کرے اور جو بجائے اطاعت کے اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام کی مخالفت کریگا تو اسے دردناک عذاب دیا جائے گا۔

٢٥۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ [٢]

"اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منہ موڑو گے تو ہمارے رسول کا تو یہی کام ہے پہونچا دینا کھول کر۔"

رسول کی نافرمانی کفر ہے

٢٦۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ؕ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ، فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ

"ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول بتلانے والا تمہاری باتوں کا جیسے بھیجا فرعون کے پاس رسول، پھر کہا نہ مانا فرعون نے رسول کا پھر پکڑی ہم نے اس کو وبال کی پکڑ پھر کیونکر بچو گے اگر منکر ہو گے اس دن سے جو کر ڈالے گا لڑکوں

---

[١] الفتح : ١٧

[٢] التغابن : ١٢

اَلْوِلْدَانَ شِيْبًا الآيۃ [1]	کو بوڑھا"

اس آیت کریمہ میں ایک طرف فرعون کے کفر کا موجب رسول کی نافرمانی کو قرار دیا ہے، دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کو "اِنْ کَفَرْتُمْ" کے تحت کفر قرار دیا اور اس سے ڈرایا ہے اس لئے قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ رسول کی نافرمانی کفر

مذکورہ بالا آیات میں اگرچہ مذکر کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں اور عورتیں اس خطا میں شامل ہیں تاہم ایک مقام پر جمع مؤنث کا صیغہ بھی آیا ہے، ارشاد ہے:-

۲۷۔ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ [2]	"اور یہ (عورتیں) تیری نافرمانی نہ کریں کسی بھلے کام میں"

یہ الفاظ عورتوں کی بیعت کے تذکرے میں وارد ہوئے ہیں کہ ان عورتوں سے یہ عہد بھی لے لیں کہ وہ نیک کاموں میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔

مُخالفتِ رسُول کا انجام

مندرجہ بالا آیات اس بات پر صریح دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت نہایت ضروری ہے اس لئے اگر کوئی شخص اس سے اعراض کرے اور خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کا ارتکاب کرے تو اسے سخت عذاب دیا جائے گ اور اس وقت نافرمانی اور مخالفت کرنے والے تمنا کریں گے کہ کاش ہم نے نافرمانی نہ کی ہوتی اور رسول کے متبع و پیرو ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا، لیکن اس وقت حسرت و تمن کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اللہ جلّ جلالہٗ فرماتے ہیں:-

۲۸۔ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ	"اور جس دن کاٹ کھائے گا گنہگار اپنے ہاتھوں کو اور کہے گا کہ کاش

---

[1] المزمل : ۱۵، ۱۶ و ۱۷۔

[2] الممتحنہ : ۱۲

اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا[1]	میں نے رسول کے ساتھ راستہ پکڑا ہوتا۔"

اس آیت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ رسول کی مخالفت اور نافرمانی کرنے والوں کو سخت عذاب دیا جائے گا، وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سب ہی کے لئے ضروری اور فرض ہے اسی لئے عذاب کے وقت وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم رسول کے متبع ہوتے۔

۲۹۔ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ انکی حالت اس طرح بیان فرمائی ہے:۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا[2]	"جس دن اوندھے منہ کے بل وہ آگ میں ڈالے جائیں گے تو وہ کہیں گے کہ کیا ہی اچھا ہوتا جو ہم نے اللہ کا کہا مانا ہوتا اور رسول کی اطاعت کرلی ہوتی؟"

اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے قبل کافروں کا تذکرہ فرمایا ہے کہ اللہ نے کافروں کے لئے جہنم تیار کی ہوئی ہے جس میں انہیں ہمیشہ رہنا ہوگا ان کا نہ تو وہاں کوئی غمخوار دوست ہوگا اور نہ کوئی یار و مددگار، ان کو سخت عذاب دیا جائے گا۔ جب عذاب کی شدت سے وہ بے چین ہو جائیں گے تو تمنا کریں گے کہ اے کاش ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی تو ہمیں یہ دن نہ دیکھنا پڑتے۔ ان کی اس حسرت و افسوس کی حالت کو اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں بیان فرمایا ہے اور اسی حسرت اور ندامت کا ذکر ایک اور آیت میں اس طرح آیا ہے:

۳۰۔ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا[3]	"اس روز جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور رسول کا کہنا نہ مانا ہوگا یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم زمین کے پیوند ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ سے کسی بات کو نہ چھپا سکیں گے"۔

---

[1] الفرقان : ۲۷

[2] الاحزاب : ۶۶

[3] النساء : ۴۲

ان آیات سے معلوم ہو گیا کہ رسول کی مخالفت کرنے والوں کا کیا انجام ہوگا اور ان کو کس جگہ پھینک دیا جائے گا، جہنم کی دہکتی ہوئی آگ ہوگی اور ایسا دردناک عذاب ہوگا جس کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ جہنم میں جس شخص کو سب سے کم درجہ کا عذاب دیا جائے گا وہ شخص ہوگا جسے آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی جن کی شدتِ حرارت کی بنا پر اس کا دماغ ہانڈی کی طرح کھولے گا[1] چہ جائیکہ سخت اور دردناک عذاب ہو (أعاذنا اللہ منہ)

اطاعتِ رسول ایمان کی علامت اور عصیان کفر کی

۳۱۔ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذَا دُعُوْا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[2]	"ایمان والوں کی بات یہی تھی کہ جب بلائے جائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف فیصلہ کرنے کو ان میں تو وہ کہیں ہم نے سن لیا اور حکم مان لیا اور یہی ہیں وہ لوگ کہ انہی کا بھلا ہے۔"
۳۲۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ[3]	"اور جو کوئی اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور اللہ سے ڈرتا ہے اور اس کی (نافرمانی) سے بچکر چلے تو وہی لوگ کامیاب ہونے والوں میں سے ہیں۔"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ کامیابی اور فلاح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی میں منحصر ہے۔ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی صفت یہ بتائی ہے:۔

---

[1] مسند احمد (۱: ۲۹۰ و ۲۹۵) و (۲: ۴۳۲ و ۴۳۹) سنن دارمی (ص: ۳۸۴) صحیح بخاری (۲: ۹۷۱) صحیح مسلم (۱: ۱۱۵) وغیرہ۔

[2] النور: ۵۱

[3] النور: ۵۲

۳۳ ۔ وَيُطِيعُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ ط لہ	" اور وہ اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی "

اس آیت کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کے اوصاف شمار کرائے ہیں کہ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہیں، بُری باتوں سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکاۃ دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم پر چلتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا رحم کرتا ہے، تو گویا مؤمن کا اصل وصف خدا اور رسول کی اطاعت کرنا ہے، اور خدا کی اطاعت قرآن کریم کے احکام پر عمل کرنا ہے تو رسول کی اطاعت آپ کی سنّت پر عمل پیرا ہونا ہے۔ چنانچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں بھی اکثر فیصلے سنت نبوی ہی سے ہوتے تھے، اسلام پھیلنا شروع ہوا تو آپ کے مقرر کردہ قاضی اور حاکم جب دوسرے ملکوں میں جاتے تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہی فیصلے صادر کرتے تھے۔ اب جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لئے قرآن پاک کا محفوظ رہنا ضروری ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی غرض سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کا محفوظ رہنا بھی ضروری ہے ورنہ سنت پر عمل کیونکر ہو سکے گا۔ بھلا جو چیز موجود ہی نہ ہو اس کی اتباع کس طرح کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا اطاعتِ رسول کی آیتیں ہی اس بات کا ثبوت ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، یعنی آپؐ کے اقوال و افعال سب محفوظ ہیں اور محفوظ رہیں گے تاکہ آپؐ کی اطاعت کی جا سکے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اصل مصادر تشریع (احکام شرعیہ کے ماخذ) دو ہی ہیں، ایک کتاب اللہ، دوسرے سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت لازم ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی، چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

لَمْ أَسمع أَحدًا نسبه النّاس	" میں نے کسی ایسے شخص کو جسے لوگ عالم
أَو نسب نفسه إِلى علم يخالف	کہتے ہوں یا وہ خود اپنے آپ کو عالم سمجھتا

لہ التوبہ : ۷۱

فی أن فرض اللہ عز وجل اتباع أمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والتسلیم لحکمہ بأن اللہ عز وجل لم یجعل لمن بعدہ إلا اتباعہ وأنہ لا یلزم قول بکل حال إلا کتاب اللہ أو سنۃ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم وأن ما سواہما تبع لہما، وأن فرض اللہ تعالی علینا وعلی من بعدنا فی قبول الخبر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واحد لا یختلف فی أن الفرض والواجب قبول الخبر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1]

ہو اس بات کی مخالفت کرتے ہوئے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع کو فرض کیا ہے اور آپ کے احکام ماننے کو ضروری قرار دیا ہے اور بعد کے لوگوں پر آپ کی اتباع لازم کردی ہے اور ہر حال میں بغیر کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول کا ماننا ضروری نہیں، اور ان کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ ان دونوں کے تابع ہے، اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہمارے لئے اور بعد والوں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت (احادیث) کے قبول کرنے میں ایک ہی ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و احادیث کا قبول کرنا فرض و واجب ہے“

اخلاق اور سیرت میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی فرض ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی عمومی حیثیت کو واضح

---

[1] کتاب الام (۷ : ۲۵۰)۔

کرنے کے لئے "اطاعت" و "اتباع" کے علاوہ لفظ "اُسوہ" بھی استعمال فرمایا ہے جس کے معنی روش، ڈھنگ، چال اور طرز کے ہیں، یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی پیروی صرف آپ کے اقوال و احکام ہی میں محدود نہیں ہے بلکہ آپ کے ہر طرز و روش کو اپنانا ضروری ہے، ارشاد ہے :-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ [1]	"بے شک تمہارے لئے مفید ہے سیکھنی رسول کی چال، اس کے لئے جو امید رکھتا ہو اللہ کی اور پچھلے دن کی۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مسلمانوں کا پیشوا فرمایا ہے، اور آپ کی اتباع کا حکم دیا ہے، آپ کی زندگی کو قابل تقلید نمونہ اور اسوہ حسنہ قرار دیا ہے اور صاف لفظوں میں اعلان فرمایا ہے کہ اگر تم یہ طریقہ اختیار نہ کروگے تو مجھ سے کسی خیر کی توقع نہ رکھنا اس کے بغیر تم میری رضا حاصل نہیں کر سکتے اور فرمایا کہ اس سے بعینہ الکفر ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں :-

هذه الآية أصل كبير في التأسي برسول الله صلى الله عليه و سلم في أقواله وأفعاله و أحواله ولهذا أمر الله تبارك و تعالى الناس بالتأسي بالنبي صلى الله عليه وسلم [2]	"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور احوال کا لوگوں کے واسطے نمونہ ہونے کے لئے یہ آیت بڑی بنیادی دلیل ہے اس لئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کریں، آپکے اُسوہ کو اپنا مشعلِ راہ بنائیں۔"

مشہور اصولی امام ابوالحسن آمدی اس آیت سے استدلال کی توضیح ان الفاظ

---

[1] الاحزاب : ۲۱

[2] تفسیر ابن کثیر (۳ : ۴۷۴)۔

میں کرتے ہیں ۔

ووجه الاحتجاج به أنه جعل التأسي بالنبي عليه الصلاة و السلام من لوازم رجاء الله تعالى و اليوم الآخر ويلزم من عدم التأسي عدم الملزوم وهو الرجاء لله واليوم الآخر وذلك كفر، والمتابعة والتأسي في الفعل على ما بيناه في المقدمة هو أن يفعل مثل ما فعل على الوجه الذي فعل من أجل أنه فعل [1]

" اور اس آیت سے استدلال اس طرح ہوتا ہے کہ اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کو اللہ سے اور قیامت کے دن سے امید وابستہ کرنے کا ذریعہ قرار دیا ہے اور آپ کی پیروی نہ کرنے سے ملزوم یعنی اللہ اور یوم آخر سے امید رکھنے کی نفی لازم آتی ہے اور یہ کفر ہے، اور فعل میں آپ کی اقتداء اور اتباع کی صورت جیسا کہ ہم مقدمہ میں بیان کر چکے ہیں یہ کہ وہی کیا جائے جو آپ نے کیا اور اس طرح کیا جائے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے اور اسی لئے کیا جائے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے کیا ہے "

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو اسوۂ حسنہ (بہتر نمونہ) قرار دیا ہے تاکہ آپ کی زندگی کو اپنایا جائے، ہر بات میں آپ کی اتباع اور اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس ہدایت پر نہایت ثابت قدمی اور اخلاص و محبت کے ساتھ عمل کر کے دکھلا دیا، انہیں جب بھی اپنی زندگی میں کوئی معاملہ پیش آیا خود بھی آپ کی اتباع کی اور دوسروں کو بھی آپ کے اسوۂ حسنہ کی اقتدار کا حکم دیا، ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے لوگوں کے سامنے یہ مسالہ بیان کیا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لے اور اس پر قسم کھا بیٹھے تو وہ عورت اس شخص پر ہمیشہ کے لیے حرام نہ ہوگی بلکہ کفارہ دے کر حلال ہوسکتی ہے اور پھر اس مسئلہ

---

[1] الاحکام فی اصول الاحکام (ص: ۲۶۶)۔

ا باب میں آپ نے آیت بالا کو تلاوت کرکے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو پیش کیا چنانچہ امام بخاری نقل کرتے ہیں :-

ان ابن عباس قال فی الحرام یکفر وقال ابن عباس لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ؎۱	" حضرت عبداللہ بن عباس نے بیوی کو اپنے لئے حرام کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ کفارہ دیدے اور استدلال میں یہ آیت پیش کی " تمہارے لئے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات گرامی میں بہترین نمونہ عمل ہے "

اور دوسری جگہ یہی روایت ان الفاظ میں مروی ہے :-

اذا حرم امرأته لیس بشیٔ وقال لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ؎۲	" اگر کوئی شخص اپنے اوپر اپنی بیوی کو حرام کرے تو یہ کچھ نہیں (یعنی یہ حرمت عارضی ہے دائمی نہیں کفارہ دینے پر ختم ہوجائیگی)

اور دلیل میں فرمایا کہ : " تمہارے لئے اللہ کے رسول بہترین نمونہ ہیں "

حضرت ابن عباس رضؓ نے اس موقع پر اس آیت کو پیش کرکے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ حضرت ماریہ قبطیہ کی تحریم کا ہے ، بعض وجوہات کی بناء پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا اور ان سے قربت نہ کرنے کی قسم کھالی اس پر حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ میں متنبہ فرمایا :-

یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؎۳	" اے نبی تو کیوں حرام کرتا ہے جو حلال کیا ہے اللہ نے تجھ پر ، چاہتا ہے تو رضامندی اپنی عورتوں کی "

۱؎ صحیح البخاری (۲ : ۷۲۹)-

۲؎ (۲ : ۷۹۲)-

۳؎ التحریم : ۱

چنانچہ آپ نے فوراً قرآن کے حکم کے مطابق قسم کا کفارہ دیا اور حضرت ماریہؓ سے رجو کرلیا، حضرت ابن عباسؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی فعل کی طرف اشارہ کرکے تبلا ہیں کہ اب بھی اگر کوئی شخص اپنے لئے اپنی بیوی کو حرام کرلے تو وہ ہمیشہ کے لئے حرام نہ ہوگی کفارہ دینے کے بعد حلال ہوجائے گی جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔

اسی طرح ”سنن ابن ماجہ“ میں حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب کی زبانی منقول

كنا مع ابن عمر فی سفر فصلی بنا ثم انصرف فنا معه وانصرف قال، فالتفت فرأی ناساً يصلون، فقال: ما يصنع هؤلاء؟ قلت: يسبحون، قال: قلت: لو كنت مسبحاً لأتممت صلاتی، يا ابن أخی! إنّی صحبت رسول الله صلی الله عليه وسلم فلم يزد علی ركعتين فی السفر حتی قبضه الله، ثم صحبت أبا بكر فلم يزد علی ركعتين، ثم صحبت عمر فلم يزد علی ركعتين، ثم صحبت عثمان فلم يزد علی ركعتين حتی قبضهم الله، والله يقول: «لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ

”ہم ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ سفر میں تھے انہوں نے ہمیں نماز پڑھائی پھر ہم ان کے ساتھ چل دیے وہ بھی چل پڑے، اب انہوں نے منہ موڑ کر دیکھا تو لوگ نماز پڑھ رہے تھے، آپ تعجب سے پوچھنے لگے: یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: نفل پڑھ رہے ہیں، فرمایا: اگر مجھے نفل پڑھنا ہوتے تو میں (نماز قصر نہ کرتا) پوری پڑھتا، اے میرے برادر زادے! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا انہوں نے سفر میں دو رکعت سے زیادہ نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ رحلت فرما گئے، پھر میں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ رہا انہوں نے بھی دو رکعت سے زائد نماز نہ پڑھی، پھر میں حضرت عمرؓ کے ساتھ رہا انہوں نے بھی دو رکعت سے زائد نماز نہ پڑھی، پھر میں

حسنۃ» [1] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″
″ ″ ″ ″ ″ ″ ″

حضرت عثمان کے ساتھ رہا انہوں نے بھی دو رکعت سے زائد نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ سب حضرات وفات پا گئے، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے (یعنی ان کی اقتدا کرو)"۔

ملاحظہ فرمائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو حضرت ابن عمرؓ نے کس طرح کامل اتباع اور نمونہ سمجھ کر اس پر عمل کیا اور دوسرے حضرات کے نفل پڑھنے پر فوراً آیت پیش کر دی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے بہترین نمونۂ عمل ہیں اور میں نے آپ ہی کی اقتدا میں نفل چھوڑ رکھے ہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا پر جان دیتے تھے، جو کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کرتے صحابہؓ بھی وہی کرنے لگتے اور جس چیز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعراض فرماتے تھے صحابہؓ بھی اس سے روگردانی اختیار کر لیتے تھے،

"صحیح بخاری" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت آئی ہے کہ:-

إنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم اصطنع خاتمًا من ذهب فجعل فصّه في باطن كفه فصنع الناس، ثم إنّه جلس على المنبر فنزعه فقال: «إني كنت ألبس هذا الخاتم وأجعل فصّه من داخل» فرمى به ثم قال: «والله لا ألبسه أبدًا» فنزع الناس خواتيمهم [2]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی اور استعمال کے وقت اس کا نگینہ اندر رکھتے تھے صحابۂ کرامؓ نے بھی انگوٹھیاں بنوالیں پھر آپ منبر پر تشریف لائے اور انگوٹھی اتار کر فرمایا: میں اس انگوٹھی کو استعمال کیا کرتا تھا اور نگینہ اندر کی طرف رکھتا تھا، اور یہ کہہ کر پھر اس کو پھینک دیا اور فرمایا: خدا کی قسم اب کبھی میں اس کو استعمال نہیں

---

[1] ابن ماجہ (ص ۷۵)۔ [2] صحیح بخاری (۲: ۹۸۳) کتاب اللباس (۲: ۸۷۲)۔

کروں گا (یہ سننا تھا کہ) لوگوں نے بھی اپنی انگوٹھیاں اتار دیں۔"

اسی طرح کتب حدیث میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ایک اور واقعہ مذکور ہے:-

بینما رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي بأصحابه إذ خلع نعليه فوضعهما عن يساره فلما رأى القوم ذلك ألقوا نعالهم فلما قضى صلاته قال: «ما حملكم على إلقائكم نعالكم»؟ قالوا: رأيناك خلعت فخلعنا، قال: «إن جبرئيل أتاني أو أتى فأخبرني أن فيهما أذىً أو قذرًا» [1]

"ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ نے اپنی نعلین مبارک اتار کر اپنی بائیں جانب رکھ دیں، لوگوں نے جب یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے جوتے (آپ کی اتباع میں) اتار دیے، پھر جب آپ نماز پڑھ چکے تو دریافت فرمایا: تم نے اپنے جوتے کیوں اتار دیے؟ صحابہؓ نے عرض کیا: ہم نے آپ کو جوتے اتارتے دیکھا تو خود بھی اتار دیے (یعنی ہم نے آپ کی اقتدار کی ہے) آپ نے فرمایا کہ: مجھے تو جبرئیل علیہ السلام نے آکر خبر دی تھی کہ ان میں گندگی یا ناپاکی لگی ہوئی ہے۔"

اس قسم کے واقعات حدیث کی کتابوں میں آپ کو بہت سے ملیں گے، حضرت عبداللہ
عمر رضی اللہ عنہما کے واقعات تو اس سلسلہ میں بکثرت مشہور ہیں وہ ہر چیز میں آپؐ کی اق
کیا کرتے تھے، اس کی اصل وجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا وہ بے مثال تعلق اور لا
والہانہ عشق اور حیرت انگیز محبت تھی جو ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر مجبور ک
تھی، اور ایک حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی نہیں بلکہ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا
حال تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جان تک قربان کرنے کو ہر وقت تیار رہتے

---

[1] سنن دارمی (ص:۱۶۶) مسند احمد (۳: ۲۰ و ۹۲)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اس شغف اور والہانہ عشق کو عروہ نے (جو کفار کی طرف سے مسلمانوں کے اندرونی حالات کا جائزہ لینے آئے تھے) اپنی قوم کے سامنے جا کر بڑے تعجب اور حیرت سے بیان کیا تھا اور کہا تھا کہ جس قوم کی حالت یہ ہو اور جو اپنے مقتداء پر اس قدر فدا ہو وہ کبھی مغلوب نہیں ہو سکتی، "صحیح بخاری" کے الفاظ ہیں:۔

ثم إن عروة جعل يرمق أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم بعينه قال، فوالله ما تنخم رسول الله صلى الله عليه وسلم نخامة إلا وقعت في كف رجل منهم فدلك بها وجهه وجلده، وإذا أمرهم ابتدروا أمره، وإذا توضأ كادوا يقتتلون على وضوئه، وإذا تكلم خفضوا أصواتهم عنده، ولا يحدون إليه النظر تعظيما له، فرجع عروة إلى أصحابه فقال: أي قوم! والله لقد وفدت على الملوك ووفدت على قيصر وكسرى والنجاشي، والله إن رأيت ملكا قط يعظمه أصحابه ما يعظم أصحاب محمد محمدا[1]

"پھر عروہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو غور سے دیکھنے لگا، عروہ کا بیان ہے کہ خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے جو لعاب بھی نکلتا تھا تو وہ (اس سے قبل کہ زمین پر گرے) کسی نہ کسی کے ہاتھ میں آجاتا اور وہ اسے اپنے چہروں اور جسم پر (تبرکاً) مل لیتا، اور جب آپ انہیں کوئی حکم دیتے تو وہ تعمیل ارشاد میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے، اور جب آپ وضوء فرماتے تو وضوء کے مستعمل پانی کو لینے کے لئے اسطرح جھپٹتے کہ گویا عنقریب وہ لڑنے لگیں گے، اور جب آپ کوئی بات فرماتے تو لوگ اپنی آوازیں دھیمی کر لیتے، اور تعظیم کی وجہ سے نظر بھر کر آپ کو نہ دیکھتے، پھر جب عروہ اپنے ساتھیوں کے پاس واپس ہوا تو ان سے کہا: اے قوم خدا کی قسم میں بادشاہوں کے درباروں

---

[1] صحیح بخاری (۱: ۳۷۹)۔

میں حاضر ہوا ہوں، قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے پاس بھی گیا لیکن بخدا میں نے کسی ایسے بادشاہ کو نہیں دیکھا جس کی تعظیم اس کے اصحاب اتنی کرتے ہوں جتنی تعظیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ان کی کرتے ہیں۔"

عروہ نے اپنی قوم کے سامنے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ کو جو محبت و شیفتگی تھی اس کی تصویر کتنے اچھے الفاظ میں کھینچی ہے، اب غور کیجئے کہ جب ان چیزوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ کیفیت تھی تو دین کے معاملہ میں ان کی اطاعت کا کیا حال ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر کبھی کسی سے غلط فہمی کی بناء پر غلطی ہو جاتی اور وہ بربنائے ادب اسوہ حسنہ کی اتباع سے گھبراتا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس غلط فہمی پر فوراً تنبیہ فرماتے اور مناسب خیال فرماتے تو عتاب کا اظہار بھی کرتے۔ امام مالکؒ نے "موطأ" میں اور امام شافعیؒ نے "کتاب الرسالہ" میں عطاء بن یسار سے روایت نقل کی ہے:-

إن رجلا قبل امرأته وهو صائم فوجد من ذلك وجدًا شديدًا فأرسل امرأته تسأل عن ذلك ؛ فدخلت على أم سلمة أم المؤمنين فأخبرتها، فقالت أم سلمة : إن رسول الله صلى الله عليه وسلم يقبل وهو صائم ، فرجعت المرأة إلى زوجها فأخبرته فزاده ذلك شرًا وقال : لسنا مثل رسول الله يحل الله لرسوله ما شاء، فرجعت المرأة إلى أم سلمة

"ایک شخص نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لے لیا، پھر اپنی اس حرکت پر نہایت دل گرفتہ ہوا اور فوراً اپنی بیوی کو اس بارے میں دریافت کرنے کے لئے بھیجا، وہ حضرت ام سلمہؓ (ام المؤمنین) کے پاس آئی اور واقعہ بتلایا، حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی روزہ کی حالت میں بوسہ لے لیتے ہیں، یہ سُن کر عورت اپنے شوہر کے پاس گئی اور اسے بتلا دیا لیکن اس بات سے اس کی گھبراہٹ اور بڑھ گئی اور اس نے کہا کہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ کو کہاں پہنچ سکتے

فوجدت رسول الله عندها فقال رسول الله: «ما بال هذه المرأة؟» فأخبرته أم سلمة، فقال: «أخبرتيها أني أفعل ذلك» فقالت أم سلمة: قد أخبرتها فذهبت إلى زوجها فأخبرته فزاده ذلك شرًا و قال: لسنا مثل رسول الله يحل الله لرسوله ما شاء؛ فغضب رسول الله ثم قال: «والله إني لأتقاكم ولأعلمكم بحدوده»

قال الشافعي في ذكر قول النبي صلى الله عليه وسلم: «ألا أخبرتيها أني أفعل ذلك» دلالة على أن خبر أم سلمة مما يجوز قبوله لأنه لا يأمرها بأن تخبر عن النبي صلى الله عليه وسلم إلا وفي خبرها ما تكون الحجة لمن أخبرته [1]

ہیں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے لیے جو چاہتا ہے حلال فرماتا ہے، اس پر وہ عورت پھر حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی موجود پایا، آپؐ نے دریافت فرمایا: یہ عورت کیا کہتی ہے؟ حضرت ام سلمہؓ نے صورتِ واقعہ عرض کی تو آپؐ نے فرمایا کیا تم نے اس کو یہ بتلا دیا تھا کہ میں بھی ایسا کرتا ہوں، حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا (جی ہاں) میں نے اسے بتلا دیا تھا، اور اس نے جا کر اپنے شوہر کو بھی یہ بتلا دیا تھا مگر یہ سن کر اس کی گھبراہٹ میں مزید اضافہ ہو گیا اور اس نے یہ کہا کہ ہم رسول اللہ کی طرح کہاں ہیں اُن کے لئے تو اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہتا ہے حلال کر دیتا ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے اور فرمایا: خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور اس کی (منہیات) کی حدود سے واقف ہوں۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ کیا تم نے اس کو یہ نہ بتلایا تھا کہ میں بھی ایسا کرتا ہوں، اس میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ

---

[1] الرسالہ (ص: ۴۰۵، ۴۰۶)۔

ام سلمہؓ کی بات کو قبول کرنا چاہئے تھا اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متعلق ان کو اسی بات کے بتلانے کا حکم دیں گے جس کے بتلانے سے اس شخص پر حجت قائم ہوتی ہو جس کو حضرت ام سلمہؓ نے بتلایا تھا۔“

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب قریش مکہ نے مسلمانوں کو حرم میں داخل ہونے نہیں دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو احرام کھولنے کا حکم دیا، بعض حضرات کو عمرہ کئے بغیر احرام کھولنے میں تردد پیش آیا، یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گراں گذری آپ حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے واقعہ ذکر کیا، وہ چونکہ صحابہ کے ذوق اور جذبۂ اتباع رسول سے واقف تھیں انہوں نے عرض کیا آپ خود نائی کو بلوا کر حلق کرائیں، بس اب کیا تھا ادھر آپ نے حلق کرانا شروع کیا ادھر سب حضرات نے آپ کی اقتداء میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش شروع کردی، حتیٰ کہ حالت یہ ہوگئی کہ لوگوں کو حلق کے لئے نائی نہیں ملتا تھا [1]

محدث نصر مقدسی حضرت جنید بغدادی کا قول نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

الطرق كلها مسدودة على خلق الله إلا على المتبعين أخبار رسول الله صلى الله عليه وسلم المقتدين بآثاره قال الله تعالى: «لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ» [2]

”(خداپرستی کے) تمام راستے اللہ کی مخلوق پر بند ہیں سوائے ان لوگوں کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا اتباع اور آپ کے آثار کی اقتداء کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہیں۔“

صاحب رسالہ قشیریہ نے حضرت جنیدؒ سے یہ بھی نقل کیا ہے:۔

من لم يحفظ القرآن ولم يكتب الحديث لا يقتدى به

”جس شخص نے قرآن کریم یاد نہ کیا اور احادیث مبارکہ نہ لکھیں قرب الٰہی کے

---

[1] مسند احمد (۴: ۳۲۶ و ۳۳۱)۔

[2] مفتاح الجنة (ص: ۴۷ و ۴۹)۔

فی هذا الأمر لأن علمنا هذا مقید بالکتاب والسنة، وقال أيضا: مذهبنا هذا مشید بحدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم [1]

* * *

وأخرج البیهقی عن أمية بن عبدالله بن خالد أنه قال لعبدالله بن عمر إنا نجد صلاة الحضر وصلاة الخوف فی القرآن ولا نجد صلاة السفر فی القرآن؟ فقال ابن عمر: یا ابن أخی إن الله قد بعث إلینا محمداً صلی الله علیه وسلم ولا نعلم شیئاً فإنما نفعل کما رأینا محمداً صلی الله علیه وسلم یفعل [2]

* * *

معاملہ میں اس کی اقتدا نہیں کی جا سکتی کیونکہ ہمارا یہ علم تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ساتھ مقید ہے، اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ ہمارا یہ مذہب (تصوف) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر مبنی ہے۔"

"امام بیہقی امیہ بن عبداللہ بن خالد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال کیا کہ ہم حضر اور خوف کی نماز کا تذکرہ تو قرآن کریم میں پاتے ہیں لیکن سفر کی نماز کا ذکر قرآن کریم میں نہیں پاتے، اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اے میرے بھتیجے اللہ تعالی نے ہمارے پاس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا جب کہ ہم کچھ نہیں جانتے تھے، اس لئے ہم تو اسی طرح کرتے رہیں گے جس طرح ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ہے۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے صاف طور پر واضح فرما دیا کہ امت کے لئے سوائے اس ے کوئی چارۂ کار نہیں کہ شریعت کے تمام امور کو اسی طرح بجا لائے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] مفتاح الجنۃ (ص ۴۹)۔

[2] ، ، (ص ۲۶)۔

کو کرتے دیکھا ہے اس لئے کہ آپ ہی ہمارے پیشوا ہیں اور آپ ہی مقتدا، آپ ہی رہبر ہیں، او
آپ ہی رہنما۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو قرآن کریم میں کہیں "نور" اور کہیں "سرا
منیر" سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، ارشاد ہے :۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ [1]	"بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور ظاہر کرنے والی کتاب آئی ہے۔"

ایک اور مقام پر فرمایا :۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا [2]	"اے نبی ہم نے تم کو بتانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا اور چمکتا ہوا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔"

ان آیات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سراج منیر اور نور سے اس لئے تعبیر کیا گ
ہے کہ آپ کے اقوال و افعال اور تقریرات امت کے لئے بہترین مشعل راہ ہیں۔

آپؐ کے "اسوۂ حسنہ" کے حجت ہونے کی قرآن مجید میں ایک اور واضح شہادت
آیت کریمہ ہے :۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا [3]	"پھر جب زید اس عورت کا اپنی غرض پوری کر چکا تو ہم نے اس کو آپ کے نکاح میں دے دیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے لے پالکوں کی بیویوں کے نکاح کرنے میں جبکہ وہ ان سے اپنی غرض

---

[1] المائدہ : ۱۵

[2] الاحزاب: ۴۵ و ۴۶

[3] الاحزاب: ۳۷

پوری کریں کوئی گناہ نہیں رہے۔"

اس آیت کریمہ سے صاف معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عمل بھی صادر ہو اہل ایمان کو اس پر عمل پیرا ہونے میں ذرا بھی اپنے دل میں تنگی محسوس نہ کرنی چاہیئے، بلکہ ایمان کی نشانی ہی یہ ہے کہ خوش دلی کے ساتھ آپ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کی جائے، چنانچہ علامہ ابوالحسن علی بن أبی علی الآمدی المتوفی سنہ ۶۳۱ھ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ولولا أنه متأسى به فى فعله ومتبعاً لماكان للآية معنى و هذا من أقوى مايستدل به هنا [1]	" اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے افعال واعمال میں لوگوں کے مقتدا و نمونۂ عمل نہ ہوتے تو اس آیت کا کوئی مطلب ہی نہ ہوتا، اور جن ادلہ سے یہاں استدلال کیا جاتا ہے ان میں ایک نہایت قوی دلیل یہ بھی ہے۔"

بہرصورت یہ تمام آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اقتداء کے وجوب کو ثابت کرتی ہیں اور آپ کی اطاعت اسی وقت ہوگی جب ہم آپ کی اتباع اقوال وافعال وتقریرات سب میں کریں معلوم ہوا کہ جس طرح قرآن کا اتباع ضروری ہے اسی طرح سنتِ رسول کا اتباع بھی لازمی ہے، جو سنت رسول کی اتباع سے انکار کرے وہ کافر ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے:۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ [2]	" اور جس نے ما انزل اللہ کے مطابق حکم نہ کیا وہی لوگ کافر ہیں۔"

یاد رہے جسطرح قرآن منزل من اللہ ہے اسیطرح سنت بھی منزل من اللہ ہے سنت ہر نبی کو دی گئی کتاب ہر نبی کو نہیں دی گئی لیکن ہر امت پر اپنے نبی کی اطاعت ہر دور میں لازمی رہی ہے، انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کو قبول کرنا ضروری ہے اگر کوئی اپنے نبی کے اقوال وافعال کو ماننے سے انکار کردے تو وہ کافر

---

[1] الاحکام فی اصول الاحکام (ص:۲۶۶)۔

[2] المائدہ: ۴۴۔ اور اس کے بعد والی آیت میں ہے: فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ اور اس کے بعد بھی ایک آیت بعد ہے فاولئک هم الفاسقون۔

ہو جائے گا، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، اسی لئے حافظ ابن حزم لکھتے ہیں :-

ولو أن امرأً قال: لا نأخذ إلا ما وجدنا في القرآن لكان كافراً بإجماع الأمة ولكان لا يلزمه إلا ركعة ما بين دلوك الشمس إلى غسق الليل وأخرى عند الفجر، لأن ذلك هو أقل ما يقع عليه اسم صلاة ولا حد للأكثر في ذلك، وقائل هذا كافر مشرك حلال الدم والمال وإنما ذهب إلى هذا بعض غالية الرافضة ممن اجتمعت الأمة على كفرهم [1]

"اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ ہم صرف اس کو لیں گے جو قرآن کریم میں ہے تو وہ شخص باجماع امّت کافر ہوگا اور اس عقیدہ کے رکھنے والے پر (بجائے پانچ نمازوں کے) صرف ایک رکعت سورج ڈھلنے کے بعد سے رات تک اور دوسری فجر کے وقت لازم ہوگی، اس لئے کہ یہی کم از کم وہ درجہ ہے جس پر نماز کا اطلاق ہوتا ہے اور زیادہ کی اس سلسلہ میں کوئی حد نہیں، اور ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر و مشرک ہے جس کی جان و مال کچھ محفوظ نہیں، البتہ بعض غالی رافضی جن کے کافر ہونے پر پوری امت متفق ہے یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔"

یہی وہ غالی روافض ہیں جن کا تذکرہ علامہ سیوطی نے اپنی کتاب مفتاح الجنۃ[2] میں کیا ہ
چنانچہ ہم سابق میں اس کا ذکر کر چکے ہیں۔ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں :-

وكل ما سن فقد ألزمنا اتباعه وجعل في اتباعه طاعته وفي العنود عن اتباعها معصيته التي لم يعذر بها خلقاً ولم يجعل

"اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنتوں کی اتباع ہم پر لازم کردی ہے اور آپ کے اتباع میں ہی اپنی اطاعت کو منحصر رکھا ہے اور آپ کی اتباع سے انکار کو

---

[1] الاحکام فی اصول الاحکام (۲ : ۸۰)۔

[2] (ص ۳)۔

له من اتباع سنن رسول الله صلى الله عليه وسلم مخرجاً[1]

ایسی معصیت قرار دیا ہے جس کے بارے میں کسی کا کوئی عذر قبول نہ کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے اتباع سے بچنے کے لئے کسی کے لئے کوئی راستہ نہیں چھوڑا۔"

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:-

بين الله أنه فرض فيه طاعة رسوله ولم يجعل لأحد من خلقه عذراً بخلاف أمر عرفه من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وأن قد جعل الله بالناس كلهم الحاجة إليه في دينهم[2]

"اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کو فرض کر دیا ہے اور مخلوق کے کسی عذر کو اس امر کے خلاف جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہو قبول نہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو دین کے معاملہ میں آپؐ کا محتاج بنایا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فیصلے تسلیم کرنے پر مومن ہونے کا دارومدار

ارشاد ہوتا ہے:-

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا

"قسم ہے آپ کے رب کی وہ اس وقت تک مومن نہ ہوں گے جب تک کہ وہ آپ کو اپنے ان جھگڑوں میں جو ان میں آپس میں پیش آئیں، منصف و حکم نہ جانیں اور پھر اپنے دل میں

---

[1] الرسالۃ (ص: ۸۸)۔

[2] الرسالۃ للشافعی (ص: ۱۰۳)۔

تَسۡلِیۡمًا [۱]

آپ کے فیصلے سے تنگی و ناراضگی نہ محسوس کریں اور خوشی سے اسے قبول کرلیں"۔

* * *

ملاحظہ فرمائیے اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو کس شاندار اندا
میں لوگوں پر فرض کیا ہے اور کس قدر واضح الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمادی ہے۔ ک
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فیصلے صحیح اور برحق ہیں اور ان کا تسلیم کرنا ہر انسان پر
فرض ولازم ہے:۔

علامہ ابن حزم ظاہری اس آیت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و
اطاعت کو ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

فوجدنا الله تعالى يردنا إلى كلام نبيه صلى الله عليه وسلم على ما قدمناه آنفاً فلم يسع مسلماً يقر بالتوحيد أن يرجع عند التنازع إلى غير القرآن والخبر عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ولا أن يأبى عما وجد فيهما؛ فإن فعل ذلك بعد قيام الحجة عليه فهو فاسق، وأما من فعله مستحلاً للخروج عن أمرهما وموجباً لطاعة أحد دونهما فهو كافر

"ہم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام کی طرف رجوع کرنے کا حکم دے رہے ہیں جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا، اس لئے کسی ایسے مسلمان کے لئے جو توحید کا اقرار کرتا ہو اس بات کی گنجائش نہیں کہ وہ نزاع اور جھگڑے کے وقت قرآن کریم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ کسی اور طرف رجوع کرے، اور نہ یہ درست ہے کہ ان میں جو موجود ہو اس سے انکار کرے، اگر اس نے دلیل وحجت قائم ہونے کے بعد ایسا کیا تو وہ فاسق ہوگا، اور جو حلال جان کر ایسا کرے تاکہ ان دونوں

---

[۱] النساء: ۶۵

لا شك عندنا في ذلك.

وقد ذكر محمد بن نصر المروزي أن إسحاق بن راهويه كان يقول: من بلغه عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم خبر يقر بصحته ثم رده بغير تقية فهو كافر، ولم نحتج في هذا بإسحاق وإنما أوردناه لئلا يظن جاهل أننا منفردون بهذا القول، وإنما احتججنا في تكفيرنا من استحل خلاف ما صح عنده عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، بقول الله تعالى مخاطباً لنبيه صلى الله تعالى عليه وسلم: «فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا» ط [1]

* * *

* * *

کے حکموں سے نکل جائے اور ان دونوں کو چھوڑ کر کسی اور کی اطاعت کو لازمی سمجھے تو ہمارے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ کافر ہے۔

اور محمد بن نصر مروزی نے ذکر کیا ہے کہ اسحاق ابن راہویہ فرماتے تھے: جسے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایسی حدیث پہنچی جس کی صحت کا اسے اقرار بھی ہے اور پھر اس نے بغیر کسی تاویل و توجیہ کے اس کو رد کر دیا تو وہ کافر ہے، اور ہم اس بارے میں اسحاق کے قول کو دلیل نہیں بنا رہے بلکہ ان کا قول تو ہم نے اس لئے ذکر کر دیا تاکہ کوئی جاہل یہ خیال نہ کرے کہ ہم اپنی اس رائے میں منفرد ہیں، بلکہ اس شخص کے کافر ہونے کے بارے میں جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کی مخالفت کو حلال سمجھے، ہماری دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا وہ فرمان ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطاب فرماتے ہیں کہ: تیرے رب کی قسم وہ اس وقت تک مومن نہ ہونگے جب تک کہ تجھ کو ہی منصف نہ جانیں اپنے جھگڑوں میں اور پھر اپنے دلوں میں تیرے

---

[1] الإحكام في أصول الأحكام (١:٩٩) وفي طبعة أخرى (١:٨٩)۔

فیصلہ سے تنگی محسوس نہ کریں اور خوشی سے اسے قبول کریں"۔

مندرجہ بالا آیت ایک خاص موقعہ پر نازل ہوئی ہے جس کا ذکر امام بخاری نے اپنی کتاب "الصحیح" میں پانچ جگہ کیا ہے، تین جگہ کتاب الشرب میں اور ایک جگہ کتاب الصلح میں اور ایک جگہ کتاب التفسیر میں، کتاب التفسیر کے الفاظ حسب ذیل ہیں :۔

عن عروة قال: خاصم الزبير رجلاً من الأنصار في شريج من الحرة؛ فقال النبي صلى الله عليه وسلم: «اسق يا زبير ثم أرسل الماء إلى جارك» فقال الأنصاري: يا رسول الله إن كان ابن عمتك فتلوّن وجهه فقال: «اسق يا زبير ثم احبس الماء حتى يرجع إلى الجدر، ثم أُرسل الماء إلى جارك» واستوعى النبي صلى الله عليه وسلم للزبير حقه في صريح الحكم حين أحفظه الأنصاري، كان أشار عليهما بأمر لهما فيه سعة، قال الزبير: فما أحسب هذه الآيات إلا نزلت في ذلك، «فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ

"حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ حضرت زبیرؓ کا ایک انصاری سے حرہ کے سنگستانی علاقے کے ایک برساتی نالہ کے بارے میں جھگڑا ہوا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اے زبیر تم اپنے کھیتوں کو پانی سے سیراب کر کے پانی اپنے پڑوسی کی جانب چھوڑ دو۔ اس پر اس انصاری نے کہا کہ اے اللہ کے رسول زبیر آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں نا۔ (یعنی انصاری نے اس کو احسان سمجھنے کے بجائے غلطی سے طرف داری پر محمول کیا) یہ سن کر آپ کا چہرۂ انور (غصہ کی وجہ سے) متغیر ہو گیا۔ (انصاری سے تو کچھ نہ فرمایا مگر حضرت زبیر سے مخاطب ہو کر فرمایا) اے زبیر تم اپنے کھیت کو سیراب کر کے پانی اتنا روکو کہ کھیت کی منڈیروں تک پہنچ جائے (یعنی اپنا پورا حق وصول کر لو) اس کے بعد اپنے پڑوسی کی جانب پانی چھوڑ دو، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ الآيه[1] | نے اب حضرت زبیرؓ کو صریح فیصلہ کر کے ان کا پورا حق دلا دیا، کیونکہ اس انصاری نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو برہم کر دیا تھا ورنہ شروع میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایسا طریقہ تبلایا تھا جس میں دونوں کے لئے سہولت تھی۔

حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے جہاں تک خیال ہے یہ آیات اسی معاملہ ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں: "تیرے رب کی قسم وہ اس وقت تک مومن نہ ہوں گے جب تک کہ تجھ کو ہی منصف نہ جانیں اپنے جھگڑوں میں ۔ الخ۔"

اس واقعہ سے جہاں صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی اتباع اور آپ کے فیصلہ کو قبول کرنا لازم ہے اور اس پر ایمان کا مدار ہے وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند اخلاق و عالی ظرفی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت زبیرؓ چونکہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے اس لئے آپ نے ان کو ایثار کا مشورہ دیا جو حقِ جوار کی مزید رعایت اور ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم پر مبنی تھا مگر اس انصاری نے اپنی ناسمجھی سے اس ایثار کی قدر نہ کر کے اتنی رعایت کو کافی نہ سمجھا اور الٹا اسے حضرت زبیرؓ کی طرف داری پر محمول کیا اس لئے آپؐ نے اس کی ناسپاسی کی وجہ سے اس رعایت کو ختم کر کے جو مفت میں اس انصاری کو محض احسان اور تبرع کے طور پر دلوائی تھی، حضرت زبیر کو ان کا پورا حق جو بنتا تھا دلوا دیا[2]

---

[1] صحیح بخاری (۲ : ۶۶۰)۔

[2] حقوق کے معاملہ میں شرع کا ایک عام اصول ہے "الأقرب فالأقرب" جو سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے وہ سب سے زیادہ حقدار ہوتا ہے اس اصول کے مطابق حضرت زبیر کا حقِ سقی (پانی لینے کا حق) انصاری سے مقدم تھا، نیز کھیت یا باغ کی نالیوں - - کی منڈیر تک پانی کا روکنا ہر کھیت اور باغ والے کا حق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا مشورہ اپنے اہلِ قرابت کو ایثار کی تعلیم، مصالحت بین الفریقین اور اصلاح ذات البین پر مبنی تھا، حضرت زبیر کے لئے عدالتی فیصلہ نہ تھا، اور دوسرا حکم قضاء کے عین مطابق اور عدالتی فیصلہ ہے، واللہ اعلم۔ مختار

اس حدیث میں نادانوں کی اذیت پر صبر کرتے ہوئے ان کی تربیت کرنے اور ان سے عفو درگذر کرنے کا بھی بہترین نمونہ عمل ہے، اور گو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی زبان مبارک سے اس انصاری کو کچھ نہ فرمایا کہ مسلمان تھا اور غصہ میں نادانی کی وجہ سے اس کے منہ سے ایسی بات نکل گئی تھی مگر اللہ جلّ جلالہٗ کی غیرت نے اپنے معصوم نبی پر طرف داری کے اس الزام کو برداشت نہ کیا اور فوراً آیت کریمہ " فلا وربّك لا يؤمنون " الآیۃ نازل فرما دی

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں :-

أقسم الله سبحانهٗ بنفسه على نفي الإيمان عن العباد حتى يحكموا رسوله في كل ما شَجَرَ بينهم من الدقيق والجليل ولم يكتف في ايمانهم بهذا التحكيم بمجرده حتى ينتفي عن صدورهم الحرج والفيق عن قضائه وحكمه ولم يكتف منهم أيضاً بذلك حتى يسلموا تسليماً وينقادوا انقياداً [1]

" اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم کھا کر بندوں سے اس وقت تک کے لئے ایمان کی نفی کر دی جب تک کہ وہ اپنے تمام تنازعات میں خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حَکَم نہ بنائیں، اور ان کے مؤمن ہونے کے بارے میں صرف اس حکم بنانے پر ہی مدار نہیں رکھا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ پھر ان کے دلوں میں آپ کے فیصلہ کے خلاف کوئی تنگی اور ناگواری بھی باقی نہ رہنا چاہئے، اور پھر اس پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ یوں فرمایا کہ اسے وہ دل وجان سے بھی تسلیم کرلیں اور اس کے پورے تابعدار بھی بن جائیں۔"

امام شافعیؒ نے اس واقعہ سے سنت کی حجیت پر بڑا ہی عمدہ استدلال کیا ہے فرماتے ہیں

وهذا القضاء سنة من رسول الله صلى الله عليه وسلم، لا حكم

" اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ آپ کی سنت ہے قرآن کا

---

[1] إعلام الموقعين (۱:۵۱)-

منصوص في القرآن ـ

منصوص حکم نہیں ہے۔“

پھر اپنے اس دعویٰ کو کہ یہ حکم قرآن میں منصوص نہیں ہے، اس طرح مدلل فرماتے ہیں:۔

والقرآن يدل (والله أعلم) على ما وصفت لأنه لو كان قضاءً بالقرآن كان حكمًا منصوصًا بكتاب الله وأشبه أن يكونوا إذا لم يسلموا لحكم كتاب الله نصًا غير مشكل الأمر أنهم ليسوا بمؤمنين إذا ردوا حكم التنزيل إذا لم يسلموا له[1]

”اور قرآن اس پر دلالت کرتا ہے جو میں نے بیان کیا (واللہ اعلم) اس لئے کہ اگر یہ فیصلہ قرآن سے ہوتا تو یہ گویا کتاب اللہ کا منصوص حکم ہوتا اور اس وقت جبکہ یہ کتاب اللہ کے منصوص حکم کو تسلیم نہ کرتے تو اس لئے ایمان سے خارج ہو جاتے کہ انہوں نے قرآن کریم کے حکم کو تسلیم نہ کیا بلکہ اسے رد کر دیا۔“

علامہ بدر الدین عینی المتوفی ۸۵۵ھ نے اس آیت کا ایک اور شانِ نزول لکھا ہے جس کو حافظ ابو اسحاق نے اپنی تفسیر میں بسندِ متصل اس طرح نقل کیا ہے:۔

إن رجلين اختصما إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقضى للمحق على المبطل، فقال المقضي عليه، لا أرضى؛ فقال صاحبه: فما تريد؟ قال: أن تذهب إلى أبي بكر الصديق رضي الله تعالى عنه، وذهبا إليه فقال الذي قضي له: قد اختصمنا إلى النبي صلى الله عليه وسلم

”دو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے آئے، آپؐ نے جو حق پر تھا اس کے حق میں جھوٹے کے خلاف فیصلہ کر دیا تو جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا میں اس پر راضی نہیں، تو اس کے ساتھی نے کہا پھر کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا کہ ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جائیں گے، دونوں وہاں گئے، جس کے حق میں فیصلہ

---

[1] کتاب الرسالہ للشافعی (ص: ۸۳)۔

فقضى لي، فقال أبو بكر: فأنتما على ما قضى به النبي صلى الله تعالى عليه وسلم؛ فأبى صاحبه أن يرضى، قال، فأتى عمر بن الخطاب فأتياه؛ فقال المقضى له: قد اختصمنا إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقضى لي عليه فأبى أن يرضى ثم أتينا أبا بكر فقال: أنتما على ما قضى به النبي صلى الله عليه وسلم فأبى أن يرضى؛ فسأله عمر فقال كذلك؛ فدخل عمر منزله وخرج والسيف في يده قد سله فضرب به رأس الذي أبى أن يرضى فقتله فأنزل الله تعالى: «فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ» الآية۔[1]

ہوا تھا اس نے کہا: جھگڑے کا فیصلہ کرانے ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے آپ نے میرے حق میں فیصلہ فرما دیا، اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فیصلہ وہی رہے گا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، اس کے ساتھی نے اسے تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیا اور کہا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس چلو، وہاں گئے، جس کے حق میں فیصلہ ہوا تھا، اس نے کہا: ہم نے مقدمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا تھا آپؐ نے اس کے خلاف میرے حق میں فیصلہ دیدیا، اس نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، پھر ہم حضرت ابوبکر کے پاس گئے انہوں نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فیصلہ کیا ہے وہی فیصلہ رہے گا۔ لیکن یہ اس پر بھی راضی نہ ہوا، اس پر حضرت عمر نے اس شخص سے پوچھا، اس نے کہا ہاں اسی طرح ہوا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ گھر کے اندر گئے اور برہنہ تلوار لے کر باہر نکلے اور اس شخص کی گردن اڑا دی جس نے فیصلہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ: "قسم ہے تیرے رب کی وہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوں گے

---

[1] عمدۃ القاری (۶: ۱۸) یہ واقعات تفسیر ابن کثیر میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں ملاحظہ ہو (۱: ۵۲۱)۔

جب تک کہ آپ کو اپنے مقدمات کا فیصل اور حکم نہ بنائیں" الآیۃ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے "فتح الباری" میں اس کے شان نزول کے بارے میں یہ بھی نقل کیا ہے :-

وجزم مجاهد والشعبي بأن الآية إنما نزلت فيمن نزلت فيه الآية التي قبلها وهي قوله تعالى :- «أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ» الآية.

"حضرت مجاہد و شعبی یقین سے فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کے بارے میں اس سے قبل کی آیت نازل ہوئی ہے اور وہ آیت یہ ہے :- "کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو دعوی کرتے ہیں کہ ایمان لائے ہیں اس پر جو اترا تیری طرف اور جو اترا تجھ سے پہلے، چاہتے ہیں کہ قضیہ لے جائیں شیطان کی طرف"۔

فروى إسحاق بن راهويه في تفسيره بإسناد صحيح عن الشعبي قال: كان بين رجل من اليهود ورجل من المنافقين خصومة فدعا اليهودي المنافق إلى النبي صلى الله لأنه علم أنه لا يقبل الرشوة، ودعا المنافق اليهودي إلى حكامهم لأنه علم أنهم يأخذونها، فأنزل الله هذه الآيات إلى قوله:

چنانچہ اسحاق بن راہویہ اپنی تفسیر میں صحیح سند سے امام شعبی سے نقل کرتے ہیں کہ ایک یہودی اور ایک منافق مسلمان کا آپس میں جھگڑا تھا، یہودی نے منافق سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ سے فیصلہ کرائیں گے اس لئے کہ یہودی جانتا تھا کہ آپؐ رشوت نہیں قبول فرماتے ہیں، لیکن منافق نے یہودی سے کہا کہ ہم تمہارے حاکم سے فیصلہ کرائیں گے، اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ ان کے حاکم رشوت لیتے ہیں اس

«وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا»

پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: " ویسلموا تسلیما " تک۔"

پھر حافظ صاحب چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں :۔

وروى الكلبي في تفسيره عن أبي صالح عن ابن عباس قال: نزلت هذه الآية في رجل من المنافقين كان بينه وبين يهودي خصومة؛ فقال اليهودي انطلق بنا إلى محمد، وقال المنافق: بل نأتي كعب بن الأشرف، وذكر القصة وفيه أن عمر قتل المنافق وأن ذلك سبب نزول هذه الآيات وتسميته عمر الفاروق ؎

" اور کلبی اپنی تفسیر میں ابوصالح سے اور وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ آیت اس منافق کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کا ایک یہودی سے جھگڑا ہو گیا تھا تو یہودی نے کہا تھا کہ آؤ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلیں، اور منافق نے کہا کہ نہیں بلکہ کعب بن الاشرف کے پاس چلیں اور پھر پورا قصہ بیان کیا (جس کا ذکر ابھی گذر چکا ہے) اور اسی کے آخر میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس منافق کو قتل کر دیا اور یہی واقعہ ان آیات کے نزول کا سبب بنا اور اسی بنا پر حضرت عمر کا لقب فاروق ہوا"۔

اب یہ بات کتنی واضح ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ساری امت پر فرض ہے اور جو شخص آپ کی بات نہ مانے یا آپ کی سنت کو تسلیم نہ کرے وہ قابل گردن زد ہے، چنانچہ امام شافعیؒ اپنے ایک مناظرے کے ذیل میں لکھتے ہیں :۔

قلت: افترض الله اتباع نبيه صلى الله عليه وسلم. قال: وأين؟ قلت: قال

" میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو فرض قرار دیا ہے فریق مخالف نے کہا: اس کا ثبوت کہاں ہے؟

؎ فتح الباری (۵: ۲۸، ۲۹)۔

اللہ عز وجل: «فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا» وقال اللہ عز وجل: «وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ»[1]

میں نے کہا اللہ عز وجل فرماتے ہیں کہ: قسم ہے آپ کے رب کی وہ اس وقت تک مومن نہ ہوں گے جب تک کہ آپ کو اپنے ان جھگڑوں میں جو ان کے آپس میں پیش آئیں اپنا حکم نہ بنائیں اور پھر اپنے دل میں آپ کے فیصلہ سے تنگی نہ محسوس کریں اور اس فیصلہ کو پورا پورا تسلیم نہ کر لیں۔" اور اللہ عز وجل نے فرمایا ہے کہ: "جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔"

ایک اور آیت میں ارشاد باری ہے:۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللّٰهِ[2]

"اور جس بات میں تم لوگ جھگڑا کرتے ہو، کوئی چیز ہو اس کا فیصلہ اللہ کے حوالہ ہے۔"

یعنی جو حکم عند اللہ ہوتا ہے اور جو فیصلہ خدائے پاک کو منظور ہوتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبانی جاری کراتے ہیں اسی لئے اس کا ماننا بعینہٖ خدا کی بات ماننے کے مرادف ہے، اور مسلمان صرف اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ اللہ کے فیصلہ کے مطابق اس کے رسول اور اس کی سنت کے مطابق فیصلہ کرے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:۔

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ[3]

"اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اتارا سو وہی لوگ کافر ہیں۔"

لہذا معلوم ہوا کہ مومن ہونے کا دارومدار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فیصلے تسلیم کرنے پر ہے۔

---

[1] کتاب الأم للشافعی (۷: ۲۵۱)۔

[2] الشوریٰ : ۱۰

[3] المائدہ : ۴۴

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر کی اتباع کا حکم

ارشاد ربانی ہے :-

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ
وَمَا نَہٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَہُوْا وَ
اتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ
الْعِقَابِ [1]

” اور رسول تم کو جو دیں اس کو لے لو، اور
جس سے منع کریں اس کو چھوڑ دو اور اللہ
سے ڈرتے رہو بے شک اللہ کا عذاب
سخت ہے “

یہ ایک جامع ترین آیت ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب تشری بیان کیا گیا ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوامر و نواہی کی اتباع اور ان پر عمل ک کا حکم دیا گیا ہے .

یہ آیت اگرچہ مال فئ کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن یہ حکم عام ہے تمام اوامر و نواہ شامل ہے اس لئے کہ ایسے مواقع میں اعتبار خصوص مورد کا نہیں ہوتا بلکہ وہ عموم پر محمول ک جاتا ہے اس لئے اس حکم کو یہ کہہ کر کہ یہ آیت مال فئ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، رد نہیں کیا جا سک بلکہ یہ آیت تمام اوامر و نواہی کو شامل ہے اور ” مَآ اٰتٰکُم “ ” مَآ اَمَرَکُمْ “ کے معنی میں ہے خو قرآن کریم ہی میں اس کی دلیل موجود ہے اس لئے کہ اگر ” مَآ اٰتٰکُمْ “ کے معنی ” مَآ اَعْطَاکُمْ کے ہوتے تو اس کے مقابل اس آیت میں ” مَا مَنَعَکُمْ “ ہونا چاہئے تھا لیکن چونکہ ” مَآ اٰتٰکُ بمعنی ” مَآ اَمَرَکُمْ “ ہے اس لئے اس کے مقابل میں یہاں پر ” مَا نَہٰکُمْ “ وارد ہوا ہے، صحا کرام سے زیادہ قرآن کریم کا نکتہ شناس کون ہو سکتا ہے، انہوں نے اس کو عموم ہی پر رکھا یعنی حضور علیہ الصلاۃ والسلام کوئی مادی چیز دیں مثلاً مال، یا غیر مادی یعنی ہدایات احکام سب کا لینا اور اخذ کرنا ضروری ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ نے، جن کا شمار ان چند اکابر صحابہ میں ہے جو قرآن پاک کے سب سے بڑے عالم سمجھے جاتے

---

[1] الحشر : ۷

ورتوں کے لئے غیر شرعی زینت کی حرمت پر اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ صحیح بخاری میں لقمہ سے روایت ہے کہ:۔

ن عبد الله قال: لعن الله الواشمات والموتشمات و المتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله؛ بلغ ذلك امرأة من بني أسد يقال لها: أم يعقوب؛ فجاءت قالت: إنه بلغني أنك لعنت كيت وكيت فقال وما لى لا ألعن من لعن رسول الله ومن هو في كتاب الله؛ فقالت: لقد قرأت ما بين اللوحين فما وجدت فيه ما تقول؛ قال: لئن كنت قرأتيه لقد وجدتيه أما قرأت: «وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا» قالت: بلى، قال: فإنه قد نهى عنه، قالت: فإني أرى أهلك يفعلونه، قال:

"حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے گودنے والیوں اور گودوانے والیوں پر اور موچنے سے بال نوچنے والیوں پر اور خوبصورتی کے لئے دانتوں کو ریت کر ان میں کشادگی پیدا کرنے والیوں پر جو اللہ کی خلقت کو بدلتی ہیں (علقمہ کا بیان ہے کہ) اس کی اطلاع بنی اسد کی ایک عورت ام یعقوب کو ملی تو وہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ: مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ آپ نے ایسی ایسی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے؟ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں اس پر لعنت کیوں نہ بھیجوں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے لعنت بھیجی ہے اور مزید یہ کہ وہ کتاب اللہ میں بھی موجود ہے، اس عورت نے کہا: میں نے تو اول سے آخر تک قرآن کریم پڑھا ہے اس میں تو یہ موجود نہیں ہے جو آپ فرماتے ہیں، اس پر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگر تم نے اسے (سمجھ کر) پڑھا

فاذهبی فانظری، فذهبت فنظرت فلم ترمن حاجتها شیئاً، فقال: لو کانت کذلك ما جامعتنا [1]

ہوتا تو ضرور پالیتیں، کیا تم نے یہ نہیں پڑھا کہ "جو تمہیں رسول دیں اسے لے لو اور جس سے روکیں اس سے رُک جاؤ" اس نے کہا جی ہاں یہ تو پڑھا ہے، اس پر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: تو بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کے کرنے سے منع فرمایا ہے، اس عورت نے کہا: میرا گمان ہے آپکے گھر والے بھی اس سلسلہ میں کچھ کرتے ہوں گے، آپنے فرمایا: کہ پھر اندر جا کر دیکھ لو، وہ اندر گئی اور دیکھا تو وہاں ان منہیات میں سے کوئی چیز نہ پاکر واپس آگئی تب حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگر میری اہلیہ ایسا کرتی تو میرے ساتھ نہ رہتی"

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد البر القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ نے "جامع بیان العلم" میں بھی حضرت عبد الرحمن بن یزیدؓ سے اسی قسم کا واقعہ نقل کیا ہے کہ:۔

أنه رأى محرماً عليه ثياب فنهى المحرم فقال: آتني بآية من كتاب الله تنزع ثيابي، قال: فقرأ عليه: «وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا» [2]

"انہوں نے ایک شخص کو بحالت احرام سلے ہوئے کپڑے پہنے دیکھا تو اس مُحرِم کو اس سے منع کیا تو وہ کہنے لگا کہ تم میرے کپڑے اتروا تے ہو تو کتاب اللہ کی کوئی آیت پیش کرو، آپنے اسکے سامنے اس آیت کی تلاوت کی کہ "اور جو تمہیں رسول دیں اس کو لے لیا کرو اور جس سے تمہیں منع کریں اس سے رک یا کرو۔"

حافظ خطیب بغدادی اسماعیل بن عبید اللہؒ سے بسند متصل نقل کرتے ہیں کہ:۔

---

[1] صحیح بخاری (۲: ۷۲۵، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰) مسلم (۲: ۲۱۵) مسند احمد (۱: ۴۳۳، ۴۴۳، ۴۵۴) اور اس کے علاوہ ملاحظہ فرمائیے ابو داؤد، ترمذی، نسائی، دارمی، طیالسی وغیرہ۔

[2] جامع بیان العلم (۲: ۱۸۹)۔

ینبغی لنا أن نحفظ حدیث رسول الله صلی الله کما نحفظ القرآن لأن الله تعالی یقول: وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ، الآیة[1]

”ہمیں چاہئے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی بھی بالکل اسی طرح حفاظت کریں جس طرح قرآن کریم کی حفاظت کرتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو چیز تمہیں رسول دیں اس کو لے لیا کرو“ الخ۔

یاد رہے کہ جس طرح قرآن کریم کی حفاظت اس کو زبانی یاد کرنے اور اس پر عمل کرنے دونوں اعتبار سے ہوئی اسی طرح حدیث کی حفاظت بھی عہد نبوت سے لیکر آج تک بالکل اسی طرح ہوتی چلی آئی ہے کہ حفاظِ حدیث نے اسے اپنے سینوں میں بھی محفوظ رکھا اور سفینوں میں بھی اور پھر اس کے ساتھ ساتھ اس پر عمل بھی کر کے دکھلایا۔

اسی طرح ایک اور واقعہ بھی علامہ خطیب بغدادی نے ”الکفایہ“ میں اور علامہ سیوطی نے بیہقی سے ”مفتاح الجنۃ“ میں نقل کیا ہے جسے ہم ”حجیت حدیث کی ایک دلیل“ کے عنوان کے تحت بیان کریں گے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے ایک دن شفاعت کا تذکرہ کیا تو ایک سائل نے کہا کہ آپ ہمارے سامنے بہت سی ایسی احادیث بیان کرتے ہیں جن کی اصل قرآن کریم میں نہیں ہوتی۔ یہ سن کر وہ ناراض ہو گئے اور فرمایا کہ تم احمق ہو، تم جو نماز پڑھتے ہو فجر، ظہر، عصر وغیرہ کیا ان کی تفصیل قرآن کریم میں موجود ہے، اسی طرح زکوٰۃ وغیرہ کی تفصیل بھی قرآن کریم میں کہیں ہے یہ سب تو تمہیں حدیث ہی سے معلوم ہوا ہے، یہ سب باتیں تم نے ہم سے سیکھیں اور ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا[2]

”اور جو تم کو رسول دیں اس کو لے لیا کرو اور جس سے منع کریں اس سے رک جایا کرو۔“

علامہ سیوطی نے ”الاتقان“ میں امام شافعیؒ کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ:-

---

[1] الکفایۃ فی علم الروایۃ (ص: ۱۲)۔

[2] . . . . (ص: ۱۵)۔

قال الشافعي مرة بمكة: سلوني عما شئتم أُخبركم عنه في كتاب الله؛ فقيل له: ما تقول في المحرم يقتل الزنبور؟ فقال: بسم الله الرحمن الرحيم «وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا»[1]

”ایک مرتبہ امام موصوف نے مکہ میں اعلان کیا کہ مجھ سے جس چیز کے متعلق چاہو دریافت کرو میں تم کو اس کا جواب کتاب اللہ سے دوں گا، اس پر ان سے سوال کیا گیا کہ آپ اس محرم کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو زنبور کو قتل کر دے، آپ نے فرمایا: بسم اللہ الرحمن الرحیم ”اور جو تمہیں رسول دے اس کو لے لو اور جس سے روکے اس سے باز رہو۔“

علامہ سیوطی، بیہقی کے حوالے سے، خالد بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرما

حرمة أُحاديث رسول الله صلى الله عليه وسلم كحرمة كتاب الله، قال البيهقي: وإنما أراد في معرفة حقها وتعظيم حرمتها وفرض اتباعها[2]

* * *

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا احترام کتاب اللہ کی طرح ضروری ہے، امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ احترام کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حق کو پہچانا جائے اور اس کی عظمت دل میں رکھی جائے اور اس کی اتباع کو فرض سمجھا جائے۔“

یاد رہے سنت نبوی کی اتباع ہی پر اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کا دارومدار ہے چنا
حضرت حسنؒ سے منقول ہے:۔

وأخرج (اللالكائي) عن الحسن في قوله: «قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ»

” لالکائی حضرت حسنؒ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں روایت کرتے ہیں ”آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت

---

[1] الاتقان (۲: ۱۲۶) بیہقی (۵: ۱۱۲)۔

[2] مفتاح الجنۃ (ص: ۳۵)۔

قال: فكان علامة حبهم إياه اتباع سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم [1]

کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا" حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کرنا ہے"۔

* * *

اور حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں:۔

من علامة المحب لله متابعة حبيب الله صلى الله عليه وسلم في أخلاقه وأفعاله وأوامره وسننه [2]

"جو اللہ تعالیٰ سے محبت رکھے اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے گا آپؐ کے اخلاق وافعال میں بھی اور آپؐ کے اوامر وسنن میں بھی"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا واحد ذریعہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع آپ کے بتلائے ہوئے حکموں کو مان کر آپؐ کے اقوال وافعال پر عمل کرکے، منہیات سے اجتناب کرکے ہی حاصل ہوگی، آپ کی اتباع آپؐ کے اعمال واخلاق کی پیروی کئے بغیر ناممکن ہے، اور پیروی اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ آپؐ کے اعمال و اخلاق محفوظ ہوں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا آپؐ کی اتباع اور اطاعت کا حکم دینا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ رسول کی تعلیمات اور اوامر ونواہی محفوظ ہوں۔ لہٰذا ہم یقین سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال واعمال اور اخلاق قطعاً محفوظ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں سنت وحدیث کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حفاظتِ حدیث کا بھی ذمہ لیا ہے

چنانچہ ارشاد باری ہے:۔

---

[1] مفتاح الجنۃ (ص: ۴۵)۔

[2] (ص: ۴۹)۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۱؎

"بے شک ہم نے ذکر نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"

"ذکر" میں جس طرح قرآن کریم شامل ہے اسی طرح احادیث بھی شامل ہیں، اور جس طرح قرآن کریم محفوظ ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے اسی طرح حدیث بھی محفوظ ہے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔ اس لئے کہ اگر متن محفوظ ہو اور شرح محفوظ نہ ہو تو لوگ متن سے صحیح استفادہ نہیں کر سکتے، جس طرح اللہ جل شانہٗ نے حفّاظ قرآن کے ذریعہ قرآن شریف کی حفاظت فرمائی اسی طرح حفّاظ حدیث کو پیدا فرما کر ذخیرۂ حدیث کو محفوظ فرمایا، اور اگر کسی شخص نے حدیث نبوی میں اپنی باتوں کو ملانا چاہا تو محدثین کرام نے اس کے اس دجل و فریب کو بے نقاب کر کے عوام کے سامنے اس کو ذلیل و رسوا کر دیا، چنانچہ اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی گئیں جو اسلامی کتبخانوں کا نہایت قیمتی سرمایہ ہیں۔

علامہ ابن حزم نے حفاظت حدیث کے ثبوت میں اس آیت کو پیش کیا ہے فرماتے ہیں:-

قال تعالیٰ: « إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ » وقال تعالیٰ: « قُلْ إِنَّمَا أُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ » فأخبر تعالیٰ کما قدمنا أن کلام نبیه کله وحی والوحی بلاخلاف ذکر و الذکر محفوظ بنص القرآن؛ فصح بذلك أن کلامه صلی الله علیه وسلم کله محفوظ

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "بے شک ہم نے ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں" اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "آپ کہہ دیجئے (نبی کو خطاب ہے) کہ میں تم کو وحی کے ذریعہ سے ڈراتا ہوں" تو اللہ تعالیٰ نے (جیسا کہ ہم پیشتر بھی بیان کر چکے ہیں) متنبہ فرما دیا کہ اس کے نبی کا کلام سب کا سب وحی ہے اور وحی بالاتفاق ذکر ہے اور ذکر بنص قرآن محفوظ ہے، اس لئے

۱؎ سورۃ الحجر - ۹

بحفظ الله عز وجل، مضمون لنا أنه لا يضيع منه شيء إذ ما حفظه الله تعالى محفوظ باليقين لا سبيل إلى أن يضيع منه شيء؛ فهو منقول إلينا كله، فلله الحجة علينا أبداً [1]

یہ بات بالکل درست ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام تمام کا تمام اللہ تعالیٰ کی حفاظت کی وجہ سے محفوظ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس بات کی ضمانت دی ہے کہ اس کا کوئی حصہ ضائع نہ ہوگا اس لئے کہ جس چیز کی اللہ تبارک وتعالیٰ حفاظت فرمائیں وہ یقیناً محفوظ رہے گی اور اس میں سے کسی چیز کا ضائع ہونے کا کوئی امکان نہیں، پس کلام نبوی ہم تک سب کا سب منقول ہو چکا ہے اور اس بناء پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہم پر ہمیشہ کے لئے قائم ہو چکی ہے۔“

اور اسی صفحہ پر لکھتے ہیں:۔

والقرآن والخبر الصحيح بعضها مضاف إلى بعض، وهما شيء واحد في أنهما من عند الله تعالى وحكمهما حكم واحد في باب وجوب الطاعة لهما.

”قرآن کریم اور حدیث صحیح دونوں میں سے بعض بعض سے وابستہ ہیں، اور اس اعتبار سے کہ وہ دونوں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں وہ ایک ہی چیز ہیں اور تعمیل حکم کے لحاظ سے دونوں کا حکم ایک ہی ہے اور دونوں کی اتباع یکساں طور پر فرض ہے۔“

* * *

چنانچہ جن آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا ایک ساتھ حکم دیا ہے وہ ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں، اور پھر آگے چل کر کچھ اوراق کے بعد فرماتے ہیں:۔

وقال تعالى آمراً لنبيه عليه الصلاة والسلام أن يقول: «إنْ أتَّبِعُ إلَّا مَا يُوحَىٰ إلَيَّ» وقال تعالى: «إنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا

”اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کو حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ کہہ دیں کہ میں تو اسی کی اتباع کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے“ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

[1] الإحکام فی أصول الأحکام (۱:۹۹)۔

الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ» وقال تعالی: «لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ» فصح أن كلام رسول الله صلی الله علیه وسلم كله فی الدین وحی من عند الله عز وجل لا شك فی ذلك، ولا خلاف بین أحد من أهل اللغة والشریعة فی أن كل وحی نزل من عند الله تعالی فهو ذكر منزل فالوحی كله محفوظ بحفظ الله تعالی له بیقین، وكل ما تكفل الله بحفظه فمضمون ألا یضیع منه وأن لا یحرف منه شیء أبدا تحریفا لا یأتی البیان ببطلانه إذ لو جاز غیر ذلك لكان كلام الله تعالی كذبا و ضمانه خائسا وهذا لا یخطر ببال ذی مسكة عقل؛ فوجب أن الدین الذی أتانا به محمد صلی الله علیه وسلم محفوظ بتولی الله وحفظه، مبلغا كما

بے شک ہم نے ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں" اور اللہ تعالی نے فرمایا: "تاکہ آپ بیان کر دیں لوگوں کے سامنے اس چیز کو جو ان کی طرف نازل کی گئی" اس لئے یہ بات بالکل صحیح ہے کہ دین کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے جو کچھ بھی فرمایا ہے وہ سب کا سب اللہ تعالی کا وحی کردہ ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے، اور اہل لغت اور اہل شریعت میں سے کسی کا اس امر میں اختلاف نہیں ہے کہ جو وحی بھی خدا کی طرف سے اترتی ہے وہ "ذکر منزل" ہے۔ لہذا وحی سب کی سب اللہ تبارک و تعالی کی حفاظت کی وجہ سے یقینی طور پر محفوظ ٹھہری، اور جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالی نے لے لی تو پھر اس بات کی ضمانت بھی ہو گئی کہ نہ تو کبھی اس کا کوئی حصہ ضائع ہو گا اور نہ کبھی اس میں کوئی ایسی تحریف ہو سکے گی جس کے باطل ہونے کو بیان نہ کر دیا جائے، اس لئے کہ اگر ایسا نہ ہو تو پھر اللہ تعالی کا فرمانا غلط ہو جائے گا اور اس کی ضمانت ناکام رہے گی اور یہ خیال تو

هو إلى كل من طلبه ممن يأتي أبداً إلى انقضاء الدنيا، قال تعالى: «لأنذركم به ومن بلغ» فإذ ذلك كذلك، فبالضرورة ندري أنه لا سبيل ألبتة إلى ضياع شيء قاله رسول الله صلى الله عليه وسلم في الدين ولا سبيل ألبتة إلى أن يختلط به باطل موضوع اختلاطاً لا يتميز عن أحد من الناس بيقين، إذ لو جاز ذلك لكان الذكر غير محفوظ ولكان قول الله تعالى: «إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ» كذباً ووعداً مخلفاً، وهذا لا يقوله مسلم [1]

کسی ذرا سی عقل رکھنے والے کے دل میں بھی نہیں گذر سکتا ہے، اس لئے یہ ضروری ہے کہ جس دین کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس لے کر آئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی سرپرستی اور اس کی حفاظت میں محفوظ رہے، اور رہتی دنیا تک جو بھی طالب حق کبھی بھی آئے اس کو اپنی اصلی حالت میں پہنچ جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ آپ کہہ دیں کہ میں اس لئے بھیجا گیا ہوں) کہ "میں تم کو اور ہر اس شخص کو اس وحی کے ذریعے ڈراؤں جس کے پاس یہ وحی پہونچے" اور جب تبلیغ کی یہ صورت ٹھہری تو لازمی طور پر ہم یہ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے بارے میں جو کچھ بھی فرمایا ہے اس کے ضائع ہونے کی کوئی صورت نہیں اور نہ اس کا ہرگز کوئی امکان ہے کہ کلام نبوی کے ساتھ کوئی غلط اور گھڑی ہوئی بات اس طرح گھل مل جائے کہ کوئی شخص یقینی طور پر اس کو الگ ہی نہ کر سکے، اس لئے کہ اگر ایسا ممکن ہو تو پھر ذکر محفوظ نہیں رہے گا اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "ہم نے ذکر نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں" محض جھوٹ اور غلط وعدہ بن کر رہ جائے گا اور کوئی مسلمان تو ایسی بات زبان سے بھی نہیں نکال سکتا"۔

---

[1] الإحكام في أصول الأحكام (۱: ۱۲۱، ۱۲۲) وفي طبعة (۱: ۱۰۹)۔

یہاں پر کسی کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ اس آیت میں "الذکر" سے مراد صرف قرآن کریم ہے حدیثِ نبوی اس میں داخل نہیں، اس شبہ کی تردید بھی علامہ ابن حزم ہی کی زبانی سنیے فرماتے ہیں :-

فإن قال قائل: إنما عنى تعالى بذلك القرآن وحده فهو الذي ضمن تعالى حفظه لا سائر الوحي الذي ليس قرآنا، قلنا له وبالله التوفيق هذه دعوى كاذبة مجردة عن البرهان، وتخصيص للذكر بلا دليل وما كان هكذا فهو باطل لقوله تعالى: «قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ» فصح أن من لا برهان له على دعواه فليس بصادق فيها، والذكر اسم واقع على كل ما أنزل الله على نبيه صلى الله تعالى عليه وسلم من القرآن أو سنة وحي يبين بها القرآن۔

وأيضا فإن الله تعالى يقول: «وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ

"اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ نے تو "الذکر" سے صرف قرآن کریم مراد لیا ہے اور اسی کی حفاظت کی ضمانت دی ہے نہ کہ بقیہ وحی کی جو قرآن کریم میں نہیں ہے تو ہم توفیق الٰہی اس کو یہ جواب دیں گے کہ: یہ جھوٹا دعویٰ ہے دلیل سے خالی کہ "الذکر" کو بغیر دلیل کے قرآن کے ساتھ خاص کر دیا، اور جو بات بلا دلیل کے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی بناء پر باطل ہے کہ "آپ کہہ دیجیے تم سچے ہو تو دلیل لاؤ"۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جس کے پاس اپنے دعویٰ کی دلیل نہ ہو وہ جھوٹا ہے، اور "ذکر" ان تمام چیزوں کا نام ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ علیہ وسلم پر نازل کیا قرآن کریم ہو۔ یا وہ سنت جس کی وحی آپ کی طرف اس غرض سے کی گئی تاکہ آپ اس کے ذریعہ قرآن کریم کی تفصیل بیان کریں۔

نیز اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ: "ہم

الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ» فصح أنه عليه الصلاة والسلام مأمور ببيان القرآن للناس، وفي القرآن مجمل كثير كالصلاة والزكاة والحج وغير ذلك مما لا نعلم ما ألزمنا الله تعالى فيه بلفظه لكن ببيان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم؛ فإذا كان بيانه عليه الصلاة والسلام لذلك المجمل غير محفوظ ولا مضمون سلامته مما ليس منه فقد بطل الانتفاع بنص القرآن فبطلت أكثر الشرائع المفترضة علينا فيه؛ فإذا لم ندر صحيح مراد الله تعالى منها ۱؎

نے آپ پر قرآن کریم نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کر دیں جو ان پر نازل کیا گیا"۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام لوگوں کے سامنے قرآن حکیم کا بیان کرنے پر مامور ہیں، اور قرآن شریف میں بہت سے احکام مجمل ہیں مثلاً نماز، زکاۃ اور حج وغیرہ جن کے بارے میں ہمیں یہ علم ہی نہیں کہ اس لفظ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر کیا فرض کیا ہے، جو کچھ معلوم ہوا وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیان ہی سے معلوم ہوا، اب اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ان مجمل احکام کے بارے میں غیر محفوظ ہو اور نہ غیر کی ملاوٹ سے اس کی حفاظت کی ذمہ داری ہو تو پھر قرآن پاک کے صریح احکام ہی سے نفع اٹھانا ختم ہو جائے گا کیونکہ دین کے وہ اکثر احکام جو ہم پر فرض کیے گئے ہیں (ان کی حقیقت نہ معلوم ہونے کے سبب بے کار ہو کر رہ جائیں گے) اور اللہ تعالیٰ کی ان احکام سے مراد کیا ہے اسے ہم معلوم ہی نہ کر سکیں گے"۔

اور علامہ محمد بن اسماعیل صنعانی المتوفی سنہ ۱۱۸۲ھ "توضیح الافکار" میں طراز ہیں۔

۱؎ الإحکام فی أصول الأحکام (۱: ۱۲۲)۔

وروينا عن عبد الرحمن بن مهدى أنه قيل له: هذه الأحاديث المصنوعة؟ قال: يعيش لها الجهابذة «إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ» فجعل الأحاديث النبوية داخلة تحت لفظ «الذكر» وأيده المصنف بقوله: قلت قد احتج بعض أهل الحديث النبوى بأن الحديث النبوى داخل فيما ضمن الله عزّ وجلّ بحفظه من الذكر الدال عليه «وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ»

وفى شرح النخبة لعلى القارى: أراد أن من جملة حفظ لفظ القرآن حفظ معناه، ومن جملة معانيه الأحاديث النبوية الدالة على توضيح معانيه كما قال تعالى: «لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ» ففى الحقيقة تكفل

”ہمیں حضرت عبد الرحمن بن مہدی سے روایت پہنچی ہے کہ ان سے پوچھا گیا: ان گھڑی ہوئی احادیث کا کیا ہوگا؟ انہوں نے فرمایا: ان کے پرکھنے کے لئے بڑے بڑے حاذق علماء زندہ رہیں گے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ”ہم نے ہی ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں“ امام ابن مہدی نے احادیث نبویہ کو لفظ ”ذکر“ کے تحت داخل فرمادیا اور مصنفؒ (وزیر یمانی) نے یہ کہکر اسکی تائید کی کہ میں کہتا ہوں کہ بعض محدثین کرام نے فرمایا کہ: احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ”الذکر“ میں داخل ہیں جنکی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ ”ہم اس کے محافظ ہیں“

”ملا علی قاریؒ کی ”شرح نخبہ“ میں ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ کی حفاظت میں اسکے معنی کی حفاظت بھی داخل ہے، اور احادیث نبویہ اس کے معانی کے ذیل میں آتی ہیں کہ ان سے قرآن کے معانی کی توضیح ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

الله تعالیٰ بحفظ الكتاب والسنة
بأن يوجد من عباده من يجدد
لهم أمر دينهم في كل أوان [لہ]

تاکہ آپ بیان کریں لوگوں سے اس کو جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔" اس لئے حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب و سنت دونوں کی حفاظت کی ذمہ داری اس طرح لی ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے ایسے لوگ پیدا کرتا رہے گا جو ہر زمانہ میں ان کے دین کی حفاظت اور تجدید[ٹہ] کرتے رہیں گے۔"

امیر یمانی نے ابن مہدی کی زبانی جو کچھ نقل کیا ہے وہی بات امام سیوطی نے ان کے ابن مبارکؒ سے بھی نقل کی ہے، فرماتے ہیں:-

قيل لابن المبارك: هذه
الأحاديث الموضوعة؟ فقال:
يعيش لها الجهابذة، ﴿إِنَّا
نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ
لَحَافِظُونَ﴾ [سہ]

"حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے پوچھا گیا کہ ان موضوع احادیث کا کیا بنے گا؟ آپ نے فرمایا کہ: ان کے جانچنے کے لئے بڑے پختہ کار ماہر و محقق علماء زندہ رہیں گے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ہم نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

وحیِ خفی کی حجیّت اور اس کا اِثبات

حق تعالیٰ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد ہے:-

---

الافکار (۲ : ۷۹ ، ۸۰)۔

یہ معنی کریں گے کہ ملحدین اور زنادقہ نے دین میں جو تحریف اور غلط بیانی کی ہوگی اس کی کرکے دین کو صاف اور واضح کر کے پیش کر دیں گے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:-

«يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله، ينفون عنه تحريف الغالين، وانتحال المبطلين، وتأويل الجاهلين»

تدريب الراوی (ص: ۱۸۴)۔

١ــ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى [1]

"وہ اپنی خواہش سے (مطلق) نہیں بولتا، وہ (جو بولتا ہے) تو وہ وحی ہوتی ہے جو بھیجی جاتی ہے۔"

اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ جس طرح آپ پر قرآن کریم کی وحی نازل ہوتی تھی اسی طرح وحی خفی کا بھی آپ پر نزول ہوتا تھا، فرق صرف اتنا ہے کہ ایک وحی متلو ہے، جسے قرآن کہتے ہیں اور دوسری وحی غیر متلو، جسے سنت وحدیث کہا جاتا ہے اور دین میں حجت ہونے کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں۔ چنانچہ امام غزالیؒ المتوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں :-

وقول رسول الله صلى الله عليه وسلم حجة لدلالة المعجزة على صدقه، ولأمر الله تعالىٰ إيانا باتباعه، ولأنه لا ينطق عن الهوىٰ إن هو إلا وحى يوحى لكن بعض الوحى يتلى فيسمى كتاباً وبعضه لا يتلى وهو السنة الخ [2]

"اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حجت ہے اس [1] لئے کہ آپ کے معجزات آپ کے سچے ہونے پر دلالت کرتے ہیں، اور [2] اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کی اتباع کا حکم دیا ہے، اور [3] اس لئے بھی کہ "آپ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں فرماتے بلکہ وہ سب کا سب آپ کی طرف بذریعۂ وحی بھیجا گیا ہوتا ہے" لیکن فرق صرف یہ ہے کہ بعض وحی کی تلاوت کی جاتی ہے جس کو کتاب (قرآن) کہتے ہیں اور بعض کی تلاوت نہیں کی جاتی جسے سنت وحدیث کہتے ہیں۔"

---

[1] النجم : ۳ و ۴

[2] المستصفیٰ (۱ : ۸۳) علامہ موفق بن احمد لکھتے ہیں :-

وقول رسول الله صلى الله عليه وسلم حجة لدلالة المعجزة على صدقه و أمر الله سبحانه بطاعته وتحذيره عن مخالفة أمره الخ (روضة الناظر وجنة المناظر ص ۲۶)

"اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک حجت ہے اس لئے کہ معجزہ آپ کے سچا ہونے پر دال اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور آپ کے حکم کی مخالفت سے ڈرایا ہے۔"

اور علامہ ابن حزم اپنی کتاب میں لکھتے ہیں :-

لما بينا أن القرآن هو الأصل المرجوع إليه في الشرائع نظرنا فيه فوجدنا فيه إيجاب طاعة ما أمرنا به رسول الله صلى الله عليه وسلم ووجدناه عز وجل يقول فيه واصفاً لرسوله صلى الله عليه وسلم: «وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى» فصح لنا بذلك أن الوحي ينقسم من الله عز وجل إلى رسوله صلى الله عليه وسلم على قسمين: أحدهما وحي متلو مؤلف تأليفاً معجز النظام وهو القرآن، والثاني وحي مروي منقول غير مؤلف ولا معجز النظام ولا متلو ولكنه مقروء وهو الخبر الوارد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو المبين عن الله عز وجل مراده منا، قال

“ چنانچہ ہم یہ بیان کر چکے کہ قرآن کریم شرعی احکام کا اصل مآخذ و مرجع ہے اس پر نظر ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ قرآن پاک میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام جو بھی حکم دیں اس کی اطاعت کو واجب قرار دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کی صفت بیان کرتے ہوئے پاتے ہیں کہ: ”وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے (جو بولتے ہیں) وہ ان کی طرف بھیجی ہوئی وحی ہے“ اس سے یہ ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اللہ تعالیٰ کی جو وحی نازل ہوتی تھی اس کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ وحی جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور جس کا اسلوب بیان اعجاز کا حامل ہے اور یہ قرآن کریم ہے اور دوسری وہ وحی جو مروی منقول ہے مگر نہ اس کا اسلوب بیان اعجاز کا حامل ہے اور نہ اس کی تلاوت ہوتی ہے البتہ وہ پڑھی پڑھائی جاتی ہے اور یہ وہ خبر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہوئی ہے اور یہی خبر اللہ تعالیٰ کی اس مراد کو جو اللہ تعالیٰ ہم سے چاہتے ہیں بیان کرتی ہے اللہ

تعالى: «لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ» ووجدناه تعالى قد أوجب طاعة هذا القسم الثاني كما أوجب طاعة القسم الأول الذي هو القرآن ولا فرق فقال تعالى: «وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ» فكانت الأخبار التي ذكرنا أحد الأصول الثلاثة التي ألزمنا طاعتها في الآية الجامعة لجميع الشرائع أولها عن آخرها، وهي قوله تعالى: «يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ» فهذا أصل وهو القرآن «وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ» فهذا ثان وهو الخبر عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم «وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ» فهذا ثالث وهو الإجماع المنقول إلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وحكمه [1]

تعالیٰ فرماتے ہیں: "تاکہ آپ لوگوں کے لئے اس کو بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا" اور ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کی اس قسم ثانی (سنت وحدیث) کی اطاعت کو بعینہ اسی طرح لازم قرار دیا جس طرح کہ وحی کی اس قسم اول کی اطاعت کو جو کہ قرآن کریم ہے اور ان دونوں کی اطاعت میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی" پس یہ احادیث جن کا تذکرہ کیا ان تین اصولوں میں سے ایک ہیں جن کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لازم قرار دیا ہے جو اول سے آخر تک تمام احکام شرعیہ کی جامع ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ: "اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی" یہ تو ایک اصل ہوئی جو قرآن ہے۔ "اور اطاعت کرو رسول کی" یہ دوسری اصل ہوئی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر حدیث پر مشتمل ہے[2] "اور اطاعت کرو اپنے اُولِی الأمر کی" یہ تیسری اصل

---

[1] الإحکام (۱: ۹۶، ۹۷)۔

[2] پس جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت (بقیہ حاشیہ

ہے اور یہ وہ اجماع ہے جو (ہم سے لیکر) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (کے عہد) تک منقول ہو۔"

اور علامہ ابن قیم "کتاب الروح" میں رقمطراز ہیں :۔

إن الله سبحانه وتعالى أنزل على رسوله (صلى الله عليه وسلم) وحيين وأوجب على عباده الإيمان بهما والعمل بما فيهما وهما الكتاب والحكمة۔	"اللہ تعالیٰ سبحانہٗ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر دو قسم کی وحی نازل کی ہے اور دونوں وحیوں پر ایمان لانا اور ان کے بموجب عمل کرنا اپنے بندوں پر واجب قرار دیا ہے اور یہ دونوں وحییں قرآن کریم اور حکمت (سنت) ہیں۔"

پھر حافظ ابن قیم نے اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے مندرجہ ذیل آیات بھی پیش کی ہیں :۔

«هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ»	"اسی نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا کہ تلاوت کرتا ہے ان پر اس کی آیتیں اور ان کو پاک کرتا ہے اور کتاب وحکمت کی ان کو تعلیم دیتا ہے۔"
«وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ»	"اور (اے نبی کی بیویو) یاد کرو اس کو جس کی تلاوت ہوتی ہے تمہارے گھروں میں یعنی اللہ کی آیتیں اور حکمت۔"

اس کے بعد لکھتے ہیں :۔

والكتاب هو القرآن والحكمة	کتاب تو قرآن کریم ہے اور حکمت سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہ ہے کہ قرآن کریم پر عمل کیا جائے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت یہ ہے کہ آپ کی سنت پر عمل کیا جائے اور یہ اطاعت صرف آپ کی حیات تک محدود نہیں بلکہ سنت کی اطاعت کے لئے اسی طرح لازم ہے جس طرح قرآن کریم کی اطاعت۔"

هی السنة باتفاق السلف، وما أخبر الرسول عن الله وهو فی وجوب تصدیقه والإیمان به كما أخبر به الرب تعالى على لسان رسوله، هذا أصل متفق عليه بين أهل الإسلام لا ينكره إلا من ليس منهم وقد قال النبی صلى الله عليه وسلم: «إنی أوتيت الكتاب ومثله معه»[1]

باجماع سلف سنت ہی مراد ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کریں اس کی تصدیق کرنا اور اس پر ایمان لانا بھی اسی طرح واجب ہے جسطرح اس کو حق تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبان سے بیان کیا ہو، یہ اہل اسلام کا متفق علیہ عقیدہ ہے جس کا انکار وہی کر سکتا ہے جو اہل اسلام سے خارج ہو اور خود نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ: "مجھے کتاب بھی دی گئی ہے اور اسی کے ساتھ اس کے مثل اور بھی (یعنی سنت)"۔

* * *

امام ابن حزمؒ، امام غزالیؒ، حافظ ابن قیمؒ اور علامہ موفق بن احمدؒ ان سب حضرات کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ سنت وحی کی ہی ایک قسم ہے اور ظاہر ہے کہ وحی کے حجت ہونے میں کس نامراد کو شبہ ہو سکتا ہے۔

۲ — إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ، ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ[2]

"بے شک ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع رکھنا تیرے سینہ میں اور پڑھانا تیری زبان سے پھر جب ہم پڑھانے لگیں (فرشتے کی زبانی) تو ساتھ رہ اس کے پڑھانے کے پھر مقرر ہے ہمارے ذمہ اس کو کھول کر بتلانا۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان آیات میں یہ فرمایا ہے کہ قرآن کریم کی جمع و ترتیب کا کام ہمارے ذمہ ہے اور سب جانتے ہیں کہ جس ترتیب سے قرآن کریم نازل ہوا تھا موجودہ ترتیب وہ نہیں ہے

---

[1] کتاب الروح (ص:۹۲)۔

[2] القیامہ: ۱۷ و ۱۸ و ۱۹

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق اس کو ترتیب دیا گیا ہے، اب آپ خود سوچ ہیں کہ قرآن کریم کی موجودہ ترتیب جو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بتانے کے مطابق کی وہ وحی خفی کے ذریعہ ہوئی یا نہیں۔ پھر اس آیت میں جو حق تعالیٰ شانہٗ قرآن کریم کے بیان کا وعدہ فرمایا ہے وہ بیان اپنی اصلی شکل میں احادیث کے علاوہ اور کہاں موجود ہے۔ قرآن کریم میں ربا کی حرمت، زکاۃ کی فرضیت کا حکم ہے لیکن اس کی تفصیلات کا بیان حدیث وسنت کے علاوہ اور کہاں ہے، یہی نہیں بلکہ جملہ احکام شرعیہ کی تفصیل احادیث کے علاوہ اور کہاں ملتی ہے لہٰذا جو لوگ حدیث کو حجت ماننے سے انکار کرتے ہیں وہ درحقیقت پوری شریعت کو منہدم کرنا چاہتے ہیں۔

۲۔ سب جانتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم دیا لیکن قرآن کریم میں اس حکم کا کہیں ذکر نہیں ہے البتہ آپ کی عادت شریفہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتلائی ہے کہ:

إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ [1]	"میں تو صرف اس کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے"

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے تقریباً سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے نماز ادا کی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

إنه صلى قبل بيت المقدس ستة عشر شهرا أو سبعة عشر شهرا [2]	"آپ نے بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے سولہ یا سترہ مہینے نماز پڑھی ہے"

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بیت اللہ کی طرف رُخ کرنے کا

---

[1] الانعام : ۵۰ و ۱۵ ، احقاف : ۹

[2] صحیح بخاری، کتاب الایمان (۱ : ۱۰) صحیح مسلم (۱ : ۲۰۰) مسند احمد (۱ : ۲۵۰ و ۳۲۵) و (۴ ، ۲۸۳ و ۳۰۴) وغیرہ۔

حکم دیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دی اس پر منافقین و یہود نے اعتراضات کرنا شروع کر دیے کہ یہ مسلمان کسی ملت کے پابند نہیں کبھی اِدھر منہ کرتے ہیں کبھی اُدھر، اپنے عقیدہ میں متردد اور متحیر ہیں، کسی نے یوں کہا کہ یہود کی عداوت اور حسد کی بناء پر ایسا کیا گیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ نازل فرمائی :-

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ
مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي
كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ
الْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ
إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ [1]

"اب کہیں گے بیوقوف لوگ کہ کس چیز نے
پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے جس
پر وہ تھے" تو کہہ کہ اللہ ہی کا ہے مشرق اور
مغرب، چلائے جس کو چاہے سیدھی
راہ"

اور یہ بتلا دیا کہ "تحویلِ قبلہ" نہ تو کسی تردد کی بناء پر ہوئی ہے اور نہ کسی سے عداوت یا بُغض و حسد کی بناء پر اور نہ یہ تبدیلی اپنی رائے سے بلکہ سب کچھ محض خدائے پاک کے حکم کی اتباع میں کیا گیا ہے، اب غور فرمائیے اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو قبلہ فرمایا ہے حالانکہ اس کا قرآن شریف میں تذکرہ نہیں جس سے یقینی طور پر معلوم ہوا کہ یہ حکم آپ کو وحی خفی (سنت) ہی کے ذریعہ دیا گیا تھا، اس کے بعد والی آیت میں اس سے زیادہ واضح الفاظ میں فرمایا :-

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ
عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُولَ
مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ [2]

"اور ہم نے وہ قبلہ جس پر آپ پہلے تھے صرف
اسی لئے مقرر کیا تھا تاکہ یہ معلوم کریں کہ کون
تابع رہے گا رسول کا اور کون الٹے پاؤں پھر
جائے گا"

یہاں بیت المقدس کو قبلہ بنانے کی نسبت اللہ جَلَّ جلالُہٗ نے اپنی طرف کی ہے فرمایا

---

[1] البقرہ : ۱۴۲

[2] البقرہ : ۱۴۳

انما جعلنا" کہ ہم نے یہ قبلہ صرف آزمائش کے لئے مقرر کیا تھا، اصل قبلہ تو کعبہ ہی تھا ، قرآن پاک کی کسی آیت میں بیت المقدس کی طرف رُخ کرنے کا حکم موجود نہیں یہ حکم یقیناً آپ کو وحی خفی کے ذریعہ دیا گیا تھا اور اس وحی خفی کی اتباع کو اللہ جل شانہٗ نے اس طرح فرض کر دیا تھا کہ اسی کے ذریعہ لوگوں کی آزمائش کی اور امتحان لیا۔ ظاہر ہے اگر خفی حجت نہ ہوتی تو پھر اس کے ذریعہ آزمائش و امتحان کیوں لیا جاتا اور اس سے مسلم میں فرق کیوں کر ہوتا ؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بنی نضیر کے موقعہ پر جب یہودیوں کے باغات اور درخت لگے ہوئے تھے ان کے کاٹنے کا حکم دیا تو اس پر انہوں نے واویلا شروع کر دیا، کہنے ہو کر درختوں کے کاٹنے اور فساد پھیلانے کا حکم دیتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف آیت نازل فرمائی جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کی تصدیق و تائید اور فرمایا کہ یہ جو کچھ ہوا ہمارے اِذن اور اجازت سے ہوا ہے، ارشاد ہے :-

وَمَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ [۱]	"جو کھجور کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا یہ سب اللہ کے حکم سے ہوا"

اصل بات یہ تھی کہ یہود بنی نضیر اپنی مضبوط گڑھیوں میں قلعہ بند ہو گئے تھے اور ان سے باہر آمادہ نہ تھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ یہ میدان میں نکلیں تاکہ کھل مقابلہ ہو، مقصد یہ تھا کہ اس ترکیب سے ان کو قلعوں سے باہر نکالا جائے ، اس مصلحت خاطر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے باغات اور درختوں کو کاٹنے کا حکم دیا تاکہ ان کو تکلیف پہنچے اور وہ باہر نکل کر لڑنے پر مجبور ہو جائیں ، ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ کے وقت درختوں کی آڑ اور رکاوٹ باقی نہ رہے ۔ ان مصالح کی بناء پر آپ نے کچھ کاٹنے کا حکم دیا تو اس پر یہود نے لعن طعن کی بوچھاڑ شروع کر دی کہ خود ہی تو فساد سے

---

[۱] الحشر : ۵

منع کرتے ہیں اور پھر خود ہی فساد پھیلاتے ہیں اور درخت کاٹ رہے ہیں ، تب اللہ تعال
نے یہ آیت نازل فرمائی کہ مسلمانوں نے جو کچھ کیا اللہ جل شانہٗ کے حکم سے کیا اور حکم الٰہی کی تعمیل ک
فساد نہیں کہہ سکتے کیونکہ حکم الٰہی بے شمار مصلحتوں اور حکمتوں پر مشتمل ہوتا ہے ۔

حکمتوں کو کیسے پہونچے عقلِ خام ؏ حکمتوں سے ہیں بھرے سب رب کے کام

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان درختوں کے کاٹنے ک
حکم دیا تھا یہ حکم قرآن کریم میں موجود نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف منسوب کیا ہے او
فرمایا ہے کہ یہ تم نے اللہ کے حکم اور اسی کی اجازت سے کیا ہے یہ حکم اور اجازت یقیناً وحی خف
ہی کے ذریعہ دی گئی تھی اور اسی کو سنت و حدیث کہتے ہیں ۔

۵ ـــ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی س
ایک راز کی بات فرمائی اور انہیں یہ تاکید کر دی کہ کسی اور کو مت بتلانا ، اتفاقاً وہ با
انہوں نے کسی اور سے ذکر کر دی ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی خفی کے
ذریعہ اس کی اطلاع دے دی تو انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ کو کس نے اطلاع دی ؟
آپ نے فرمایا کہ مجھے علیم و خبیر نے اطلاع دی ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں
فرماتے ہیں :-

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ
حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ
اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ
عَنْۢ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ
مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ
الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ﻟﮧ

" اور جب چھپا کر کہی نبی نے اپنی کسی بیوی
سے ایک بات ، پھر جب اس نے خبر دی اس
کی ، اور اللہ نے جتلا دی نبی کو وہ بات ،
تو جتلائی نبی نے اس میں سے کچھ اور ٹلا دی
کچھ ، پھر جب وہ جتلائی بیوی کو ، بولی آپ
کو کس نے بتلا دی یہ ، کہا مجھ کو بتایا اس خبر
والے واقف نے "

ﻟﮧ التحریم : ۳

یہاں خط کشیدہ جملہ " وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ " پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اظہار کس ذریعہ سے کیا، اگر وحی متلو کے ذریعہ کیا تو وہ آیت کہاں ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی تھی کہ آپ کی اہلیہ نے وہ راز کی بات دوسرے کو بتلادی ہے، قرآن کریم میں تو ایسی کوئی آیت موجود نہیں ہے اس لئے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ قرآن کریم کے علاوہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حق تعالیٰ کی وحی اترتی تھی۔

عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ [1]	" اللہ کو معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے ہو اپنی جانوں سے "

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رمضان کی رات میں اپنی بیویوں سے صحبت کرنا اس سے پہلے حرام تھا اور بعض حضرات اپنے اوپر قابو نہ پاکر اس حکم کی خلاف ورزی کرلیا کرتے تھے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں فرمارہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ آیت کونسی ہے جس میں حکم دیا گیا ہو کہ رمضان المبارک میں رات کو بھی اپنی بیوی سے صحبت درست نہیں؟ اس کے جواب میں یقیناً یہی کہا جائے گا کہ یہ حکم حدیث یعنی وحی خفی کے ذریعہ ہی دیا گیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ [2]	" بے شک اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا جو ان میں انہی میں کا رسول بھیجا، وہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے (یعنی شرک وغیرہ سے) اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت "

---

[1] البقرہ : ۱۸۷

[2] آل عمران : ۶۴

اور فرمایا :-

٢۔ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ
وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ
وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ
قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ[1]

"اللہ وہی ہے جس نے اَن پڑھوں میں ان ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت اور اس سے پہلے وہ صریح بھول میں پڑے ہوئے تھے"

نیز ارشاد ہے :-

٣۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ
يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ[2]

"اے ہمارے پروردگار ان میں ان ہی میں کا ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیتیں پڑھے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھلاوے اور ان کو پاک کر دے، بے شک تو ہی زبردست بڑی حکمتوں والا ہے۔"

* * * * * * *

اور فرمایا :-

٤۔ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ
يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ
وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ[3]

"جیسے کہ ہم نے تم میں تم ہی میں کا رسول بھیجا جو پڑھتا ہے تمہارے سامنے ہماری آیتیں اور تم کو پاک کرتا ہے اور تم کو سکھلاتا ہے کتاب اور حکمت اور تم کو سکھلاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے"

* * * * * * *

یہ چاروں آیتیں "منصب نبی" کو واضح کر رہی ہیں، پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنا احسا

---

[1] الجمعہ : ٢

[2] البقرہ : ١٢٩

[3] البقرہ : ١٥١

کو بتا رہے ہیں کہ ہم نے مومنوں پر یہ احسان کیا کہ ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا، اور پھر اس رسول کے چار فرائض منصبی اور چار اوصاف ذکر کیے :-

۱۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ۔ تلاوت آیات ۔ قرآن کریم کی آیتیں پڑھ کر سنانا اور ان کو پڑھانا۔

۲۔ وَيُزَكِّيْهِمْ ۔ تزکیہ کرنا ۔ یعنی ان کو عقائدِ حقہ، عمدہ اخلاق اور اعمال صالحہ کی تعلیم و دینا۔

۳۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ۔ تعلیم کتاب ۔ کتاب اللہ کی مراد بتلانا اس کے مقصد اور مطلب کو سمجھانا۔

۴۔ وَالْحِكْمَةَ ۔ تعلیم حکمت ۔ حکمت کی دقیق اور گہری باتیں سکھلانا اور قرآن کریم کے اسرار و لطائف اور شریعت کے دقیق و عمیق علل پر مطلع کرنا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاروں فرائض بطریق احسن پورے کئے چنانچہ لوگوں کو قرآن کریم کی آیتیں بھی پڑھ کر سنائیں اور ان کے اخلاق کی بھی اصلاح کی اور اصلاح کی کہ وہ اہل عرب جو علم سے نا آشنا، تہذیب و تمدن سے بیگانہ اور اخلاق حسنہ عاری تھے وہ آپ کی اس تعلیم و تزکیہ کی بدولت علم کے علمبردار، اخلاق حسنہ کے داعی، تہذیب و تمدن میں یگانہ بن کر مرجع خلائق بن گئے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

درفشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا ؛ دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے ؛ کیا نگاہیں تھیں کہ مُردوں کو مسیحا کر دیا

دنیا حیران تھی کہ وہ قوم جو ہمیشہ سے فرومایگی اور نکبت کا شکار تھی آج اس میں یہ بات پیدا ہو گئی کہ دنیا اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دے! آخر وہ کیا چیز تھی؟ یہ سب آپ کی اسی تزکیہ اور تعلیم کتاب و تعلیم حکمت کا نتیجہ تھا۔

تعلیم کتاب کا مقصد اور اس کا فائدہ

یہاں پر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ قرآن شریف جن لوگوں میں نازل ہوا وہ اہل لسان تھے، ان کی مادری زبان تھی اس لئے ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ جب قرآن کریم ان کے سامنے جاتا وہ خود اس کے معنی و مطلب کو سمجھ لیتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے سمجھنے کو کافی نہ سمجھا

بلکہ اپنے مطلب و مراد کو واضح کرنے کے لئے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلم بنا
مبعوث فرمایا اور کتاب و حکمت کی تعلیم آپ کے فرائض منصبی میں داخل کی۔

اس لئے یہ حقیقت خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ صرف عربی زبان کا
قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے کافی نہیں بلکہ اس کے بعد بھی تعلیم کی ضرورت باقی رہتی ہے تاک
کے اجمال کی تفصیل سمجھ میں آئے اور اس کے دقائق و غوامض پر جو عام سمجھ سے بالاتر
ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی بدولت رسائی ہو سکے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرا
رضی اللہ عنہم اجمعین قرآن کی تعلیم پر بہت زور دیتے اور اس کے مختصر سے حصہ کی تع
پر طویل وقت خرچ کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ خطیب بغدادی اپنی کتاب "رواۃ مالک"
اور امام بیہقی "شعب الایمان" میں حضرت ابن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ:-

تعلّم عمر البقرۃ فی اثنتی عشرۃ سنۃ فلما ختمها نحر جزوراً[1]	"حضرت عمرؓ نے سورۂ بقرہ بارہ سال میں سیکھی اور جب ختم کر چکے تو (خوشی میں) اونٹ کی قربانی کی۔"

اور امام مالکؒ "موطأ" میں روایت کرتے ہیں کہ:-

إن عبد اللہ بن عمر مكث على سورۃ البقرۃ ثمان سنین یتعلمها[2]	"حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے سورۂ بقرہ کے سیکھنے پر آٹھ سال صرف کئے۔"

غور فرمائیے کہ چالیس رکوع کی سورۂ بقرہ جس کو آج کل عام طور سے چند ہفتوں
ختم کر لیا جاتا ہے اور غیر عرب بھی اس کو پڑھتے اور یاد کر لیتے ہیں لیکن اہل لسان اور
جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس پر بارہ سال اور آٹھ سال جیسی طویل مد
خرچ کرتے ہیں، آخر یہ سب کچھ کیوں؟ اس لئے کہ تعلیم قرآن صرف الفاظ قرآن کی تع
تک محدود نہ رہے، بلکہ اس کے معانی و مطالب، اوامر و نواہی، احکامات و اخبار

---

[1] درمنثور (۱: ۲۱)۔

[2] موطأ مالک (ص۱۷۱)۔

بصیرت اور مجتہدانہ نظر ہو جاتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی یہ عام عادت شریفہ
چنانچہ حضرت عثمان بن عفان، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی آتا
وہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیتیں سیکھتے تو اس سے آگے اس وقت تک نہ بڑھتے
کہ ان میں جو کچھ علم و عمل کی باتیں ہیں ان سب کو سیکھ نہ لیں۔[2]

غرض بڑے سے بڑے اہل لسان بھی فہم قرآن کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور توضیح کے محتاج تھے، اسی لئے وہ قرآن کی تعلیم پر محنت کرتے اور زیادہ سے زیادہ کرتے تھے۔ بہت سے مقامات پر قرآن کریم میں لفظ سے اس کا ظاہری مفہوم مراد ہیں۔ ایسے مقامات پر اہل لغت اس کے ظاہری مفہوم سے اشکال میں پڑ جاتے ہیں اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مراجعت پر جب حقیقت حال واضح ہوتی ہے تو ان کی پریشانی دور ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض جگہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آیت کا ظاہری مطلب لیا، حالانکہ وہاں پر اللہ تعالیٰ کی وہ مراد نہ تھی جو انہوں نے سمجھی جیسے کہ آیت کریمہ " وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ " میں ظلم سے ان حضرات نے عام ظلم سمجھ لیا حالانکہ یہاں "ظلم" سے مراد عام ظلم نہ تھا بلکہ "خاص ظلم" یعنی شرک مراد تھا جس کی تفسیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ غرض اس طرح کے بعض شبہات جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیش آتے تو انہیں دور فرما دیتے تھے۔ یہ تھی تعلیم کتاب جس کو ہم آیت " وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ " کے تحت تفصیل سے بیان کریں گے۔

تعلیم کتاب کے ساتھ ساتھ آپؐ نے لوگوں کو حکمت یعنی پکی باتوں کی بھی تعلیم دی، یہاں دیکھنا یہ ہے کہ حکمت سے کیا مراد ہے۔ اگر قرآن کریم ہی مراد لیا جائے تو یہ عبارت کے حسن اور قرآن شریف کے نظم کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ یہاں " والحکمۃ " کو واؤ کے ساتھ جو حرف عطف ہے ذکر کیا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ہونی چاہیے اس

---

[1] مستدرک حاکم (۱: ۵۵۷)۔

[2] مجمع الزوائد للهیثمی (۱: ۱۶۵) السنۃ قبل التدوین (ص ۵۸)۔

لئے جب کتاب سے مراد قرآن کریم ہے تو حکمت سے کوئی اور چیز مراد ہونی چاہیئے اور وہ حد
وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کے ذریعہ آیات قرآنیہ کا شان نزول ، ان کی
اور قرآن کریم کے احکام کی تشریح اور معنی مقصودی کی تعیین اور اس کے مجملات کی تفصیل ا
کے عموم کی تخصیص اور مبہمات کی تعیین کی جاتی ہے ۔ انہی احادیث یعنی حکمت وسنت کے ذ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال واعمال وتقریرات وسیرت طیبہ واخلاق
وعادات مبارکہ اور احکام شرعیہ تمام فرائض وسنن ومستحبات ہم تک پہونچے ہیں ۔ اسی
ابتداء اسلام سے آج تک جس طرح لوگوں نے قرآن کریم کو یاد رکھا اور حفظ کیا اسی طرح احا
کو بھی اپنے سینہ میں جگہ دی اور وہ سینہ لبینہ اور سفینہ در سفینہ منتقل ہوتی چلی آئیں ۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے دو چیزیں بھیجیں
(۱) قرآن عظیم (۲) نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام ، اور آپؐ کے دنیا سے تشریف لے جانے
بعد بھی یہی دونوں چیزیں امت کی ہدایت کے لئے کافی ہیں (۱) کلام اللہ (۲) اور سنت رسول
صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر صاف
اعلان فرمادیا کہ " اے لوگو ! میں نے تم میں دو چیزیں ایسی چھوڑی ہیں کہ اگر تم ان پر عمل کرتے
تو کبھی گمراہ نہ ہوگے (۱) اللہ تعالیٰ کی کتاب (۲) میری سنت ، چنانچہ علامہ سیوطی نے اس م
کی متعدد احادیث اپنے رسالہ میں جمع کی ہیں ، فرماتے ہیں :-

أورد البيهقي بسنده عن
أبي هريرة قال : قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم : «إني
قد خلفت فيكم شيئين
لن تضلوا بعدهما أبدا كتاب
الله وسنتي ، ولن يفترقا حتى
يردا على الحوض» أخرجه الحاكم

امام بیہقی اپنی سند سے حضرت ابوہریرہؓ
سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : میں نے تم میں دو
چیزیں چھوڑی ہیں تم ان کے بعد کبھی گمراہ
نہ ہوگے ایک اللہ کی کتاب اور دوسری
میری سنت اور یہ دونوں اس وقت
تک الگ نہ ہوں گی جب تک کہ حوض پر

في المستدرك۔

وأورد بسنده عن ابن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطب الناس في حجة الوداع فقال: «يا أيها الناس إني قد تركت فيكم ما إن اعتصمتم به فلن تضلوا أبداً كتاب الله و سنتي» أخرجه الحاكم أيضاً [1]

نہ آجائیں۔ حاکم نے مستدرک میں اس کی تخریج کی ہے۔

اور امام بیہقی) اپنی سند سے حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں لوگوں سے خطاب کیا اور فرمایا: اے لوگو! میں نے تم میں ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اسے مضبوط پکڑے رہے تو کبھی ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اور وہ اللہ کی کتاب اور میری سنت ہے۔ اس حدیث کو بھی حاکم نے روایت کیا ہے۔"

ان احادیث مبارکہ میں آپ نے صاف طور سے فرمادیا کہ اگر ان دونوں مصادر تشریع (کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ) پر عمل کرتے رہے تو تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ چنانچہ اہل السنۃ والجماعۃ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک کی قدر کر کے اس کو سر آنکھوں پر رکھا اور ہر امر میں قرآن وسنت کو اپنا امام بنایا اس لئے وہ ہمیشہ راہِ راست پر رہے ہے۔ اس کے برخلاف مسلمانوں کے بقیہ فرقے تارک سنت ہو کر دنیا میں بھی گمراہ ہوئے اور آخرت میں بھی راندۂ درگاہ ہوں گے۔

حافظ لالکائی ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:۔

«يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ» قال: وجوه أهل السنة «وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ» قال: وجوه أهل البدع [2]

"(آیہ شریفہ) "یوم تبیض وجوہ" (جس دن بعض چہرے سفید روشن ہوں گے) کی تفسیر میں انہوں نے فرمایا کہ یہ تو اہل سنت کے چہرے ہوں گے

---

[1] مستدرک حاکم (۱: ۹۳) ابوبکر شافعی فی الغیلانیات کما فی فیض القدیر (۳: ۲۴۰) اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث موجود ہیں ملاحظہ ہو مفتاح الجنۃ (ص: ۷، ۸)۔ [2] مفتاح الجنۃ (ص: ۲۵)۔

اور ” وتسود وجوہ “ (اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے) کے متعلق فرمایا کہ یہ اہل بدعت کے چہرے ہوں گے “

جب بھی کسی جماعت یا فرقہ نے حدیث کو قرآن کریم سے الگ کیا کہ قرآن شریف کو مانا حدیث کو نہ مانا وہ گمراہ ہوگیا۔ چنانچہ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں :۔

واللہ ما رغب أحد عن سنة نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم إلا ھلك فعلیکم بالسنة وإیاکم والبدعة وعلیکم بالفقه وإیاکم والشبهة[لہ]	” خدا کی قسم جس نے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے رغبتی کی وہ ہلاک ہوگیا اس لئے تم سنت کو مضبوط پکڑے رہو اور بدعت سے بچتے رہو اور تفقہ حاصل کرو اور شبہات سے بچتے رہو “

تاریخ اس پر شاہد ہے کہ جتنے بھی گمراہ فرقے پیدا ہوئے وہ قرآن کریم اور حدیث شریف میں تفریق کی وجہ سے وجود میں آئے۔ خوارج، معتزلہ، شیعہ و روافض وغیرہ سب اسی زیغ کی بنا پر گمراہ ہوئے۔ یہ دراصل وہی لوگ تھے جن کا مقصد اپنی خواہشات نفسانی کا اتباع کرنا تھا، جو یہ کہا کرتے تھے کہ ” حسبنا کتاب اللہ “ کہ خدا کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے جو اس میں حلال ہو ہم اسے حلال کہیں گے اور جو اس میں حرام ہے ہم اسے حرام جانیں گے۔ بظاہر یہ بڑے اچھے الفاظ معلوم ہوتے ہیں لیکن ان الفاظ کے ذریعہ اسلام کی پابندیوں سے بچنے کی راہ ڈھونڈی جا رہی ہے۔

سوچئے ! اگر یہی بات ہوتی کہ کتاب اللہ کافی تھی تو پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجنے کا مقصد اور فائدہ کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے آیت ” لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ “ میں اپنے جس احسان کا تذکرہ کیا ہے اس کا حاصل کیا ہے۔ ان چاروں آیات بینات میں ” الحکمة “ کا جو لفظ وارد ہے اس کا ذکر خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ میں فرماتے ہیں کہ :۔

ألا إني أوتيت القرآن	” خبردار سن لو ! کہ مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے

[لہ] مفتاح الجنة (ص: ۴۸ و ۴۹)۔

ومثله معه [1]	اور اس کے ساتھ اس کے مثل اور بھی!"

یہاں "ومثلہ" کا لفظ قابل غور ہے، تمام محققین اس پر متفق ہیں کہ "ومثلہ" سے مراد تعلیم نبوی ہے جسے قرآن شریف کی اصطلاح میں حکمت کہتے ہیں اور جیسے قرآن کریم واجب الاتباع اور حجت ہے اسی طرح حدیث بھی واجب الاتباع اور حجت ہے۔ اور جس طرح قرآن مجید مصدرِ تشریع ہے اسی طرح حدیث بھی مصدر تشریع ہے اور آپؐ کی ذات گرامی کو اس تشریع کا اختیار حاصل ہے۔ ارشاد باری ہے:-

يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ [2]	"(وہ رسول) ان کے لئے عمدہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور خبیث وگندی چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔"

مندرجہ ذیل حدیث شریف میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس حقیقت کی تفصیل اس طرح مذکور ہے:-

"ألا إني أوتيت الكتاب ومثله معه، ألا إني أوتيت القرآن ومثله معه، ألا يوشك رجل ينثني شبعانًا على أريكته يقول: عليكم بالقرآن؛ فما وجدتم فيه من حلال فأحلوه، وما وجدتم فيه من حرام فحرموه، ألا لا يحل لكم الحمار الأهلي ولا كل ذي ناب من السباع	"سن لو! مجھے کتاب بھی دی گئی ہے اور اس کتاب کی مثل اور بھی، خبردار سن لو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کی مثل اور بھی، سن لو! وہ زمانہ قریب ہے جب کہ ایک پیٹ بھرا شخص اپنے چھپر کھٹ پر پیر موڑے یہ کہے گا کہ تم صرف قرآن کو دیکھو جو اس میں حلال پاؤ اسے حلال قرار دو اور جو اس میں حرام پاؤ اسے حرام۔ خبردار کان کھول کر سن لو کہ تمہارے لئے گدھے کا گوشت حلال نہیں ہے

---

[1] مسند احمد (۴: ۱۳۱) وغیرہ۔

[2] اس آیت کی تشریح اور آپؐ کے حق تشریع کے متعلق مستقل عنوان قائم کر کے اس کے تحت ہم مزید کچھ اور بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

أَلَا وَ لَا لُقَطَةَ مِن مُعَاهِدٍ إِلَّا أَن يَستَغنِي عَنهَا صَاحِبُهَا » الحدیث ۔

اور نہ کچلیوں سے ہر چیرنے پھاڑنے والے درندہ کا ، اور اسی طرح ان لوگوں کا لقطہ (گری ہوئی چیز) جن سے معاہدہ ہو حلال نہیں، مگر یہ کہ (وہ ایسی معمولی چیز ہو کہ) اس کا مالک اس سے مستغنی ہو (اس کو اس کی ضرورت نہ ہو)

اور دوسری روایت میں صاف الفاظ میں وارد ہے :-

« أَلَا وَ إِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ مِثلُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ » الحدیث[1]

" خبردار سن لو بے شک جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے وہ اسی طرح حرام ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا حرام کیا ہوا "

امام ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وأراد به أنه أُوتي من الوحي غير المتلو والسنن التي لم ينطق القرآن بنصها مثل ما أُوتي من المتلو، قال الله سبحانه وتعالى، « وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ » فالكتاب هو القرآن ، والحكمة قيل هي السنة ، أو أُوتي مثله من بيانه فإن بيان الكتاب إلى الرسول صلى الله عليه وسلم[2]

" مثلہ معہ " سے مقصد یہ ہے کہ آپ کو وہ وحی غیر متلو اور سنت و حدیث دی گئی ہے جو صراحۃً قرآن کریم میں مذکور نہیں ہے جس طرح کہ وحی متلو آپ کو دی گئی ، اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں " اور ان کو تعلیم دیتا ہے کتاب اور حکمت کی " کتاب سے قرآن کریم مراد ہے اور حکمت سے سنت نبوی ، یا مقصد یہ ہے کہ کتاب کی طرح اس کتاب کی تفصیل و تشریح آپ کو دی گئی ہو اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب اللہ کی تشریح

---

[1] مسند احمد (۴: ۱۳۱ و ۱۳۲) سنن دارمی (ص ۷۶) سنن ابی داؤد (۲: ۶۳۲) سنن ترمذی و سنن ابن ماجہ و مستدرک حاکم وغیرہ میں الفاظ کے معمولی سے تغیر کے ساتھ یہ روایات منقول ہیں۔

[2] شرح السنہ (۱: ۲۰۱ و ۲۰۲) ۔

کا علم دیا گیا ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ خود قرآن کریم کی نص صریح سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و تقریرات حجت شرعیہ ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن کریم اولاً اور بالذات مصدر تشریع ہے اور حدیث نبوی ثانوی حیثیت میں۔ اس لئے کہ سنت قرآن کریم کے مجملات کو بیان کرتی ہے اور ان چیزوں کو ہمارے سامنے لاتی ہے جو قرآن شریف سے مستفاد تو ہیں لیکن بظاہر ہمیں ان کا علم نہیں ہوتا۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بعض فرائض تو ایسے عائد کئے ہیں جن کو کتاب اللہ میں مفصل بیان کر دیا ہے اور بعض فرائض ایسے بھی ہیں جو قرآن کریم میں مجمل بیان ہوئے ہیں اور اس کی تفصیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول یا عمل سے کی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن کریم نازل ہوتا تو آپؐ نزول وحی کے ساتھ ساتھ اس کو یاد کرنے کی کوشش فرماتے، جس کی بنا پر سخت دقت پیش آتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:-

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا نزل جبرئيل بالوحي وكان مما يحرك به لسانه وشفتيه فيشتد عليه وكان يعرف منه فأنزل الله الآية التي في "لا أقسم بيوم القيمة" "لا تحرك به لسانك لتعجل به، إن علينا جمعه وقرآنه" قال: علينا أن نجمعه في صدرك وقرآنه، فإذا قرأناه، فإذا أنزلناه

"جب حضرت جبرئیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے کر نازل ہوتے تو آپ (اس کو یاد رکھنے کی غرض سے) اپنی زبان و لب مبارک کو بھی ساتھ ساتھ ہلاتے جاتے لیکن ایسا کرنے میں آپ کو بڑی دشواری ہوتی (کہ سنیں یا یاد کریں) اور آپ کی یہ حالت معروف تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جو سورۂ قیامہ میں ہے کہ "اپنی زبان کو حرکت نہ دیجئے تاکہ آپ جلدی کریں، ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کرنا اور اس کا

فاستمع، ثم إن علينا بيانه
علينا أن نبينه بلسانك [1]

"پڑھانا" یعنی اس کا آپ کے سینہ میں محفوظ کردینا اور آپ سے صحیح پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے۔ اس لئے جب ہم پڑھیں یعنی وحی نازل کریں تو آپ اُسے سنتے رہیں" "پھر ہمارے ذمہ ہے اس کا بیان کرنا بھی" یعنی آپ کی زبان سے ہم اس کو بیان کرائیں گے۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف کا بیان یعنی سنت بھی من جانب اللہ ہے، چنانچہ سورہ نسا کی آیت ذیل اس پر شاہد ہے:۔

وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ
وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ
تَعْلَمُ، وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ
عَظِيمًا [2]

"اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی اور آپ کو وہ کچھ سکھلایا جو آپ کو معلوم نہ تھا، اور اللہ کا آپ پر بہت بڑا فضل ہے۔"

اس آیت میں صاف طور پر تصریح ہے کہ حکمت (یعنی سنت) بھی مُنَزَّل مِنَ اللہ ہے، اور "علمك ما لم تكن تعلم" کے تحت وہ تمام علم نبوی آگیا جو آپؐ کے شایانِ شان تھا، غرض اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی اور آپ نے امت کو۔ امام اوزاعیؒ اس سلسلہ میں حضرت حسان بن عطیہ سے نقل کرتے ہیں:۔

كان جبريل ينزل على النبي
صلى الله عليه وسلم بالسنة
كما ينزل عليه بالقرآن [3]

"حضرت جبرئیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سنت (حدیث) لیکر اسی طرح آتے تھے جس طرح قرآن کریم لیکر آتے تھے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات اور ہر فعل خدائے پاک کی مرضی کے عین

---

[1] صحیح بخاری (۲ : ۷۳۴)۔

[2] النساء : ۱۱۳

[3] سنن دارمی، باب السنة قاضية على الكتاب (ص ۷۷)۔

طابق ہوا کرتا تھا۔ اور عبادات ہوں یا معاملات، اوامر ہوں یا نواہی ہر چیز میں آپ ترجمانِ ق تھے۔ ایک مرتبہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ بعض لوگوں دلوں میں کچھ خام خیالات گردش کرنے لگے آپ نے ان کی خام خیالی کو محسوس کیا تو فوراً یہ کہہ کر اس کا تدارک فرمایا :۔

ما أعطيكم ولا أمنعكم إنما أنا قاسم أضع حيث أمرت[1]

"میں نہ خود سے تمہیں دیتا ہوں اور نہ خود سے تم سے کچھ روکتا ہوں، میں تو تقسیم کرنے والا ہوں (ہر چیز) اور میں رکھتا ہوں جہاں رکھنے کا مجھے حکم دیا جاتا ہے۔"

اس حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت شریفہ "ان اتبع الا ما حی الیّ" کی اپنے الفاظ میں تشریح کردی اور ان کو سمجھا دیا کہ میرا ہر کام اسی طرح ہوتا ہے، طرح مجھے خدا کا حکم ملتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حدیث وسنت حجۃ مستقلہ ہے۔

ابھی ہم نے یہ ذکر کیا تھا کہ بعض فرائض اللہ تعالےٰ نے مجمل ذکر کئے ہیں اور حضور صلی اللہ لیہ وسلم نے اس کی تشریح کی ہے مثلاً نماز کے متعلق حکم نازل فرمایا :۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا[2]

"بے شک نماز مسلمانوں پر اپنے مقررہ وقتوں پر فرض ہے۔"

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا :۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ[3]

"اور نماز کو قائم کرو"

روزہ رکھنے کا حکم اس طرح دیا :۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ

"اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسے کہ تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض

---

[1] صحیح بخاری (۱: ۴۳۹)۔

[2] النساء : ۱۰۳

[3] البقرہ : ۴۳

مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ[1]	کیا گیا تھا تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

حج کی فرضیت کے بارے میں ارشاد ہے:۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا[2]	اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس کے گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی۔

* * * *

زکاۃ کا حکم ان الفاظ میں دیا:۔

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ[3]	اور زکوۃ دو۔

یہ بنیادی احکام و فرائض ہیں لیکن قرآن شریف میں ان کا تذکرہ اجمالاً کیا گیا ہے جسے بڑے سے بڑا عربی دان اور ماہر مدقق اور عمیق النظر مفکر بھی اس وقت تک نہیں سمجھ سکتا جب تک کہ اس کی تشریح وہ ذات عالی نہ کرے جسے حکمت عطا کی گئی تھی اور جوامع الکلم سے نوازا گیا تھا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حجیّت حدیث کی عقلی دلیل

علاوہ ازیں ایک معلم اور استاد جس چیز کا درس دیتا ہے اس کو اپنے الفاظ میں سمجھاتا ہے اس کی تشریح کرتا ہے تاکہ سامعین اس کو سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہو سکیں ورنہ اگر معلم بھی وہی پڑھ کر سنا دے جو اصل کتاب میں لکھا ہے تو اس معلم کی تعلیم کا کوئی فائدہ نہ ہوا، اس لئے عقل بھی اس بات کی مقتضی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی مشکلات کو اپنے الفاظ میں سمجھائیں اور لوگ ان کو آسانی سے سمجھ لیں اور اس پر عمل کرنے لگیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے مجمل احکام کی اپنے قول و عمل سے اس طرح تشریح کی جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں القاء فرمایا تھا، ارشاد ہے:۔

---

[1] البقرہ : ۱۸۳

[2] آل عمران : ۹۷

[3] البقرہ : ۴۳

إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۱؎ | میں تو اسی کا اتباع کرتا ہوں جس کی مجھے وحی بھیجی جاتی ہے۔

اور اسی کا نام تعلیم کتاب ہے۔

قرآنی مجملات کی تفصیل

نماز کے حکم کے ضمن میں آپ نے نماز کے تمام فرائض و واجبات، سنن و مستحبات، نواقض وغیر نواقض سے امت کو آگاہ کیا، اب اگر اس طرح نماز نہ پڑھی جائے جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کیا کرتے تھے اور اس سلسلہ میں سنت نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کو نظر انداز کر دیا جائے تو قرآن کریم پر عمل کرنا صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن اور محال ہو جائے گا، اس لئے کہ قرآن شریف میں صرف اتنا حکم ہے کہ قائم کرو، نماز کسے کہتے ہیں؟ نماز کا طریقہ کیا ہے؟ اگر اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول و فعل و عمل سے نہ سمجھاتے تو کون سمجھتا، صرف فرضیت نماز کا علم تو کتاب اللہ سے ہو گیا لیکن نماز کے اوقات کی تفصیل، رکعات کی تعداد کی تعیین، قراءۃ قرآن کی مقدار، اس کے نواقض وغیرہ کی تشریح یہ سب چیزیں احادیث نبویہ ہی سے ثابت ہیں، نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے صرف زبانی تعلیم پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ عملاً بھی ان کو نماز کی تعلیم دی اور ارشاد فرمایا:

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي ۲؎ | "جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح تم بھی نماز پڑھو۔"

آپ نے اس لئے کہا تاکہ امت کے لئے اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔

اسی طرح زکاۃ کا حکم قرآن مجید میں اجمالاً دیا گیا ہے اس کی فرضیت تو قرآن کریم سے ثابت ہے لیکن زکاۃ کسے کہتے ہیں؟ اور کس مال پر کتنی زکاۃ واجب ہوتی ہے؟ اور کب واجب ہوتی ہے؟ یہ تمام تفصیلات آپ کو سنت و احادیث نبویہ سے معلوم ہوں گی جن میں آپ نے یہ بتلا دیا

۱؎ الاحقاف: ۹

۲؎ بخاری (۱: ۸۸) و (۲: ۸۸۸) [illegible] مسند احمد (۵: ۵۳) وغیرہ۔

کہ زکاۃ اس وقت تک واجب نہیں ہوتی جب تک کہ مال نامی نصاب تک نہ پہونچ جائے پھر اس میں بھی حولان حول شرط ہے یعنی سال گذرنے کے بعد زکوۃ واجب ہوگی ۔

اسی طرح قرآن کریم میں حکم ہے :-

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ [1]	”کھیتی کا حق اس کے کٹنے کے دن ادا کرو“

اب اس کھیتی کا حق کیا ہے ہم منکرین حدیث سے سوال کرتے ہیں کہ بتلایئے آخر کھیتی کا کیا حق ادا کیا جائے گا ۔ زمین کی مختلف قسموں میں کھیتی کا حق کس حساب سے ادا کیا جائے گا ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے ۔ اس کی تفصیل لسان نبوت سے نکلے ہوئے جواہر پاروں کو قبول کئے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام تفاصیل بتلائیں کہ اگر زمین نہری ہے تو اس کے لئے یہ حکم ہے اور اگر بارانی ہے تو اس کے لئے یہ حکم ہے ۔

اسی طرح قرآن کریم میں حج کا حکم اجمالاً ہے چنانچہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے ، اس کی تفصیل کہ حج کن تاریخوں میں ہوگا ، حج کے وجوب کے لئے کیا شرائط ہیں ؟ اور حج میں کیا کرنا پڑتا ہے ؟ اور حج کن چیزوں سے فاسد ہو جاتا ہے ؟ یہ تمام تفاصیل آپ کو احادیث ہی سے معلوم ہوں گی ، اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل وعمل ہی سے حج کا طریقہ معلوم ہوگا چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حج کر کے دکھلایا اور پھر اعلان فرمایا کہ :-

خذوا عنی مناسککم [2]	”مجھ سے حج کے احکام سیکھ لو“

ایک صحابی نے حج کے بارے میں آپؐ سے سوال کیا کہ حج عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے یا متعدد بار ؟ آپؐ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ۔ حالانکہ قرآن کریم میں یہ موجود نہیں ہے ۔ چنانچہ علامہ دارمی المتوفی ۲۵۵ھ اپنی کتاب میں بسند متصل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں :-

عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :	”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

[1] الانعام : ۱۴۱

[2] مسند ا[illegible] ۳۱۸ و ۳۶۶) نسائی (۲: ۴۹) وغیرہ ۔

«كتب عليكم الحج» فقيل: يا رسول الله في كل عام؟ قال: «لا، ولو قلتها لوجبت، الحج مرةً فما زاد فهو تطوع» [1]

کہ: تم پر حج فرض کیا گیا ہے، حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا ہر سال (حج کرنا) فرض ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: نہیں، اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج کرنا ہر سال فرض ہو جاتا، حج ایک مرتبہ کرنا فرض ہے اور جو اس سے زیادہ حج کرے تو وہ نفل ہوگا۔"

اسی طرح قرآن کریم میں روزہ رکھنے کا حکم۔ چنانچہ اجمالاً اس کی فرضیت تو قرآن کریم سے ثابت ہو گئی لیکن دیگر تمام تفصیلات احادیث نبویہ ہی میں ملیں گی۔

غرض حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین مبارکہ اور اقوال و افعال کو مانے بغیر قرآن شریف کا سمجھنا اور اس پر عمل پیرا ہونا ناممکن ہے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور اتباع نہ کی جائے نجات اخروی اور فلاح ناممکن ہے ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے کامل نمونہ اور مقتداء و مطاع ہیں جس کی تفصیل شروع میں گذر چکی ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام قرار دیا، فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ [2]

"اے ایمان والو! یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانسے سب گندے کام ہیں شیطان کے، سو ان سے بچتے رہو تاکہ نجات پاؤ۔"

* * *

---

[1] مسند دارمی (ص ۲۲۶) مسند احمد (۲ : ۲۵۵ و ۲۹۱) اس کے علاوہ اور بھی بہت سی جگہ، اسی طرح یہ مسئلہ حضرت علیؓ سے بھی منقول ہے ملاحظہ ہو مسند احمد (۱ : ۱۱۳) ترمذی (۲ : ۱۰۰) وغیرہ۔

[2] المائدہ : ۹۰

یہاں پر ظاہر ہے بظاہر صرف شراب ہی حرام معلوم ہوتی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

کل مسکر حرام [۱]	"ہر نشہ آور چیز حرام ہے"

جس سے یہ ثابت ہوا کہ ہر وہ چیز جو مُسکِر ہو اس کا استعمال حرام ہے۔

اسی طرح آیت "اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ وَالدَّمَ" [۲] سے مردار اور خون کی حرمت ثابت ہوئی اور بظاہر اس میں تمام قسم کے خون اور سب انواع میتہ داخل ہیں لیکن حدیث میں آتا ہے کہ :-

اُحلّت لنا میتتان ودمان امّا المیتتان فالحوت والجراد وامّا الدمان فالکبد و الطحال [۳]	"ہمارے لئے دو قسم کے مردار اور دو قسم کے خون حلال کئے گئے ہیں ، مردار میں ٹڈی اور مچھلی کو اور خون میں جگر اور تلی کو"

یہ ہیں احادیث مبارکہ اور آپ کے فرامین مبارک جنہیں قرآن کریم نے "الحکمۃ" سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن پاک بھی اگرچہ از اول تا آخر حکمت سے بھرپور ہے لیکن چونکہ حکمت کو ان آیات میں حرف عطف "واو" کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور قاعدہ یہ ہے (جیسے کہ ہم ذکر کر چکے ہیں) کہ حرف عطف جب لاتے ہیں تو وہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت کا تقاضا کرتا ہے۔ اس لئے یہاں پر حکمت سے یقیناً قرآن کریم کے علاوہ دوسری چیز مراد ہے جو سنت رسول ہی ہے کیونکہ قرآن کریم کے بعد اس کے سوا اور کس چیز کو آپ حکمت قرار دے سکتے ہیں؟ امام شافعیؒ لکھتے ہیں :-

کل ما سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مما لیس فیہ کتاب	"تمام وہ چیزیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع فرمایا اور وہ کتاب اللہ

---

[۱] صحیح بخاری کتاب المغازی (۲: ۶۲۲) والادب (۲: ۹۰۳) والاحکام (۲: ۱۰۶۳) وصحیح مسلم کتاب الاشربہ (۲: ۱۶۷) وابوداؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ ومسند احمد وغیرہ۔ [۲] سورۃ البقرہ - ۱۷۳

[۳] مسند احمد (۲: ۹۷) ابن ماجہ ص ۲۳۸)

وفیما کتبنا فی کتابنا ھذا من ذکر ما منّ اللّٰہ بہ علی العباد من تعلم الکتاب والحمکۃ دلیل علی أن الحکمۃ سنۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم [۱]

میں مذکور نہیں (اور جو کچھ اپنی اس کتاب میں یہ بحث کر چکے ہیں کہ اللہ نے بندوں پر کتاب اور حکمت کے سیکھنے میں کیا احسان فرمایا ہے) یہ سب اس بات پر صاف دلیل ہیں کہ حکمت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی ہے۔

* * *

سابقہ ذکر کردہ چار آیتوں کے علاوہ بھی اور کئی آیات میں حکمت کا لفظ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے استعمال ہوا ہے، ملاحظہ فرمائیے، ارشاد ربانی ہے:۔

۵۔ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا [۲]

”اور اللہ نے آپ پر اتاری کتاب اور حکمت اور آپ کو سکھائیں وہ باتیں جو نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا فضل بہت بڑا ہے“

اور ارشاد فرمایا:۔

۶۔ وَلَا تَتَّخِذُوْا اٰيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَا اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ [۳]

”اور مت ٹھیراؤ اللہ کے احکام کو ہنسی (دل لگی) اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے اور اس کو جو اتاری تم پر کتاب اور حکمت کہ تم کو نصیحت کرتا ہے اس کے ساتھ“

اور فرمایا:۔

۷۔ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ

”اور یاد کرو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں

---

[۱] الرسالۃ للشافعی (ص:۳۲)۔

[۲] النساء : ۱۱۳

[۳] البقرہ : ۲۳۱

مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ [1]	میں اللہ کی باتیں اور حکمت کی۔“

چھٹی آیت کے ضمن میں علامہ بیضاوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

الکتاب والحکمة القرآن و السنة أفردهما بالذکر إظهاراً لشرفهما [2]	”کتاب اور حکمت سے مراد قرآن وسنت ہیں ان دونوں کو الگ الگ ذکر کیا تاکہ ان کے مرتبہ وشرف کا اظہار ہو جائے۔“

ان آیات میں حکمت سے مراد حدیث ہی ہے چنانچہ امام شافعیؒ کتاب ”الأم“ میں ایک منکرِ حدیث سے اپنا مکالمہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے سامنے آیت کریمہ ”هو الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ“ الآیة کو حدیث کی حجیت کے سلسلہ میں پیش کیا تو وہ کہنے لگا :۔

فقد علمنا أن الکتاب کتاب الله فما الحکمة ؟	”ہم نے یہ تو جان لیا کہ الکتاب سے کتاب اللہ مراد ہے لیکن یہ بتلایئے کہ حکمت کیا مراد ہے؟
قلتُ : سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم .	(امام شافعی فرماتے ہیں) میں نے کہا کہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مراد ہے۔
قال : أفیحتمل أن یکون یعلمهم الکتاب جملة والحکمة خاصة وهی أحکامه ؟	اس نے کہا کیا یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ آپؐ کتاب اللہ کی اجمالی اور حکمت یعنی احکام کی خصوصی طور پر تعلیم دیتے ہوں۔
قلت : تعنی بأن یبین لهم عن الله عز وجل مثل ما بین لهم فی جملة الفرائض من الصلاة والزکوة والحج وغیرها فیکون الله قد أحکم	میں نے جواب دیا : تمہارا مقصد یہ ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے اللہ جل شانہٗ کی جانب سے اسی طرح کھول کر بتلائیں جس طرح آپ نے ان کے سامنے فرائض نماز زکاۃ اور حج وغیرہ کو اجمالاً بیان کیا ہے تو اس

---

[1] الاحزاب : ٣٤

[2] تفسیر بیضاوی (ص : ١٥٢)۔

فرائض من فرائضه بكتابه وبين لهم كيف هي على لسان نبيه صلى الله عليه وسلم،

قال: إنه ليحتمل ذلك.

قلت: فإن ذهبت هذا المذهب فهي في معنى الأول قبله الذي لا تصل إليه إلا بخبر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم.

قال: فإن ذهبت مذهب تكرير الكلام؟

قلت: و أيهم أولى به إذا ذكر الكتاب والحكمة أن يكونا شيئين أو شيئاً واحداً.

قال: يحتمل أن يكونا كما وصفت كتابا وسنة فيكونا شيئين ويحتمل أن يكون شيئاً واحداً.

قلت: فأظهرهما أولاهما وفي القرآن دلالة على ما قلنا وخلاف ما ذهبت إليه.

قال: وأين؟

صورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض فرائض کو اپنی کتاب کے ذریعہ محکم بنایا اور اس کی کیفیت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بیان کرایا۔

اس نے کہا، ہاں اس کا احتمال تو ہے۔

میں نے کہا: اگر تم اس بات کو مانتے ہو تو یہ تو وہی سابقہ پہلی بات ہوئی جس تک بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر دیے کسی طرح تمہاری رسائی نہیں ہو سکتی۔

اس نے کہا: اگر میں عطف کو تاکید کے لئے مانوں تو؟

میں نے کہا: جب کتاب اور حکمت دونوں کو علیحدہ علیحدہ ذکر کیا جائے تو تمہارے خیال میں کیا چیز زیادہ مناسب ہوگی آیا یہ کہ ان سے دو مستقل چیزیں مراد لی جائیں یا یہ ایک ہی چیز ہو؟

اس نے کہا: جیسا آپ نے فرمایا وہ بھی ہو سکتا ہے کہ کتاب و سنت دونوں مراد ہوں تو اس وقت وہ دو مستقل چیزیں ہو جائیں گی، اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ دونوں ایک ہی ہوں۔

میں نے کہا: ان دونوں احتمالات میں جو زیادہ ظاہر ہے اس کا ماننا اولیٰ ہے نیز قرآن کریم

قلت، قول الله عز وجل:

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا﴾ فأخبر أنه يُتلى في بيوتهن شيئان.

قال: فهذا القرآن يتلى فكيف تتلى الحكمة؟

قلت: إنما معنى التلاوة أن ينطق بالقرآن والسنة كما ينطق بها.

قال: فهذه أبين في أن الحكمة غير القرآن.

میں تمہارے خلاف میری تائید میں دلیل بھی موجود ہے۔

اس نے کہا: وہ کہاں ہے؟

میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ (ازواج مطہرات کو خطاب کرتے ہوئے) فرماتے ہیں: "اور یاد کرو اس (قرآن) کو جو تمہارے گھروں میں پڑھا جاتا ہے اور حکمت کو، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی مہربان باخبر ہے" اس آیت میں بتلا دیا کہ ان کے گھر میں دو چیزوں کی تلاوت کی جاتی تھی۔

اس نے کہا: یہ قرآن تو تلاوت کیا ہی جاتا ہے (یہ بتلایئے کہ حکمت کی تلاوت کیونکر ہوتی ہے؟

میں نے کہا: تلاوت کے معنی یہ ہیں کہ قرآن اور سنت کو اسی طرح پڑھا جائے جس طرح ان کو پڑھا جاتا ہے۔

اس نے کہا کہ پھر تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حکمت قرآن کے علاوہ ہی ہے"۔

اور پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں:-

قال: ما من شيء أولى بنا أن نقوله في الحكمة من أنها سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم[1]

"آخر وہ اس بات کا قائل ہو گیا کہ حکمت کی تفسیر میں ہمارے لئے اس سے زیادہ بہتر کوئی بات نہیں کہ ہم اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کہیں"۔

---

[1] کتاب الأم (۷ : ۲۵۱)۔

اسی طرح امام شافعیؒ اپنی ایک اور کتاب میں اُن آیتوں کو جن میں لفظ "حکمت" مذکور ہے، کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان میں :-

فذكر الله الكتاب وهو القرآن وذكر الحكمة فسمعت من أرضى من أهل العلم بالقرآن يقول: الحكمة سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم.

"اللہ تعالیٰ نے کتاب کا ذکر فرمایا جو قرآن کریم ہے، اور "الحکمۃ" کا ذکر کیا جس کے بارے میں مَیں نے قرآن کریم کے ان علماء سے جنہیں مَیں پسند کرتا ہوں، یہ فرماتے سُنا کہ حکمت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔"

* * *

اس کے بعد اس کی دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

لأن القرآن ذكر واتبعته الحكمة وذكر الله منّه على خلقه بتعليمهم الكتاب والحكمة؛ فلم يجز ـ والله أعلم ـ أن يقال الحكمة ههنا إلا سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم.

"اس لئے کہ قرآن کریم کے بعد اس کے ساتھ ہی متصل حکمت کو ذکر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر اپنے احسان کا تذکرہ کیا کہ انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دی؛ اس لئے یہاں پر اس کے سوا جائز نہیں (واللہ اعلم) کہ یہ کہا جائے کہ یہاں حکمت سے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہے۔"

* * *

بعد ازیں اس کی دلیل پیش کرتے ہیں کہ سنت رسول ہی کیوں مراد ہے :-

وذلك أنها مقرونة مع كتاب الله وأن الله افترض طاعة رسوله وحتم على الناس اتباع أمره فلا يجوز أن يقال لقول فرض إلا لكتاب الله

"اور یہ اس لئے کہ حکمت کتاب اللہ کے ساتھ متصل مذکور ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے اور لوگوں پر ان کے حکموں کی اتباع کو واجب کیا ہے لہذا بغیر کتاب اللہ اور

ثم سنة رسوله [1]

سنت رسول اللہ کے کسی قول کو فرض کہنا درست نہیں "

پھر چند صفحات بعد لکھتے ہیں :-

ومنهم من قال: ألقي في روعه كل ما سنّ وسنته الحكمة التي ألقي في روعه عن الله فكان ما ألقي في روعه سنته

" اور ان میں سے بعض نے یہ کہا کہ تمام چیزیں جو آپ نے بیان کی ہیں ان کا القاء اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کے قلب مبارک میں کر دیا گیا تھا اور آپ کی سنت ہی وہ حکمت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے قلب مبارک میں القاء کی گئی تھی، لہذا جو چیز بھی آپ کے قلب مبارک میں القاء کی گئی وہ آپ کی سنت ٹھیری "

پھر اس " القاء ربانی " کے ثبوت میں امام ممدوح نے حسب ذیل حدیث بسند روایت کی ہے :-

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الروح الأمين قد ألقي في روعي أنه لن تموت نفس حتى تستوفي رزقها فأجملوا في الطلب [2]

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روح الامین نے میرے دل میں یہ القاء کیا ہے کہ کوئی ذی نفس اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ اپنا رزق پورا نہ کرلے اس لئے (رزق کے) طلب کرنے میں خوبی سے کام لو "

٭ ٭ ٭ ٭

اس کے بعد امام شافعیؒ لکھتے ہیں :-

---

[1] الرسالة (ص: ۷۸)۔

[2] الرسالة (ص: ۹۳) کتاب الرسالة کے شارح علامہ احمد محمد شاکر نے اس حدیث کے طرق ومتون کو تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو (ص: ۹۳ تا ۹۵)۔

فكان مما ألقى فى روعه سنته وهى الحكمة التى ذكر الله [1]

"لہٰذا جو کچھ آپ کے دل میں ڈالا گیا وہ آپ کی سنت ہے اور یہی وہ حکمت ہے جس کا اللہ جل شانہ نے تذکرہ فرمایا ہے۔"

* * *

اور کتاب "الأم" میں رقمطراز ہیں کہ :-

وقد قيل ما لم يتل قرآنا فإنما ألقاه جبرئيل فى روعه بأمر الله فكان وحيا إليه، وقيل جعل الله إليه لما شهد له به من أنه يهدى إلى صراط مستقيم أن يسن وأيهما كان فقد ألزمهما الله تعالى خلقه ولم يجعل لهم الخيرة من أمرهم فيما سن لهم وفرض عليهم اتباع سنته [2]

"اور بیشک یہ کہا گیا ہے کہ جس چیز کی قرآن کی حیثیت سے تلاوت نہیں کی گئی اور اس کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ کے حکم سے آپ کے قلب مبارک میں القاء فرمایا تو اس چیز کی بھی آپ کی طرف وحی ہوئی، اور یہ بھی کہا گیا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے یہ شہادت دی ہو کہ آپ سیدھے راستہ کی طرف ہی رہنمائی کرتے ہیں اس لئے آپکو یہ حق دیا ہو کہ آپ (کسی چیز کو) سنت قرار دیں، اور دونوں صورتوں میں سے جو بھی صورت ہو اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر دونوں صورتوں کی اتباع کو لازم کر دیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم دیں یا جو سنت قرار دیں اس کے بعد کسی کو کوئی اختیار باقی نہیں رہتا اور اللہ تعالےٰ نے بندوں پر آپ کی سنت کی اتباع فرض کر دی ہے۔"

* * *

نیز سابقہ صفحات میں "وحی خفی کی حجیت اور اس کا اثبات" کے عنوان کے تحت ہم حافظ ابن القیمؒ سے نقل کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دو قسم کی وحی نازل

---

[1] الرسالۃ (ص ۱۰۳)۔

[2] الأم (۷: ۲۷۱)۔

فرمائی اور ان دونوں کی اطاعت کو لازم کردی جنہیں کتاب اور حکمت کہا جاتا ہے اور حکمت سے باتفاق سلف سنت و احادیث ہی مراد ہیں جن پر ایمان لانا اور تصدیق کرنا تمام اہل اسلام کے یہاں متفقہ مسئلہ ہے [1]

اس تفصیلی بحث سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ ان آیات میں حکمت کے لفظ سے سنت نبویہ ہی مراد ہے۔ اب سنت کی اہمیت کے متعلق چند اکابر علماء متقدمین کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

علامہ خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ حضرت ابو ایوب سختیانیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ جب تم کسی شخص کے سامنے سنت بیان کرو اور وہ یہ کہے کہ اسے چھوڑو ہمیں تو قرآن سے بتلاؤ تو تم جان لو کہ وہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے [2] اس کی وجہ یہی ہے کہ قرآن کریم متن ہے اور حدیث اس کی تفسیر و شرح لہٰذا جب تک قرآن کریم کے ساتھ حدیث کو نہ ملایا جائے گا قرآن مجید سمجھ میں نہیں آسکتا، ظاہر ہے کہ متن بلا شرح کے کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن مہدیؒ فرماتے ہیں:-

الرجل إلى الحديث أحوج منه إلى الأكل والشراب [3] قال: الحديث تفسير القرآن	"وہ آدمی کھانے پینے سے زیادہ حدیث کا محتاج ہے"، اور فرمایا کہ: حدیث قرآن کریم کی تفسیر ہے"

حضرت مکحول شامیؒ نے فرمایا:-

القرآن أحوج إلى السنة من السنة إلى القرآن [4]	"سنت قرآن کی اتنی محتاج نہیں جتنا خود قرآن سنت کا محتاج ہے"

---

[1] کتاب الروح (ص:۱۹۲)۔

[2] معرفۃ علوم الحدیث للحاکم (ص:۶۵) الکفایہ (ص:۱۶)۔

[3] الکفایہ فی علم الروایۃ (ص:۱۲)۔

[4] الکفایہ (ص:۱۳)۔

اگر قرآن کریم سنت نبوی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح کا محتاج نہ ہو بلکہ ود کافی اور مستغنی ہو تو پھر آیت « وَ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ » طلب ہوگا، اس لئے ہمارا حدیث وسنت سے استدلال کرنا اور اس پر عمل کرنا بعینہٖ اللہ (قرآن مجید) پر عمل کرنے کے مرادف ہے، اسی لئے جب مطرف بن عبداللہ سے کہا ہمارے سامنے صرف قرآن کریم ہی بیان کیجئے تو انہوں نے فرمایا :-

واللہ ما نرید بالقرآن بدلاً ولکن نرید من ھو أعلم بالقرآن منا ۱؎	"خدا کی قسم ہم قرآن کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں چاہتے ہاں ہم تو ان کو چاہتے ہیں جو قرآن کریم ہم سب سے زیادہ سمجھنے والے

تھے۔ (اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی)

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر جب سوا لاکھ صحابہ کرام کے خطاب فرمایا، ان کو نصیحتیں کیں اور احکام بیان فرمائے تو ساتھ ہی ان کو ہدایت کی کہ :-

ألا فلیبلغ الشاھد منکم الغائب فرب مبلغ أوعی من سامع ۔۲؎	"خبردار سن لو کہ جو تم میں سے یہاں حاضر ہیں وہ ان لوگوں کو یہ باتیں پہنچا دیں جو یہاں حاضر نہیں ہیں اس لئے کہ بہت سے (بعد میں)

سننے والے ہو سکتا ہے کہ اس وقت کے سننے والوں سے زیادہ حفاظت کرنے والے ہوں۔"

چنانچہ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں :-

ولولا ثبوت الحجۃ بالسنۃ لما قال صلی اللہ علیہ وسلم	"اگر سنت سے حجت ثابت نہ ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبہ میں حاضرین

الموافقات للشافعی (۴: ۲۶)۔

مسند احمد (۴: ۳۱، ۳۲) و (۵: ۴ و ۵ و ۳۷ و ۳۹ و ۴۱) وغیرہ، و (۶: ۳۸۵ و ۴۵۶) سنن دارمی

۱) صحیح بخاری (۱: ۱۶ و ۲۱ و ۲۳۴ و ۲۳۵) و (۲: ۶۱۵ و ۶۳۴ و ۸ و ۱۰۴۸) صحیح مسلم (۲: ۶۰ و ۶۱) جامع ترمذی (۱: ۱۰۱) وغیرہ

فی خطبته بعد تعلیم من شعده من أمر دینهم: «ألا فلیبلغ الشاهد منکم الغائب فرب مبلغ أوعی من سامع»

کو دینی احکام سے آگاہ کرنے کے بعد یہ فرماتے کہ تم میں سے جو حاضر ہے وہ غائب کو یہ احکام پہونچا دے کیونکہ بہت سے وہ لوگ جنہیں حدیث پہنچائی گئی اس سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں"۔

پھر اس کے بعد امام بیہقیؒ نے یہ حدیث پیش کر کے کہ:

نضر الله امرأ سمع منا حدیثا فأداه کما سمعه فرب مبلغ أوعی من سامع[1]

"اللہ تعالیٰ خوش و خرم رکھے اس شخص کو جو ہم سے کوئی بات سنے اور پھر اس کو اسی طرح پہونچا دے جس طرح اس نے سنا تھا کیونکہ بہت سے وہ لوگ جن تک حدیث پہونچی اس وقت کے سننے والے سے زیادہ اس کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں"۔

اس کے بارے میں تصریح بھی کی ہے کہ یہ متواتر ہے[2]، اور پھر اس کی شرح امام شافعیؒ کے ان الفاظ میں نقل کی ہے:۔

فلما ندب رسول الله صلی الله علیه وسلم إلی استماع مقالته وحفظها وأدائها دل علی أنه لا یأمر أن یؤدی عنه إلا ما تقوم به الحجة علی من یؤدی إلیه، لأنه إنما یؤدی عنه حلال یؤتی وحرام یجتنب

"جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اپنی بات سننے، اسے یاد رکھنے اور دوسروں تک اسے پہونچانے کی ترغیب دی تو معلوم ہوا کہ آپ ایسی چیز کے دوسروں تک پہونچانے کا حکم دیتے ہیں جس سے ان لوگوں پر جنہیں بات پہونچے حجت قائم ہو اس لئے کہ آپؐ کا

---

[1] مسند احمد (۱: ۴۳۷) و (۳: ۲۲۵) و (۴: ۸۰ و ۸۲) و (۵: ۱۸۳) سنن دارمی (ص ۴۱ و ۴۲) سنن ابی داود (۲: ۵۱۵)

[2] یاد رہے حدیث متواتر ثبوت کے اعتبار سے قرآن پاک کی طرح قطعی ہوتی ہے قرآن کریم کا ثبوت بھی تواتر ہی سے ہے۔

وحد يقام ، ومال يؤخذ و يعطى ، ونصيحة فى دين و دنيا [1]

پیغام جو دوسروں تک پہونچایا جائے گا وہ یا تو کسی حلال کے کرنے کا ہوگا ، یا کسی حرام سے بچنے کا ، یا کسی حد کے قائم کرنے کے بارے میں ہوگا ۔ یا کسی مال کے لینے دینے کے متعلق ، یا دین ودنیا کے معاملات میں کوئی نصیحت ہوگی "

اسی لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہر آن وہر لحہ یہی کوشش کرتے تھے کہ قرآن وسنتِ پر خود بھی عمل کرتے رہیں اور ان کو دوسروں تک بھی پہونچائیں ، بس یہی فکر ان کو ہر وقت امن گیر رہتی تھی ، ذرا سی فرصت کو بھی وہ اس بارے میں غنیمت جانتے تھے ۔ حضرت ابو ذر فاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ :

لو وضعتم الصمصامة على هذه وأشار إلى قفاه ثم ظننت أنى أنفذ كلمةً سمعتها من النبى صلى الله عليه وسلم قبل أن تجيزوا علىّ لأنفذتها [2]

" اگر تم اس پر تلوار بھی رکھ دو (اپنی گدی کی طرف اشارہ کرکے بتایا) اور پھر مجھے یہ توقع ہو کہ تمہارے میرا فیصلہ کرنے سے پہلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہوئی کوئی بات اپنی زبان سے ادا کرسکتا ہوں تو میں ضرور اس کو ادا کرکے رہوں گا "

اب ہم اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں کہ حکمت سے مراد سنت ہے ، جدید وقدیم مفسرین کی تفاسیر سے چند حوالہ جات ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں ۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں :۔

والصواب من القول عندنا فى الحكمة أنها العلم بأحكام الله التى لا يدرك علمها

حکمت کے بارے میں صحیح قول ہمارے نزدیک یہ ہے کہ حکمت اللہ تعالیٰ کے ان احکام کے جاننے کا نام ہے جن کا علم

---

[1] مفتاح الجنۃ (ص: ۵)۔

[2] صحیح بخاری (۱۶:۱) سنن دارمی (ص: ۳۷)۔

الا ببیان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم والمعرفۃ بما دل علیہ ذلک من نظائرہ[۱]	صرف رسول اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے اور بتلانے سے ہوتا ہے یا اسی قسم کی دلیل سے (جس سے ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء معلوم ہو سکے)۔"

اور پھر ربیع تابعی سے حکمت کی یہ تفسیر نقل فرماتے ہیں :۔

ویعنی بالحکمۃ السنن والفقہ فی الدین[۲]	"اور حکمت سے سنت اور دین کی سمجھ مراد ہے۔"

اور سورۃ آل عمران کی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

ویعنی بالحکمۃ السنۃ النبویۃ التی سنہا اللہ جل ثناءہ للمؤمنین علی لسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبیانہ لہم[۳]	"حکمت سے مراد وہ سنت نبوی ہے جس کا اجراء اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی کرایا اور آپ نے اس کو ان سے بیان فرمایا۔"

علامہ محمود بن عمر زمخشری المتوفی سنہ ۵۳۸ھ لکھتے ہیں :۔

الحکمۃ الشریعۃ وبیان الاحکام[۴]	"حکمت شریعت اور احکام (شرعیہ) کے بیان کرنے کا نام ہے۔"

احکام شرعیہ کا بیان کرنا نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا منصب ہے جیسا کہ آیت کریمہ "لتبین للناس ما نزل الیہم" کے ضمن میں آئندہ آرہا ہے۔ لہذا علامہ زمخشری کی مراد بھی سنت نبویہ ہی ہے۔ چنانچہ سورۃ آل عمران کی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

---

[۱] تفسیر طبری (۱: ۳۳۶)۔

[۲] تفسیر طبری (۲: ۲۲)۔

[۳] تفسیر طبری (۳: ۱۰۸)۔

[۴] تفسیر کشاف (۱: ۱۸۹)۔

ويعلمهم الكتاب والحكمة أى القرآن والسنة [1]	"اور انہیں تعلیم دیتے ہیں کتاب اور حکمت کی یعنی قرآن اور سنت کی۔"

علامہ فخر الدین رازی المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:۔

وأما الحكمة فهى العلم بسائر الشرايعة التى يشتمل القرآن على تفصيلها ولذلك قال الشافعى رحمه الله تعالىٰ الحكمة هى سنة الرسول صلى الله عليه وسلم [2]	"حکمت نام اس تمام شریعت سے واقف ہونے کا جس کی تفصیل پر قرآن حکیم مشتمل ہے اور اسی لئے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حکمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا نام ہے۔"

* * *

علامہ ابو حیان محمد بن یوسف غرناطی المتوفی ۷۴۵ھ حضرت قتادہ سے نقل کرتے ہیں:۔

الحكمة السنة وبيان النبى الشرائع [3]	"حکمت سنت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شریعت کو بیان کرنے کا نام ہے۔"

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:۔

وفى قوله: والحكمة أى السنة تبين ما فى الكتاب من المجمل وتوضح ما أبهم من المشكل وتفصح عن مقادير وعن أعداد	"قرآن حکیم میں "الحکمۃ" جو وارد ہوا ہے (کہ آپ انکو حکمت سکھاتے ہیں) اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کریم میں جو مجمل ہے سنت اس کو بیان کرتی ہے اور جو مشکل و مبہم ہے اس کی وضاحت کرتی ہے اور جس مقدار و شمار

---

[1] تفسیر کشاف (۱: ۴۳۶) سورۂ جمعہ کی تفسیر میں (۴: ۵۳۰) پر بھی یہی الفاظ تحریر فرماتے ہیں۔

[2] تفسیر کبیر (۲: ۵۰)۔

[3] تفسیر البحر المحیط (۱: ۳۹۳)۔

لم يتعرض الكتاب إليه و يثبت أحكاما لم يتضمنها الكتاب[1]

کا کتاب اللہ میں بیان نہیں ہو ان کو بتاتی اور جو احکام قرآن میں مذکور نہیں ہیں ان کو ثابت کرتی ہے۔"

حافظ اسماعیل بن کثیر دمشقیؒ المتوفی سنہ ۷۷۴ھ، لکھتے ہیں:۔

و الحكمة يعنى السنة قاله الحسن و قتادة و مقاتل بن حيان و أبو مالك و غيرهم[2]

" اور "حکمت کی تعلیم دیتے ہیں" یعنی سنت کی، یہی حضرت حسنؒ اور قتادہ اور مقاتل بن حیان اور ابو مالک وغیرہ سے منقول ہے۔"

حکمت کی صحیح تفسیر سنت ہی کیوں ہے؟ اس پر اس دور کے مشہور عالم شیخ احمد مصطفیٰ مراغی نے حسب ذیل روشنی ڈالی ہے:۔

" الحكمة " وهى العلم المقترن بأسرار الأحكام و منافعها الباعث على العمل بها و ذلك أن سنة الرسول العملية و سيرته صلى الله عليه وسلم فى بيته و مع أصحابه فى السلم و الحرب و السفر و الإقامة فى القلة و الكثرة جاءت مفصلة لمجمل القرآن مبينة لمبهمه كاشفة لما فى أحكامه من الأسرار و

"حکمت سے مراد وہ علم ہے جو احکام کے ان اسرار و منافع کے ساتھ ہو، جو اس پر عمل کا باعث ہوں، اور یہ اس لئے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت عملی اور ان کی وہ سیرت جو اپنے گھر میں اور اپنے اصحابؓ کے ساتھ جنگ میں اور امن میں، سفر میں اور حضر میں، تعداد کے کم ہونے میں اور زیادہ ہونے میں سب کی سب قرآن کریم کے مجملات کی تفصیل بن کر سامنے آئی ہے اس کے مبہمات کو بیان کرنے کے لئے اور اس کے احکام میں جو حکمتیں

---

[1] تفسیر البحر المحیط (۱ : ۳۹۳)۔

[2] تفسیر ابن کثیر (۱: ۱۸۴) الدر المنثور (۱: ۱۳۹) تفسیر قرطبی (۲: ۱۳۱) و (۱۸ : ۹۲)۔

المنافع. ولولا هذا الإرشاد العملي لما كان البيان كافياً في انتقال الأمة العربية من طور أشتات والفرقة والعداء والجهل إلى الائتلاف والاتحاد والتآخي والعلم وسياسة الأمم؛ فالنبي صلى الله عليه وسلم وقف أصحابه على فقه الدين ونفذ بهم إلى سره فكانوا حكماء علماء عدولاً أذكياء حتى إن أحدهم كان يحكم المملكة العظيمة ويقيم فيها العدل ويحسن السياسة وهو لم يحفظ من القرآن إلا بعضه لكنه فقهه وعرف أسرار أحكامه[1]

اور منافع ہیں ان کے ظاہر کرنے کے لئے۔ اور اگر یہ عملی رہنمائی نہ ہوتی تو صرف بیان کر دینا اہل عرب کو مختلف جماعتوں اور فرقوں (میں بٹنے) اور جہل وعداوت سے الفت واتحاد اور اخوت کی طرف منتقل کرنے اور علم اور سیاستِ امم کے متعلق تعلیم دینے کے لئے کافی نہ ہوتا، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کرکے دکھا کر اپنے اصحابؓ کو دین کا سمجھنے والا بنا دیا اور اس کے اسرار ان کو بتلائے اس وجہ سے وہ حکیم، عالم، عادل اور سمجھدار شخصیات بن گئے حتیٰ کہ ان میں کا ایک فرد بڑی سے بڑی مملکت کا حاکم ہوتے ہوئے اس میں عدل وانصاف کو قائم کر لیتا تھا اور امور داخلہ کو سنبھالتا اور درست کرتا تھا حالانکہ اس نے قرآن کریم کا کچھ تھوڑا سا حصہ ہی یاد کیا ہوتا تھا لیکن دراصل وہ قرآن کریم سمجھے ہوئے ہوتا تھا اور اس کے احکام کے اسرار سے واقف ہوتا تھا"۔

مذکورہ بالا تمام مفسرین کی تصریحات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہوگئی کہ حکمت سے سنت اور احادیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی مراد ہیں ۔ اور لوگوں پر اس کا اتباع لازم وضروری ہے اور ظاہر ہے کہ اتباع اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ سنت بھی محفوظ ہو ورنہ جو چیز محفوظ ہی نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کے اتباع کا حکم کیونکر دیتا ۔

---

[1] تفسیر مراغی (۲: ۱۹)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت شارح کتاب اللہ

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :۔

وَ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ	” اور اتاری ہم نے تجھ پر یادداشت کہ تو
لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ	کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتری
وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ [1]	ان کے واسطے تاکہ وہ غور کریں “

اس آیت کریمہ میں اللہ جل جلالہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمارہے ہیں کہ ہم نے آپ پر قرآن کریم اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ ان کے لئے اسے کھول کھول کر بیان کر دیں۔ مندرجہ بالا آیت کریمہ میں ” الذکر “ سے قرآن شریف مراد ہے جیسے کہ آیت :۔

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ اَنْزَلْنٰهُ [2]	” اور یہ (ایک) مبارک ذکر ہے جسے ہم نے نازل کیا “

میں ” ذکر “ سے مراد قرآن کریم ہی ہے۔

شانِ قرآن

قرآن کریم وہ کامل وجامع ترین آسمانی کتاب ہے جو تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ اور نچوڑ ہے اور اس میں تمام سابق انبیاء کرام علیہم السلام کے اساسی علوم کو جمع کر دیا گیا ہے اور ساری دنیا کے انسانوں کو خواب غفلت سے بیدار کر کے ان کی کامیابی وکامرانی اور سعادت دائمی کے حصول کا طریقہ بتلایا گیا ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :۔

قال : أما إني سمعت رسول الله	” فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ
صلى الله عليه وسلم يقول : ستكون	علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ : عنقریب

---

[1] النحل : ۴۴

[2] الانبیاء : ۵۰

فتن» قلت، وما المخرج منها؟ قال: «كتاب الله، فيه نبأ ما قبلكم وخبر ما بعدكم، وحكم ما بينكم، هو الفصل ليس بالهزل، هو الذى من تركه من جبار قصمه الله، ومن ابتغى الهدى فى غيره أضله الله، فهو حبل الله المتين، وهو الذكر الحكيم، وهو الصراط المستقيم، وهو الذى لا تزيغ به الأهواء، ولا تلتبس به الألسنة، ولا يشبع منه العلماء، ولا يخلق عن كثرة الرد، ولا تنقضى عجائبه، وهو الذى لم ينته الجن إذ سمعته أن قالوا: «إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا» هو الذى من قال به صدق، ومن حكم به عدل، ومن عمل به أجر، ومن دعا إليه هدى إلى صراط مستقيم [1]

بہت سے فتنے ہوں گے۔ میں نے عرض کیا: اس سے بچنے اور نکلنے کا کیا راستہ ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی کتاب، جس میں تم سے پہلے گذرے ہوئے اور آئندہ آنے والوں کی خبریں ہیں، اور موجودہ کے لئے احکامات و فیصلے، وہ حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا ہے مذاق نہیں، یہی وہ چیز ہے کہ جس کسی جبار و سرکش نے اسے چھوڑا تو خدا نے اسے ہلاک و برباد کردیا۔ اور جو شخص اس کے علاوہ کہیں اور ہدایت تلاش کرے گا خدا اسے گمراہ کردے گا، یہی اللہ کی مضبوط رسی ہے، یہی ذکر حکیم ہے، یہی سیدھا راستہ ہے، یہی ہے کہ جس کی وجہ سے خواہشات میں کجی واقع نہیں ہوتی، اور زبانوں میں گڑبڑ نہیں ہوتی، اور اس سے علماء کا دل نہیں بھرتا اور بار بار پڑھنے سے پرانا نہیں ہوتا، اور اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے، یہی ایسا کلام ہے کہ جب جنوں نے اسے سنا تو یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ "بے شک ہم نے عجیب قرآن سنا ہے"۔ یہی ہے کہ جو اس کا قائل ہوگا اس نے سچ کہا اور جس نے اس کے ذریعہ سے فیصلہ کیا

---

[1] سنن دارمی (ص ۴۲۵) جامع ترمذی (۲: ۱۱۴) ونحوه روی عن ابن مسعود کما فی المصنف لعبد الرزاق (۳: ۳۷۵ و ۳۷۶)۔

اس نے عدل وانصاف کیا، اور جس نے اس پر عمل کیا اسے اجر دیا گیا، اور جس نے اس کی طرف بلایا اسے سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دی گئی۔"

علامہ جلال الدین "الاتقان فی علوم القرآن" میں لکھتے ہیں:۔

وأخرج سعيد بن منصور عن ابن مسعود قال: من أراد العلم فعليه بالقرآن فإن فيه خبر الأولين والآخرين، قال البيهقي: يعني أصول الأحكام، وأخرج البيهقي عن الحسن قال: أنزل الله مائة وأربعة كتب أودع علومها أربعة منها التوراة والإنجيل والزبور والفرقان، ثم أودع علوم الثلاثة الفرقان[1]

"سعید بن منصورؒ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جو علم حاصل کرنا چاہے اسے چاہیے کہ قرآن کریم سیکھ لے اس لئے کہ اس میں اولین اور آخرین کی خبریں ہیں۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں یعنی احکام کے اصول اس میں موجود ہیں۔ اور امام بیہقی حضرت حسن رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سو چار کتابیں (صحیفوں پر بھی کتاب کا اطلاق کیا گیا ہے) نازل فرمائی جن کے علوم توراۃ، انجیل، زبور، اور فرقان حمید ان چاروں کتابوں میں جمع کر دیے، پھر ان تینوں کتابوں کے علوم بھی قرآن حکیم ہی میں جمع کر دیے۔"

غرض ایسی کامل اور جامع صفات کتاب کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسل پر نازل فرمایا پھر آپ کو اس کی تبیین (کھول کر بیان کرنے) کا حکم دیا کہ اس کے حقائق ودقائق اسرار وحِکم اور مشکلات ومجملات کی تشریح کریں اور اللہ تعالیٰ کی منشا ومراد کو اپنے اقوال وافعا اور بیان کے ذریعہ لوگوں کے سامنے ظاہر فرما دیں تاکہ لوگ اس پر غور وفکر کر کے اس کو سمجھیں ا کے اوامر پر عمل کریں منہیات سے بچیں اور راہِ نجات پر صحیح طور سے عمل پیرا ہوں۔

---

[1] الاتقان (۲: ۱۲۵) علامہ ابن ابی الفضل مرسی بھی اپنی تفسیر میں اسی طرح لکھتے ہیں ملاحظہ ہو الاتقان (۲: ۱۲۹

آن وسنت کا آپس میں تعلق

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حدیث اور قرآن میں کیا نسبت و تعلق ہے؟ سو خوب سمجھ لیجئے کہ آن کریم اور احادیث نبویہ (علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیم) میں آپس میں وہی تعلق ہے جو متن اور شرح میں ہوتا ہے، قرآن کریم متن ہے اور احادیث اس کی شرح، قرآن شریف اجمال ہے اور احادیث اس کی تفصیل۔

یاد رہے کہ قرآن حکیم نہایت درجہ فصیح و بلیغ ہونے کے باوجود مختصر بھی ہے اس لئے اس کے انی کو سمجھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے، نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے آن مجید کی تفصیل و تفسیر بیان کرنے کے لئے ہی مبعوث فرمایا ہے اور آپ نے دنیا میں یف لاکر اپنے قول و فعل اور تقریر (بیان سکوتی) کے ذریعہ اس کی توضیح و تشریح کی اسی تشریح ام حدیث اور سنت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:-

سیأتی ناس یجادلون بشبہات القرآن فخذوھم بالسنن فإن أصحاب السنن أعلم بکتاب اللہ [1]	”عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو تم سے قرآن کریم کے متشابہات کے بارے میں جھگڑیں گے تم سنت کے ذریعہ ان کی گرفت کرنا کیونکہ سنت کے عالم ہی کتاب اللہ کو خوب سمجھتے ہیں۔“

یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ بیان اور تشریح سب من جانب اللہ ہے (جیسا کہ ہم سابق میں بھی بیان کرچکے ہیں) ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝[2]	”اور وہ نہیں بولتے اپنے نفس کی خواہش سے (جو بولتے ہیں وہ تو بھیجا ہوا حکم ہے)“

اور سورۃ قیامہ میں ارشاد ہے:-

---

[1] مسند دارمی (ص ۲۸) شرح السنۃ للبغوی (۱: ۲۰۲) اصول التشریع الاسلامی (ص ۳۵)۔

[2] النجم : ۳

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ [1]	"پھر ہمارے ذمہ ہے اس کو کھول کر بتلانا"۔

اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان اللہ تعالیٰ ہی کا بیان ہے۔ ایک اور آیت شریفہ میں مزید تاکید کے لئے ارشاد فرمایا :-

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا	"بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں
يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ	وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ
أَيْدِيهِمْ [2]	ان کے ہاتھ کے اوپر ہے"۔

ایک اور آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو اپنے فعل سے تعبیر فرمایا :

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ	"اور خاک کی مٹھی آپ نے نہیں پھینکی جس
اللَّهَ رَمَىٰ [3]	وقت کہ پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی"۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بھی کہلوا دیا :-

إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنِّي	"میں تابعداری کرتا ہوں اس کی جو حکم
أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ	آئے میری طرف، میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی
يَوْمٍ عَظِيمٍ …… فَمَنْ أَظْلَمُ	کروں اپنے رب کے بڑے دن کے عذاب سے
مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا	…… پھر اس سے بڑا ظالم کون جو باندھے
أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ	اللہ پر بہتان یا جھٹلائے اس کی آیتوں کو۔
الْمُجْرِمُونَ [4]	بے شک بھلا نہیں ہوتا گنہگاروں کا"۔

اس آیت کریمہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجمانی کی گئی ہے آپ فرماتے ہیں میں اسی چیز کی اتباع کرتا ہوں جس کا مجھے حکم ملتا ہے کوئی کام میں اپنی طرف سے نہیں کرتا بلک

---

[1] القیامہ : ۱۹

[2] الفتح : ۱۰

[3] الانفال : ۱۷

[4] یونس : ۱۵ تا ۱۷

ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع کو ملحوظ رکھتا ہوں خواہ وہ حکم وحی جلی کے ذریعہ دیا جائے یا وحی خفی سے ، اس کے بعد آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک اور عقلی دلیل سے سمجھایا کہ دیکھو میں نے تمہارے ساتھ چالیس ۴۰ سال کا طویل عرصہ گذارا لیکن کبھی کسی فرد بشر پر جھوٹ نہیں بولا تو پھر اس بات کا کس طرح امکان ہو سکتا ہے کہ میں اس ذات برحق پر جھوٹ بولوں جو میرا اور تمام مخلوق کا پیدا کرنے والا ہے حالانکہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کبھی ایسی بات کو منسوب کرے گا جو اس نے نہ کہی ہو تو وہ سب سے بڑا ظالم اور مجرم ہے جو کبھی فلاح نہیں پا سکتا ۔ غرض ان تمام حالات کو جانتے ہوئے میں خدا کی طرف غلط بات کس طرح منسوب کر سکتا ہوں ۔

سورۃ احقاف میں فرماتے ہیں :-

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ وَمَا اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ [1]	" میں اسی پر چلتا ہوں جو مجھے حکم آتا ہے اور میرا تو کام یہی ہے کھول کر ڈر سنا دینا "

ایک اور آیت کریمہ میں اس بات کی کہ آپ وحی الٰہی ہی کو بیان کرتے ہیں اس کے خلاف نہیں کرتے ان الفاظ کے ذریعہ توثیق کی گئی ہے ، ارشاد ہے :-

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ [2]	" اور اگر یہ بنا لاتے ہم پر کوئی بات تو ہم پکڑ لیتے ان کا داہنا ہاتھ پھر کاٹ ڈالتے ان کی رگ گردن "

علامہ زمخشری المتوفی ۵۳۸ھ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں :-

والمعنی لو ادعی علینا شیئاً لم نقلہ لقتلناہ صبراً کما یفعل الملوک بمن یتکذب علیھم	" مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ہماری طرف کسی ایسی چیز کو منسوب کر دیتے جو ہم نے نہ کہی ہوتی تو ہم انہیں باندھ کر قتل کر دیتے

---

[1] الاحقاف : ۹

[2] الحاقہ : ۴۴ تا ۴۶

معلجلة بالسخط و الانتقام ؛ فصور قتل الصبر بصورته لیکن أهول وهو أن یؤخذ بیده وتضرب رقبته [1]

جیسے کہ بادشاہ ان لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں جو ان پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں تاکہ فوراً ان کو اپنے غصہ کا انتقام لے لیں، تو "قتل صبر" (پکڑ کر قتل کرنے) کا نقشہ اس لئے پیش کیا گیا تاکہ اس منظر کی ہولناکی کا اظہار ہو سکے اور اس قتل کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مجرم کا ہاتھ پکڑ کر اس کی گردن اڑا دی جاتی ہے"۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے :۔

قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُم بِالْوَحْيِ [2]

"آپ کہہ دیجئے کہ میں تو وحی کے ذریعے تم کو ڈراتا ہوں"

اس لئے نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث بھی خدا ہی کا حکم، اسی کی وحی اور مصدر تشریع ہے، حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح و توضیح کو سامنے رکھے بغیر قرآن کریم کو سمجھنا اور اس کی مراد کو پہنچنا ناممکن ہے، اہل عرب جن کی مادری زبان عربی تھی اور نہایت فصیح و بلیغ تھے وہ بھی قرآن کے اصل مطلب کو سمجھنے سے بسا اوقات قاصر رہتے تھے اور انہیں اس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مراجعت کی ضرورت پڑتی تھی اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریح کا حکم اللہ تعالٰی نے آیت کریمہ "لتبین للناس ما نزل إلیهم" کے ذریعہ دیا تھا۔

مشکلات قرآن کا صحیح حل

حدیث کی کتابوں میں آپ کو بہت سی ایسی مثالیں ملیں گی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے ایک آیت کا ظاہری مطلب سمجھا اور اصل معنی تک ان کے ذہن کی رسائی نہ ہو سکی پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے اس کا صحیح مطلب ان پر واضح ہوا، نمونہ کے طور پر یہاں ہم اس

---

[1] تفسیر کشاف (۳ : ۳۶۶)۔

[2] الانبیاء : ۴۵

سلسلہ کی چند مثالیں ذکر کئے دیتے ہیں:۔

۱ــ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ[1]	”جو لوگ یقین لے آئے اور نہیں ملایا انہوں نے اپنے یقین میں کوئی نقصان انہی کے واسطے ہے دل جمعی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر۔“

جب آیت کریمہ مندرجہ بالا نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں سخت اضطراب پیدا ہوا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

یا رسول اللہ أینا لا یظلم نفسہ[2]	”یا رسول اللہ ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے اوپر ظلم نہیں کیا؟“

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کا اضطراب دیکھ کر انہیں تسلی دی اور فرمایا:۔

لیس کما تقولون لم یلبسوا إیمانھم بظلم بشرك أولم تسمعوا إلی قول لقمان لابنہ وھو یعظہ: یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ[3]	”یہ مطلب نہیں جو تم بیان کرتے ہو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے اپنے ایمان میں شرک کی آمیزش نہیں کی، کیا تم نے لقمانؑ کا قول نہیں سنا جبکہ وہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہہ رہے تھے

”اے میرے پیارے بیٹے تم خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھیرانا بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔“

غور کیجئے ان حضرات نے ”ظلم“ سے اس کا ظاہری مطلب سمجھا اس لئے پریشان ہو گئے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمانے سے سمجھ میں آیا کہ یہاں ظلم سے ہر طرح کا ظلم مراد نہیں بلکہ سب سے بڑا ظلم مراد ہے جو شرک ہے۔

---

[1] الانعام : ۸۲

[2] صحیح بخاری (۱ : ۴۷۴ و ۴۸۷)۔

[3] صحیح بخاری (۱ : ۴۷۴ ، ۴۸۷) اس معنی میں صحیح بخاری شریف میں ایک اور روایت بھی آتی ہے ملاحظہ ہو (۱ : ۱۰)۔

۲ — ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس سے حساب لیا گیا وہ معذب ہوگا۔" اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ قرآن کریم میں تو یہ آیا ہے:-

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ط[1]	"سو جس کو ملا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کریم کی اس آیت میں حساب سے مراد عرض ہے یعنی اس شخص کے سامنے صرف اتنا بتلا دیا جائے گا کہ یہ تمہارے اعمال تھے ورنہ جس سے حساب پوچھ گچھ ہوگئی وہ ہلاک ہو جائے گا۔[2]

۳ — اسی طرح جب یہ آیت نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے چاندی اور سونے کو جمع کرنے اور اس کو خرچ نہ کرنے والوں کو یہ کہہ کر سخت عذاب سے ڈرایا کہ:-

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ط يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ط[3]	"اور جو لوگ گاڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں سو ان کو خوشخبری سنا دے دردناک عذاب کی جس دن کہ آگ دہکا دیں گے اس مال پر دوزخ کی پھر داغیں گے اس سے ان کے ماتھے اور پہلو اور پیٹھیں، (کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے گاڑ کر رکھا تھا اپنے واسطے۔"

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سخت فکرمند ہوگئے اور انہوں نے حضور اقدس

---

[1] الانشقاق: ۷ و ۸

[2] صحیح بخاری (۱: ۲۱) ان دونوں واقعوں کی جانب علامہ بدر الدین زرکشی المتوفی ۷۹۴ھ نے اپنی کتا
"البرہان فی علوم القرآن" (۱: ۱۴ و ۱۵) میں اجمالاً اشارہ کیا ہے۔

[3] التوبہ: ۳۴ و ۳۵

ل اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اس پریشانی کا اظہار کیا، آپ نے ان کو اس یشانی سے نجات دلائی اور فرمایا کہ جب تم اس کی زکوٰۃ ہر سال نکال دو گے تو پھر وہ کنز نہیں ہے گا بلکہ بالکل پاک صاف ہو جائے گا چنانچہ امام بخاریؒ المتوفی سنہ ۲۵۶ھ نے اپنی صحیح میں اس پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے "باب ما أدی زکاتہ فلیس بکنز" اور پھر اس کے یل میں خالد بن اسلم کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ا لله جا رہے تھے کہ ایک اعرابی نے ان سے کہا کہ مجھے اللہ کے اس قول کا مطلب بتا دیجئے کہ:۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ [1]	"جو لوگ چاندی اور سونا جمع کر کے رکھتے ہیں الخ":

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ جس نے اسے خزانہ بنا کر رکھا اور اس کی زکاۃ نہ دی تو مال اس کے لئے ہلاکت کا سبب بنے گا۔ یہ اس وقت کا حکم ہے جب زکوٰۃ کا حکم نازل وا تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے زکاۃ کا حکم دے دیا تو اللہ جل شانہٗ نے زکوٰۃ کو مال کے ل کرنے کا ذریعہ بنا دیا۔[2]

امام ابوداود سجستانی المتوفی سنہ ۲۷۵ھ حضرت ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل تے ہیں:۔

كنت ألبس أوضاحاً من ذهب قلت يا رسول الله أكنز هو؟ فقال: ما بلغ أن تؤدى زكاته فزكي فليس بكنز [3]	"میں سونے کے پازیب پہنا کرتی تھی؛ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھا کہ کیا یہ بھی کنز میں داخل ہے، آپ نے فرمایا کہ جو مال زکوٰۃ کے نصاب تک پہنچ گیا اور پھر

اس کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی تو وہ "کنز" نہیں رہا"۔

التوبہ : ۳۴

صحیح بخاری (۱: ۱۸۸) و (۲: ۶۷۲) ابن ماجہ (ص : ۱۲۸)۔

سنن ابی داؤد (۱: ۲۱۸)۔

قرآنی مجملات کی تفصیل

سابق میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ قرآن کریم میں نماز ک قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم اجمالاً مذکور ہے، ع بیان بھی اجمالی ہے۔ ان عبادات[1] کی مکمل تشریح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال و اف اور تقریرات سے کی ہے، عبادات کی طرح معاملات، حدود و تعزیرات غرض بیشتر احکام بیان قرآن شریف میں اجمالی ہی ہے مثلاً چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم قرآن کریم میں ان الفا میں ملتا ہے :۔

۱ــ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَهُمَا [1]

"اور چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ ڈالو"

لیکن اس کی کوئی تفصیل نہیں کہ کس مال کے اور کتنے مال کے چوری پر ہاتھ کاٹا جا گا، اور پھر کاٹا جائے گا تو کہاں سے کاٹا جائے گا ؟ ان سب امور کی تفصیل احادیث ک ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی ہے۔

علامہ خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں :۔

فکان ظاھر ھذا القول یوجب القطع علی کل سارق بسرقته کثرت أو قلت حتی دلت السنة أن المراد به بعض السراق وھو من بلغت سرقته فی القیمة ربع دینار فصاعداً وأما من لم تبلغ قیمة سرقته ھذا القدر فلا قطع فیه [2]

"بظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہر چور کا ہاتھ چوری کی بناء پر کاٹنا ضروری ہے خواہ کم مال چرایا ہو یا زیادہ لیکن سنت نبوی نے اس کی وضاحت کردی کہ اس سے بعض چور مراد ہیں اور وہ وہ ہیں جنہوں نے اتنا مال چرایا ہو جس کی قیمت ربع دینار یا اس سے زیادہ ہو، اور جس نے اس سے کم کی چوری کی ہو تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا"

---

[1] المائدہ : ۳۸

[2] الکفایۃ فی علم الروایہ (ص ۱۴)۔

خطیب بغدادی بعض اور امثلہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ، وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ[1]

”وہ حکم کرتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد کے حق میں کہ ایک مرد کا حصہ ہے برابر دو عورتوں کے، پھر اگر صرف عورتیں ہی ہوں دو سے زیادہ تو ان کے لئے ہے دو تہائی اس مال سے جو چھوڑ مرا، اور اگر ایک ہی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے، اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کے لئے دونوں میں سے چھٹا حصہ ہے اس مال سے جو چھوڑ مرا اگر میت کے اولاد ہے اور اگر اس کی اولاد نہیں اور وارث ہیں اس کے ماں باپ تو اسکی ماں کا تہائی حصہ ہے۔

فكان ظاهر الآية يدل أن كل والد يرث ولده وكل مولود يرث والده حتى جاءت السنة بأن المراد ذلك مع اتفاق الدين بين الوالدين والمولودين، وأما إذا اختلف الدينان فإنه مانع من التوارث، واستقر العمل على ما وردت به السنة في ذلك[2]

بظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر والد اپنے بیٹے کا وارث ہوگا اور ہر بیٹا اپنے باپ کا، لیکن سنت نبویہ نے اس کی تشریح کی اور بتلایا کہ اس سے وہ باپ بیٹے مراد ہیں جن کا دین ایک ہو لیکن اگر دین الگ الگ ہو تو یہ وراثت سے محرومی کا سبب بن جائے گا۔ اور اسی سنت نبوی کے مطابق عمل ہوتا چلا آرہا ہے۔“

* * * * *

---

[1] النساء : ١١

[2] الكفاية (ص ١٢ و ١٣)۔

حدیث میں آتا ہے :-

لا یرث الکافر المؤمن و المؤمن الکافر[1]	" نہ کافر مومن کا وارث ہے اور نہ مومن کافر کا "

اس حدیث نبوی نے ایک عام قاعدہ بتلادیا کہ اختلاف ادیان وراثت سے محرومی کا سبب ہے۔ یہ بات لسان نبوت کے ذریعہ بواسطۂ وحی خفی ہم کو معلوم ہوئی ورنہ کتاب اللہ میں بظاہر یہ قید نہیں تھی، اہل فہم انصاف فرمائیں کہ کیا اس تفصیل کے بغیر قرآن پاک کی ان آیات پر خدا تعالیٰ کی منشاء کے مطابق عمل ہو سکتا تھا۔

اسی طرح آپ نے ارشاد فرمایا کہ " قاتل کو وراثت نہیں ملے گی "[2] حالانکہ آیتِ میراث میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

۳ — اسی طرح وضوء کا حکم ان الفاظ میں نازل ہوا :-

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ[3]	" اے ایمان والو جب تم اٹھو نماز کو تو دھولو اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک اور مل لو اپنے سر کو اور دھولو پاؤں ٹخنوں تک "

اب نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ بتلایا کہ منہ دھونے میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھی شامل ہے اور فرمایا :-

الأذنان من الرأس[4]	" کان سر میں داخل ہیں لہٰذا سر کی طرح

---

[1] مسند احمد (۵: ۲۰۱ و ۲۰۲ و ۲۰۹) بعض روایات میں " مومن " کے بجائے " مسلم " کا لفظ وارد ہے۔

[2] مسند احمد (۱: ۴۹) سنن دارمی (ص ۴۰۳) سنن ابی داؤد (۲: ۶۲۸)۔

[3] المائدہ : ٦

[4] سنن ابی داؤد (۱: ۱۸) جامع ترمذی (۱: ۷) سنن ابن ماجہ (ص ۳۵)۔

کان پر بھی مسح کیا جائے گا۔"

اور یہ بھی بتلایا کہ اگر موزے پہنے ہوں تو پاؤں پر مسح کیا جاسکتا ہے ورنہ ان کو دھویا ائے گا، اسی طرح جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور جن سے نہیں ٹوٹتا ان کی تمام تفصیلا ے آگاہ فرمایا۔

۴ — اللہ تعالیٰ نے مردوں کو دو دو، تین تین، چار چار عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت دی، فرمایا:-

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ [1]	"تو نکاح کرلو جو اور عورتیں تمہیں پسند آئیں، دو دو تین تین چار چار۔"

اس سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ چار بیویاں رکھنا جائز ہے لیکن اگر اس سے زیادہ ہوں تو ان کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ جس کے پاس چار سے زائد یویاں ہوں وہ چار سے زائد کو طلاق دیدے [2]

جیت حدیث کی ایک دلیل

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی اس تشریح و تبیین کے بارے میں علامہ سیوطی حضرت عمران بن حصین کا درج ذیل واقعہ نقل کرتے ہیں:-

أخرج البيهقي بسنده عن شبيب بن أبي فضالة المكي أن عمران بن حصين رضي الله تعالى عنه ذكر الشفاعة، فقال رجل من القوم يا أبا نجيد إنكم تحدثونا بأحاديث لم نجد لها أصلا في القرآن	"امام بیہقیؒ اپنی سند سے شبیب بن ابی فضالہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ شفاعت کا تذکرہ کیا تو حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ اے ابونجید (حضرت عمرانؓ کی کنیت ہے) آپ حضرات بہت سی ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں جن کی اصل

---

[1] النساء: ۳

[2] مسند احمد (۲: ۴۴) سنن ابی داؤد (۱: ۳۰۴) وغیرہ۔

فغضب عمران وقال للرجل: قرأت القرآن؟ قال: نعم، قال: فهل وجدت فيه صلاة العشاء أربعاً ووجدت المغرب ثلاثاً والغداة ركعتين والظهر أربعاً والعصر أربعاً؟ قال: لا، قال: فعن من أخذتم ذلك؟ ألستم عنا أخذتموه و أخذناه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، أوجدتم فيه من كل أربعين شاة شاة، وفي كل كذا بعيراً كذا وفي كل كذا درهماً كذا؟ قال: لا، قال: فعن من أخذتم ذلك؟ ألستم عنا أخذتموه وأخذناه عن النبي صلى الله عليه وسلم وقال: أوجدتم في القرآن: «وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ» أوجدتم فيه فطوفوا سبعاً واركعوا ركعتين خلف المقام، أوجدتم في القرآن لاجلب ولاجنب ولاشغار

قرآن کریم میں ہمیں نہیں ملتی، اس پر حضرت عمران ؓ کو غصہ آگیا اور آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ کیا تم نے قرآن کریم پڑھا ہے؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپؓ نے فرمایا کہ کیا تم نے اس میں یہ پڑھا ہے کہ عشاء کی نماز میں چار رکعتیں ہیں اور مغرب کی تین اور فجر کی دو اور ظہر و عصر کی چار چار رکعتیں ہیں اس نے جواب دیا کہ جی نہیں، حضرت عمران ؓ نے فرمایا کہ پھر تم نے یہ تمام تفصیل کس سے حاصل کی؟ کیا یہ تم نے ہم سے نہیں سیکھی اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی، کیا تم نے قرآن کریم میں یہ پڑھا ہے کہ ہر چالیس بکری پر ایک بکری واجب ہوگی اور اتنے اونٹوں پر یہ آئے گا، اور اتنے درھموں میں یہ ادا کرنا ہوگا؟ اس شخص نے جواب دیا کہ نہیں، حضرت عمران ؓ نے پھر فرمایا کہ تم نے یہ علم کس سے حاصل کیا؟ کیا تم نے یہ علم ہم سے حاصل نہیں کیا اور ہم نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہے نیز آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے قرآن کریم میں آیت کریمہ "ولیطوفوا بالبیت العتیق" یعنی خانہ کعبہ کا طواف کرنے کا

فی الإسلام، أما سمعتم الله تعالیٰ قال فی کتابه «وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا» قال عمران: فقد أخذنا عن رسول الله صلی الله علیه وسلم أشیاء لیس لکم بها علم[1]

حکم پایا ہے پھر کیا اس میں یہ بھی پایا کہ سات مرتبہ طواف کرنا ہوگا اور مقام (مقام ابراہیم) کے پیچھے دوگانہ بھی پڑھنا ہوگا کیا تم نے قرآن کریم میں یہ حکم بھی پایا ہے کہ "لاجلب[2] و لاجنب[3] ولا شغار[4] فی الإسلام"، کیا تم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی کتاب میں یہ فرماتے نہیں سُنا کہ "جو تمہیں رسول دے اس کو لے لو اور جس سے باز رہنے کو کہے اس سے باز آجاؤ"۔ اس کے بعد حضرت عمرانؓ نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی ایسی چیزیں حاصل کی ہیں جن کا تم کو علم تک نہیں"۔

---

[1] مسند احمد (۲: ۲۱۵ و ۲۱۶) و (۳: ۱۶۲ و ۱۹۷) ابوداود (۱: ۲۲۵) ترمذی (۱: ۱۳۴) واللفظ لہ۔

[2] جلب۔ زکاۃ میں جلب کی صورت یہ ہے کہ ساعی (زکوۃ وصول کرنے والا) جب زکوٰۃ لینے آئے تو ایک جگہ ڈیرہ ڈال لے اور لوگوں سے اپنے پاس اموال زکوۃ منگائے اور اسی جگہ وصول کرے۔ اس کی ممانعت کی گئی اور حکم دیا گیا کہ زکاۃ لوگوں کے پاس جاکر وصول کرنی چاہیے۔

گھڑدوڑ میں جلب کی شکل یہ ہوتی ہے کہ انسان اپنے گھوڑے کے پیچھے چلے اور اسے پیچھے سے چیخ چلا کر اور ڈانٹ کر تیز بھاگنے پر مجبور کرے اس کی بھی ممانعت ہے۔

[3] زکوٰۃ میں اس کی صورت یہ ہے کہ مالک اپنے مال مویشی کو اپنے مقام سے کسی دور جگہ لیجائے تاکہ ساعی کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے پہونچنے میں مشقت ہو اس کی ممانعت کی گئی ہے۔

اور گھڑدوڑ میں اس کی صورت یہ ہے کہ اپنے گھوڑے کے ساتھ دوسرا گھوڑا رکھنا تاکہ جب وہ گھوڑا تھک جائے تو اس کے ساتھ والے گھوڑے پر سوار ہو جائے۔ (مجمع البحار: ص ۲۰۰ و ۲۱۲)۔

[4] نکاح شغار۔ زمانۂ جاہلیت میں ایک قسم کا نکاح ہوتا تھا جس کی شکل یہ ہوتی تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے کہتا کہ تم میرے ساتھ اپنی بیٹی، بہن یا کسی اور رشتہ دار یا زیر کفالت لڑکی کا نکاح بلا مہر کردو میں تمہارے ساتھ اپنی بیٹی، بہن یا زیر کفالت لڑکی یا کسی رشتہ دار کا نکاح بلا مہر کردوں گا، گویا ایک لڑکی (بقیہ حواشی بر صفحہ آئندہ)

علامہ قرطبی اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں:-

ثم البيان منه صلى الله عليه وسلم على ضربين بيان لمجمل في الكتاب كبيانه للصلوات الخمس في مواقيتها وسجودها وركوعها وسائر أحكامها وكبيانه لمقدار الزكوة ووقتها وما الذي تؤخذ منه من الأموال وبيانه لمناسك الحج قال النبي صلى الله عليه وسلم إذ حج بالناس: «خذوا عني مناسككم»[1] وقال: «صلوا كما رأيتموني أصلي»[2] أخرجه البخاري)[3]

⁂

وروى الأوزاعي عن حسان

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان دو قسم کا ہے۔ کتاب اللہ میں کسی چیز کا تذکرہ اجمالاً ہو آپؐ اس کو تفصیلاً بتلائیں جیسے کہ پانچ نمازوں کی تفصیل کہ ان کے اوقات، رکوع، سجدہ اور دیگر تمام احکام کی تفصیل سے آپ نے آگاہ فرمایا، اور جیسے کہ آپ نے زکوٰۃ کی مقدار کو بیان کیا اس کے وقت کو بتلایا اور یہ کہ کس مال میں سے زکوٰۃ لی جائے گی۔ اور آپ نے حج کے احکام و مناسک کی تفصیل بتلائی چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا فرمایا تو اعلان فرمایا کہ "مجھ سے حج کے مناسک اور احکام سیکھ لو" اور ارشاد فرمایا کہ "نماز اس طرح پڑھا کرو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے" (بخاری نے اسکی تخریج کی ہے)

امام اوزاعیؒ حضرت حسان بن عطیہ سے

(حواشی صفحہ گذشتہ) دوسری لڑکی کے بدلے میں بلا مہر ہو گئی۔ اسلام نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے۔ مجمع البحار: ص:١٩٩) [5] مفتاح الجنۃ (ص: ٥ و ٦) الکفایۃ للخطیب البغدادی (ص ٥) یہ حدیث مستدرک حاکم میں اختصار کے ساتھ مذکور ہے ملاحظہ ہو (١: ١٠٩ و ١١٠)۔

(صفحہ ہذا) [1] مسند احمد (٣: ٣١٨ و ٣٦٦) سنن نسائی (٢: ٤٩)۔ [2] صحیح بخاری (١: ٨٨) (٢: ٨٨٨ و ١٠٧٦) سنن دارمی (ص ١٤٨) مسند احمد (٥: ٥٣)۔ [3] تفسیر قرطبی (١: ٣٨ و ٣٩)۔

ابن عطية قال: كان الوحي ينزل على رسول الله صلى الله عليه وسلم ويحضره جبرئيل بالسنة التي تفسر ذلك[1]

نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی اور حضرت جبرئیل آپ کے سامنے سنت (حدیث) پیش کرتے تھے جو اس قرآن کی تفسیر کرتی تھی"

* * *

علامہ سیوطی اس سے قبل بیہقی کے حوالہ سے ایک اور اثر نقل کرتے ہیں:-

عن طاؤس أن عنده كتابًا من العقول نزل به الوحي وما فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم من صدقة وعقول فإنما نزل به الوحي[2]

"حضرت طاؤس کے پاس عقول (دیات) کے بارے میں ایک لکھی ہوئی کتاب تھی جو وحی کے ذریعہ نازل ہوئی تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات اور عقول (دیات) کے بارے میں جو کچھ فرض کیا وہ وحی منزل کے ذریعہ ہی تھا"

* * *

یہ وہی وحی خفی ہے جسے سنت و حدیث کہا جاتا ہے۔ امام شافعیؒ "الام" میں روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی چیز بغیر وحی کے فرض نہیں کی البتہ فرق صرف یہ ہے کہ بعض وحی متلو ہوتی ہے اور بعض وحی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کی جاتی ہے (غیر متلو ہوتی ہے) اور پھر وہ سنت بنادی جاتی ہے"[3]

---

[1] بیان العلم (۲: ۱۹۱) حسان بن عطیہ کا یہ مقولہ سنن دارمی میں اس طرح منقول ہے:-

كان جبريل ينزل على النبي صلى الله عليه وسلم بالسنة كما ينزل عليه بالقرآن (دارمی)

"حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس سنت (احادیث) اس طرح لیکر آتے تھے جس طرح کہ قرآن کریم لیکر آتے تھے"

[2] مفتاح الجنۃ (ص ۱۰)۔

[3] الام (۷: ۲۷۱)۔

چونکہ حدیث قرآن کی شرح کی حیثیت رکھتی ہے اور متن مشکل ہوتا ہے اور شرح آسان، اسی لئے حضرت مکحول سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم سنت کا زیادہ محتاج ہے، سنت قرآن کریم کی اتنی محتاج نہیں۔[1]

علامہ سیوطی امام بیہقیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت یحییٰ بن ابی کثیرؒ نے فرمایا:-

السنة قاضية على الكتاب و ليس الكتاب قاضياً على السنة أخرجه الدارمي[2] وسعيد بن منصور.

”سنت قرآن (کے معنی و مراد) کا فیصلہ کرتی ہے، کتاب سنت (کے معنی و مراد) کا فیصلہ نہیں کرتی، اس کو دارمی اور سعید بن منصور نے بیان کیا ہے۔“

امام بیہقیؒ نے حضرت یحییٰ بن کثیرؒ کے اس قول کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے کہ:-

ومعنى ذلك أن السنة مع الكتاب أقيمت مقام البيان عن الله كما قال الله: «وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ» لا أن شيئاً من السنن يخالف الكتاب.

”اس کے معنی یہ ہیں کہ سنت دراصل اللہ تعالیٰ کی جانب سے کتاب کا بیان ہے جیسے کہ خود ارشاد باری ہے کہ: ”اور ہم نے نازل کیا آپ کی طرف ذکر تاکہ آپ لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کر دیں اسے جو کچھ ان کی طرف نازل ہوا ہے“ یہ مطلب نہیں ہے کہ سنت یا اس کا کوئی حصہ کتاب اللہ کے خلاف ہوگا۔“

علامہ ابوبکر یوسف بن عبدالبر اندلسی المتوفی سنہ ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:-

يريد أنها تقضي عليه وتبين المراد منه[3]

”سنت کے فیصلہ کن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ کی اصل مراد کو واضح کرتی ہے۔“

---

[1] یہ اقوال علامہ خطیب بغدادی کی کتاب الکفایہ میں (ص ۱۲ تا ۱۴) دیکھے جا سکتے ہیں۔

[2] سنن دارمی باب السنۃ قاضیۃ علی الکتاب (ص ۷۷)۔

[3] جامع بیان العلم (۲: ۱۹۱)۔

اور خود علامہ سیوطیؒ اس کی مزید توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

والحاصل أن معنى احتياج القرآن إلى السنة أنها مبينة له ومفصلة لمجملاته لأن فيه لوجازته كنوزاً يحتاج إلى أمين يعرف خفايا خباياها فيبرزها وذلك هو المنزل عليه صلى الله عليه وسلم وهو معنى كون السنة قاضية عليه وليس القرآن مبينا للسنة ولا قاضياً عليها لأنها بينة بنفسها إذ لم تصل إلى حد القرآن في الإعجاز والإيجاز لأنها شرح وشأن الشرح أن يكون أوضح وأبين وأبسط من المشروح ، والله أعلم [1]

"خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے سنت کا محتاج ہونے کے معنی یہ ہیں کہ سنت قرآن کریم کا بیان ہے اور اس کے مجملات کی تفصیل، اس لئے کہ قرآن کریم میں اختصار کی بناء پر ایسے خزانے ہیں جن کے اظہار کے لئے کسی ایسے امین شخص کی ضرورت تھی جو اس کے گوشوں میں مخفی رازوں کو جانتا ہو تاکہ ان کو کھول دے اور یہی چیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور یہی معنی ہیں سنت کے کتاب اللہ پر فیصل ہونے کے اور قرآن کریم سنت کے لئے بیان نہیں ہے اور نہ ہی اس پر فیصلہ کرنے والا ہے کہ سنت تو خود ہی واضح اور بیان ہے کیونکہ سنت قرآن کی طرح حد اعجاز و ایجاز کو نہیں پہونچی ہے بلکہ سنت تو شرح ہے کتاب اللہ کی اور شرح کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ مشروح سے زیادہ واضح اور طویل ہو۔ واللہ اعلم۔

* * *

حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے :-

إن السنة تفسر الكتاب وتبينه [2]

"بے شک سنت کتاب (قرآن) کی تفسیر اور تبیین (تشریح) کرتی ہے۔"

---

[1] مفتاح الجنة (ص ۳۰)۔

[2] جامع بیان العلم (۲:۱۹۱)۔

علامہ لالکائی امام احمدؒ سے نقل کرتے ہیں کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آثار کا نام ہے اور قرآن کریم کی تفسیر اور اس کی راہنما ہے [1]

گذشتہ صفحات میں ہم حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول نقل کر چکے ہیں کہ انسان کھا پینے سے زیادہ حدیث کا محتاج ہے اس لئے کہ حدیث قرآن مجید کی تفسیر ہے [2]

مندرجہ بالا واقعات کو علامہ شاطبیؒ نے اپنی کتاب "الموافقات" میں بیان کر ہوئے ایک واقعہ لکھا ہے کہ :-

وقیل لمطرف بن عبد الله ابن الشخیر: لا تحدثونا إلا بالقرآن ، فقال له مطرف: والله ما نرید بالقرآن بدلاً ولکن نرید من هو أعلم بالقرآن منا [3]

"حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخیرؒ سے کہا گیا کہ آپ ہمارے سامنے صرف قرآن کریم کے مضامین ہی بیان کیا کریں، اس پر حضرت مطرفؒ نے فرمایا: خدا کی قسم ہم قرآن مجید کے بدلے اور کوئی چیز نہیں چاہتے ہم تو اس ذات کے کلام اور فرامین کو بیان کرنا چاہتے ہیں جو قرآن شریف کو ہم سے زیادہ سمجھنے والی تھی"

حضرت مطرفؒ کے بیان سے حقیقت اور نکھر کر سامنے آگئی کہ حضور اکرم صلی الله وسلم کی ذات گرامی قرآن مجید کو سب سے زیادہ سمجھنے والی تھی کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے آپ ک بتلایا اور سمجھایا تھا اس لئے آپ نے جن چیزوں کو مشکل یا مجمل پایا ان کی تشریح فرما دی، لہ آپ کی احادیث مبارکہ قرآن کریم کا بیان ہیں اور اسی لئے ہم احادیث بیان کرتے ہیں۔

علامہ سیوطیؒ "الاتقان" میں لکھتے ہیں :-

قال ابن تیمیة یجب أن یعلم

"حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ جان لینا

---

[1] مفتاح الجنة (ص: ٣٦)۔

[2] مفتاح الجنة (ص: ٣٧)۔

[3] الموافقات (٤: ٢٦)۔

أن النبي صلى الله عليه وسلم بين لأصحابه معاني القرآن كما بين لهم ألفاظه فقوله تعالى: «لتبين للناس ما نزل إليهم» يتناول هذا وهذا[1]

ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے لئے قرآن کریم کے معانی و مطالب کو اسی طرح بیان کیا جس طرح کہ ان کے سامنے اس کے الفاظ ادا کیے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس چیز کو بیان کریں جو ان کی طرف نازل کی گئی" الفاظ و معانی دونوں کو شامل ہے۔

اور علامہ ابن حزمؒ کا یہ قول پہلے ذکر ہو چکا کہ وحی کی دو قسمیں ہیں ایک وحی متلو اور دوسری وحی غیر متلو جو کتاب اللہ کی تفسیر ہے جس کے ذریعہ سے آپؐ نے اللہ کی مراد کو ہمارے سامنے کھول کر بیان فرمایا[2]۔

یاد رہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی جو "تبیین" کی ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ کبھی بطریق الحاق اور کبھی بطریق قیاس، ذیل میں دونوں کی بعض مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:۔

تبیینِ نبوی بطریقِ الحاق

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کسی ایک چیز کے حلال ہونے کا حکم دیتا ہے اور کسی دوسری چیز کے حرام ہونے کا لیکن ایک چیز ایسی بھی ہوتی ہے کہ اس کے بارے میں قرآن پاک میں کوئی منصوص حکم نہیں ہوتا اور وہ ایسی ہوتی ہے کہ اسے حلال اشیاء کے ساتھ بھی ملایا جا سکتا ہے اور حرام کے ساتھ بھی، پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسے کسی ایک کے ساتھ ملا دیتے ہیں جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس شئے کا تعلق کس سے تھا، مثلاً:۔

۱ — اللہ تبارک وتعالیٰ نے پاک چیزوں کو حلال فرمایا اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیا، اب چند چیزیں ایسی رہ گئیں جن کو طیبات (پاک چیزوں) کے ساتھ بھی ملا

---

[1] الإتقان (۲ : ۱۷۶)۔

[2] الإحکام (۱ : ۹۷)۔

سکتے ہیں اور خبائث (گندی اشیاء) کے ساتھ بھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب قرآن کریم میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے :۔

يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ [۱]	"اور وہ حلال کرتے ہیں ان کے لئے سب پاک چیزیں اور حرام کرتے ہیں ان پر ناپاک چیزیں"

اس لئے آپؐ نے کچلیوں والے درندے[۲] اور شہری گدھے[۳] کے کھانے سے منع فرما کر ان کو طیبات کی صف سے خارج کر دیا، اسی طرح جو جانور گندگی اور نجاست کھانے والا ہو، اس کا گوشت کھانے اور دودھ پینے سے منع فرما کر اس کو خبائث میں داخل فرما دیا[۴] کیونکہ گندگی کھانے سے اس کے گوشت اور دودھ میں اس گندگی کا اثر آجاتا ہے، یعنی یہ تمام جانور گندی اور حرام چیزوں کے ساتھ ملحق ہیں لہٰذا یہ بھی انہی کے حکم میں ہیں، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض چیزوں کو طیبات میں شامل فرما دیا جیسے کہ خرگوش کو حلال فرما دیا[۵]

۲ — اللہ تعالیٰ نے سدھائے ہوئے شکاری جانور کے اس شکار کو جو اس نے مالک کے لئے پکڑا ہو حلال فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ جو جانور معلَّم (سدھایا ہوا) نہ ہو اس کا خود کیا ہوا شکار حرام ہوگا اس لئے کہ اس نے وہ جانور اپنے لئے شکار کیا ہے[۶] لیکن ایک صورت یہ نکلتی ہے

---

[۱] الاعراف : ۱۵۷

[۲] صحیح بخاری (۲: ۸۳۰) صحیح مسلم (۲: ۱۴۷) موطأ مالک (ص: ۱۸۴ و ۱۸۵) مسند احمد (۱: ۲۴۴ و ۲۸۹) وغیرہ، سنن دارمی (ص: ۲۵۳ و ۲۵۴) وغیرہ۔

[۳] صحیح بخاری (۲: ۸۳۰) صحیح مسلم (۲: ۱۴۹) سنن دارمی (ص: ۲۵۴) وغیرہ۔

[۴] سنن دارمی (ص: ۲۵۶) مسند احمد (۲: ۲۱۹) وغیرہ۔

[۵] صحیح بخاری (۲: ۸۳۰ و ۸۳۱) صحیح مسلم (۲: ۱۵۲) سنن دارمی (ص: ۲۵۷) مسند احمد (۱: ۳۱) و (۲: ۲۳۶ و ۲۴۶) وغیرہ۔

[۶] مسند طیالسی (۴: ۱۳۶ و ۱۳۸) صحیح بخاری (۱: ۲۷۶) و (۲: ۸۲۳ و ۸۲۴) مسند احمد (۱: ۲۳۱) و (۲: ۱۸۴) و (۴: ۲۵۶ و ۲۵۷ و ۲۵۸ و ۳۷۷ و ۳۷۹ و ۳۸۰) صحیح مسلم (۲: ۱۴۵ و ۱۴۶) وغیرہ۔

کہ ایک سدھائے ہوئے جانور نے شکار پکڑا لیکن اس کے باوجود اس نے کچھ حصہ اس میں سے کھا بھی لیا، اگر یہ دیکھا جائے کہ وہ سدھایا ہوا جانور ہے تو پھر اس لحاظ سے اس کا شکار لال ہونا چاہیے کہ اس نے اپنے مالک کے لئے اسے شکار کیا ہے لیکن اگر دوسری جانب وچیں کہ اس نے شکار میں سے کچھ حصہ کھا بھی لیا ہے تو اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس یہ شکار اپنے لئے کیا ہے نہ کہ مالک کے لئے، اب یہاں پر تردد پیدا ہوا کہ آیا یہ شکار لال ہوگا یا حرام اور دونوں طرف کا احتمال موجود ہے، لہٰذا سنت نبوی نے وضاحت ردی کہ :-

فإن أكل فلا تأكل [1]

”اگر شکاری جانور اپنے شکار میں سے کھالے تو پھر اس شکار کو نہ کھاؤ“

۳ـ اللہ جل جلالہٗ نے طیبات میں صید البحر کا ذکر کیا ہے اور خبائث میں میتۃ کا، اب سوال یدا ہوتا ہے کہ مچھلی جس کو ذبح نہیں کیا جاتا حلال ہوگی یا حرام، اگر اس کے میتہ ہونے کو دیکھیں و اس کو حرام ہونا چاہئے اور اگر صید البحر ہونے کو دیکھیں تو حلال، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے کہ :-

هو الطهور ماءه الحل ميتته [2]

”سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار (مچھلی) حلال ہے“

چھلی کی حلت کو واضح فرمادیا۔

۴ـ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے :-

فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ

”اگر دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو ان کو ترکہ میں سے دو ثلث ملے گا اور اگر ایک

---

[1] صحیح بخاری (۲: ۸۲۳) مسند احمد (۱: ۲۳۱) و (۴: ۲۵۶ و ۲۵۷ و ۲۵۸ و ۳۷۹ و ۳۸۰) صحیح مسلم (۲: ۱۴۵، ۱۴۶)۔

[2] موطأ مالک (ص ۸ و ۱۸۴) مسند احمد (۲: ۲۳۷ و ۳۶۱ و ۳۷۸ و ۳۹۳) و (۳: ۳۷۳) و (۵: ۳۶۵) مسند دارمی (ص ۹۹ و ۲۵۷) وغیرہ۔

كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ [1] | ہو تو اس کو نصف ملے گا"۔

اس آیت کریمہ میں دو سے زیادہ اور ایک کا حکم تو بیان کر دیا گیا لیکن یہ نہیں بیان کیا گیا کہ اگر دو لڑکیاں ہوں تو ان کو کیا ملے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دو ثلث میں وہ شامل ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دو کو بھی نصف ہی ملے۔ اس اجمال کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر واضح کر دیا کہ :-

أعطهما الثلثين [2] | "ان کو بھی دو ثلث دے دو"۔

یعنی اگر دو لڑکیاں ہوں تو وہ بھی دو سے زیادہ کے حکم میں ہوں گی اور ان کو دو ثلث ہی ملے گا [3]۔

5 — اللہ تعالیٰ نے مردار کو حرام قرار دیا اور ذبح کئے ہوئے جانور کو حلال۔ لیکن جو بچہ ذبح کئے ہوئے جانور کے پیٹ میں سے نکلے وہ ایک اعتبار سے مردار میں بھی شامل ہو سکتا ہے اور ایک اعتبار سے اسے حلال بھی قرار دیا جا سکتا ہے اس کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

ذكاة الجنين ذكاة أمه [4] | "جنین کا ذبح کرنا اس کی ماں کا ذبح کرنا ہے"

اس لئے کہ وہ ابھی تک ماں کے ایک جزء کے حکم میں تھا۔

تنبیہ :- مندرجہ بالا مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے :-

امام ابوحنیفہؒ، امام زفرؒ اور امام حسن بن زیادؒ کا مذہب ہے کہ اگر وہ جنین مردہ ہو تو اس کو کھایا نہیں جائے گا۔

امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر وہ تام الخلقت

---

[1] النساء : ۱۱

[2] سنن أبي داؤد (۲ : ۳۰۰ و ۳۰۱) مسند احمد (۳ : ۳۵۲) مستدرک حاکم (۴ : ۳۳۴) وغیرہ۔

[3] اس کو قاضی اسماعیل نے بیان کیا ہے ملاحظہ ہو الموافقات للشاطبی (۴ : ۳۹)۔

[4] مسند احمد (۳ : ۳۱، ۳۹ و ۴۵ و ۵۳) مسند دارمی (ص : ۲۵۳) سنن ابی داود (۲ : ۳۹۱) وغیرہ۔

ہو تو کھانا درست ہے اور استدلال میں مندرجہ بالا حدیث پیش کرتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ ؒ کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ میتہ میں شامل ہے اور نص قرآنی سے ثابت ہے کہ میتہ کا کھانا حرام ہے، حدیث بالا کا مطلب وہ یہ لیتے ہیں کہ بچہ زندہ نکلے تو اس کو اسی طرح ذبح کیا جائے گا جس طرح اس کی ماں کو ذبح کیا جاتا ہے۔

۶ — قصاص کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ
النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ
بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَ
الْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ
بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۱؎

"اور ہم نے لکھ دیا اس کتاب میں کہ جان کے بدلہ جان اور آنکھ کے بدلہ آنکھ اور ناک کے بدلہ ناک اور کان کے بدلہ کان اور دانت کے بدلہ دانت اور زخموں کا بدلہ ان کے برابر۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کو جان سے مار ڈالے تو اس کے بدلہ اسے بھی جان سے مارا جائے گا اور اگر کوئی کسی کی آنکھ پھوڑ دے تو اس کے بدلہ اس کی آنکھ پھوڑی جائے گی، یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ قتل عمداً کیا ہو اور اگر قتل خطأً ہو تو اس کا حکم یہ ہے :-

فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ
مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ ۲؎

"تو آزاد کرے ایک مسلمان اور خون بہا پہونچائے مقتول کے گھر والوں کو۔"

لیکن اگر کوئی شخص کسی کے ہاتھ پاؤں یا دوسرے اعضاء کو نقصان پہونچائے تو اس کا حکم قرآن کریم میں مذکور نہیں ہے، اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق واضح فرمایا ہے ۳؎

۱؎ المائدہ : ۴۵ ۲؎ النساء : ۹۲

۳؎ مسند احمد (۱: ۲۸۹) و (۲: ۱۸۲ و ۲۱۷) سنن نسائی (۲: ۲۴۲ و ۲۴۳ و ۲۴۴ و ۲۵۰) سنن أبی داود (۲: ۶۲۶ و ۶۲۷) سنن ابن ماجہ (ص: ۱۹۰ و ۱۹۱)۔

اسی طرح اگر کسی حاملہ عورت کا حمل کسی کی ضرب سے ساقط ہو گیا اور پیٹ کا بچہ م
تو اب اس صورت میں کیا کرنا ہوگا؟ یہ نفس انسانی کے مشابہ بھی ہے اور اطراف (اعض
کے مانند بھی اس کا حکم دونوں پر لگ سکتا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان (ف

إن دیته الغرة [1]	”اس کی دیت غرۃ (غلام) ہے“

اس ابہام کو دور کر دیا۔ یہ چند مثالیں وہ ہیں کہ ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبیی
بطریق الحاق ہے۔

اب دوسری قسم کی تبیین جو بطریق قیاس ہے ملاحظہ ہو:۔

تبیین نبوی بطریق قیاس

بعض مرتبہ قرآن کریم کسی چیز کے لئے ایک حکم ثا
کرتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس
چیز پر ایک اور چیز کو قیاس کر کے اس کے حکم میں شامل کر دیتے ہیں اس لئے کہ ان دو
میں علت مشترکہ پائی جاتی ہے اس لئے حقیقت میں آپ کا یہ قیاس قرآن کریم کی دلالت
کے عین مطابق ہوتا ہے کیونکہ قرآن مجید نے اگرچہ اس حکم کو صورۃً ایک چیز کے ساتھ
کیا ہے لیکن معنی کے لحاظ سے وہ عام ہے کیونکہ اس میں جو علت پائی جاتی ہے وہ
عام ہے لہذا آپؐ کا ایسا کرنا عین منشاء الٰہی کے مطابق ہے کہ اس کی اصل قرآن کریم م
موجود ہے، اب اس سلسلہ کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے:۔

۱ — یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا [2]	”اے ایمان والو! سود مت کھاؤ“

اور سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا:۔

---

[1] موطأ مالک (ص: ۳۳۴) مسند احمد (۱: ۳۶۴) و (۲: ۲۱۶ و ۲۳۶ وغیرہ) و (۳
۸۰ و ۲۴۴ وغیرہ) و (۵: ۳۲۶) مسند طیالسی (۳: ۹۵) و (۹: ۳۰۳ و ۳۰۸) صحیح بخار
(۲: ۸۵۷ و ۹۹۸ و ۱۰۲۰ و ۱۰۲۱) وغیرہ۔

[2] آل عمران: ۱۳۰

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبَا
لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ
الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ
مِنَ الْمَسِّ [۱]

" جو لوگ سُود کھاتے ہیں وہ نہیں اُٹھیں
گے قیامت کو مگر اس طرح کہ جس طرح وہ
شخص اٹھتا ہے جس کے حواس شیطان
نے لپٹ کر کھو دیے ہوں "

ان آیات کو نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے رِبا (سود) کی حرمت کو بیان فرمایا ورنہ
ـت کا تصور تو یہ تھا کہ :-

اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا [۲]

" خرید و فروخت ربا (سود) کی طرح ہی ہے"

لہذا جیسے سودی کاروبار ہے اسی طرح بیوپار ہے ، پھر سود کی حرمت کیا معنی ،
ـت کا رِبا (سود) دراصل فسخ الدّین فی الدّین تھا یعنی قرض دینے والا کہتا
ـا تو میرا قرضہ ادا کر دو یا پھر اس پر مزید سود دو ، اس طرح کہ پہلا سود اصل رقم میں ملا
ـو اصل مال شمار کر کے اب سود دینا ہوگا ۔ اللہ تعالیٰ نے اس فعل شنیع سے منع
ـتے ہوئے یہ فرمان جاری کیا :-

اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ
اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ
لَا تُظْلَمُوْنَ [۳]

" اور تم اگر توبہ کرتے ہو تو تمہارے لئے
تمہارا اصل مال ہے نہ تم کسی پر ظلم
کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے "

اس ممانعت کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس میں زیادتی بغیر کسی عوض کے پائی جا رہی تھی
اس پر قیاس کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نقد رقم کے ساتھ ان تمام
ـں کو ملا دیا جن میں زیادتی بلا عوض پائی جاتی ہو ، چنانچہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام
ـو فرماتے ہیں :-

---

[۱] البقرہ : ۲۷۵

[۲] البقرہ : ۲۷۵

[۳] البقرہ : ۲۷۹

الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل سواء بسواء يداً بيد فمن زاد أو ازداد فقد أربى؛ فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيدٍ الحديث [1]

"سونا سونے کے بدلے اور چاندی چاندی کے بدلہ اور گندم گندم کے بدلہ اور جَو جَو کے بدلہ اور کھجور کھجور کے بدلہ اور نمک نمک کے بدلہ (ان سب کی خرید و فروخت) برابر سرابر ہاتھوں ہاتھ ہونا چاہئے پس جس نے زیادہ دیا یا زیادتی کا مطالبہ کیا تو اس نے سودی کاروبار کیا، ہاں جب یہ صنفیں بدل جائیں (اور تبادلہ غیر جنس سے ہو) تو پھر جس طرح چاہو بیچو بشرطیکہ ہاتھوں ہاتھ (یعنی نقد ہو ادھار نہ ہو)"

* * *

اب یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چھ چیزوں کے باہمی نقد لین دین میں بھی زیادتی کو ربا (سود) میں شامل فرما دیا اس لئے کہ ان میں بھی وہی علت (یعنی زیادتی بلاعوض کے) موجود ہے۔

۲— اللہ تعالیٰ نے نساء محرمات (وہ عورتیں جن سے نکاح حرام ہے ان) کو بیان فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے :-

وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ [2]

"اور یہ بھی تم پر حرام ہے) کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ (نکاح میں) جمع کرو"

* * *

اور پھر ان سب محرمات کو ذکر کر کے فرمایا :-

وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ [3]

"ان کے علاوہ اور عورتیں تمہارے لئے

---

[1] مسند طیالسی (۲: ۷۹) و (۹: ۲۸۵ و ۲۸۸) مسند احمد (۱: ۲۴ و ۴۵) و (۲: ۲۳۲، ۲۶۲ و ۴۳۷) و (۳: ۴ و ۹ و ۱۰ وغیرہ) صحیح بخاری (۱: ۲۸۶ و ۲۹۰) صحیح مسلم (۲: ۲۴ و ۳۵) مسند الحمیدی ص ۲۴۳ و ۲۴۴) وغیرہ

[2] النساء : ۲۳ [3] النساء : ۲۴

حلال ہیں (یعنی ان سے نکاح کرنا درست ہے)"

اللہ تعالیٰ نے تو دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنے سے منع فرمایا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حکم پر قیاس کرتے ہوئے پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بھی یک وقت نکاح میں جمع کرنے سے منع فرما دیا[1]۔ اور اس حرمت کی وجہ یہ ہے کہ اس رشتہ آپس میں کشیدگی پیدا ہو کر قطع رحمی ہو گی حالانکہ اسلام قطع رحمی کو ختم کرنا چاہتا ہے، س طرح دو بہنوں کا آپس میں جمع کرنا اس آیت کی بنا پر حرام ہوا کہ فطری بات ہے ونوں بہنیں آپس میں سوت ہوں گی تو باہمی کشیدگی اور منافرت سے قطع رحمی تک نوبت ہنچے گی جو شرعاً حرام ہے لہٰذا اس خرابی سے بچنے کی یہی صورت تھی کہ ایک بہن سے نکاح کی ورت میں دوسری سے اس کے ہوتے نکاح نہ کیا جائے، اب یہی قطع رحمی کی علت چونکہ پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بھی بیک وقت نکاح میں رکھنے کی صورت پائی جاتی ہے اس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی بیک وقت نکاح میں جمع کرنے سے منع فرما دیا ور اس کی وجہ بھی بتا دی کہ:

فَإِنَّكُمْ إِذَا فَعَلْتُمْ ذٰلِكَ فَقَدْ قطعتم أرحامكم[2]	"تم اگر ایسا کرو گے تو قطع رحمی کرو گے"

۳۔ قرآن کریم میں رضاعی محرمات کا ذکر کرتے ہوئے ان دو رشتوں کی تصریح کی گئی ہے۔

وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ[3]	"اور جن ماؤں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور دودھ شریکی بہنیں (بھی حرام ہیں)"۔

---

[1] صحیح بخاری (۲: ۷۶۶)، صحیح مسلم (۱: ۴۵۲ و ۴۵۳) سنن ابی داود (۱: ۲۸۲) جامع ترمذی (۱: ۱۳۴) سنن نسائی (۲: ۸۰ و ۸۱)۔

[2] امام طبرانی نے اسے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اور مراسیل ابی داود میں عیسیٰ بن طلحہ کی مرسلاً منقول ہے: رسول اللہ ﷺ أن تنكح المرأة على قرابتها مخافة القطيعة (ص ۱۱) طبرانی والی زیادتی کو شاطبی نے اپنی کتاب الموافقات" میں (۳: ۱۹۲) پر نقل کیا ہے اور حاشیہ پر لکھا ہے کہ اس کو ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ مصری محقق محمد ابو زہو نے بھی اپنی کتاب "الحدیث والمحدثون" (ص ۲۲) پر یہی لکھا ہے۔

[3] النساء: ۲۳

اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں رشتوں کے ساتھ ان تمام رضاعی قرابتوں کو بھی حرام قرار دیا جو نسب کی وجہ سے حرام تھیں۔ مثلاً رضاعی پھوپی اور رضاعی بہن کی اولاد، چنانچہ ارشاد ہے :-

إن الله حرم من الرضاع ما حرم من النسب [1]	"نسب کی وجہ سے جو رشتے حرام تھے وہی رشتے اللہ تعالیٰ نے رضاعت کی وجہ سے بھی حرام کر دیے"

۴ ــ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جہاں ماء طہور (پاک پانی) کا تذکرہ کیا ہے وہاں اس پانی کو تو ذکر فرمایا ہے جو آسمان سے برستا ہے، چنانچہ ارشاد ہے :-

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا [2]	"اور ہم نے اتارا آسمان سے پاک پانی"

اور فرمایا :-

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ [3]	"اور ہم نے اتارا آسمان سے اندازے سے پانی اور اس کو ٹھہرا دیا زمین میں"

لیکن سمندر کے پانی کا کوئی تذکرہ نہ فرمایا، سنت نبوی نے سمندر کے پانی کو بھی "ماء طہور" ہی میں داخل کیا، ارشاد نبوی ہے :-

هو الطهور ماءه [4]	"اس (سمندر) کا پانی پاک ہے"

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی "تبیین بطریق قیاس" کی یہ چند مثالیں تھیں۔ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ درحقیقت خود قرآن کریم نے حدیث شریف کے لیے جگہ چھوڑی

---

[1] مسند احمد (۱: ۲۷۵ و ۲۹۰ و ۳۲۹ و ۳۳۹) و (۶: ۶۶ و ۷۲ و ۱۰۲ و ۱۴۸) سنن دارمی (ص ۲۹۰ و ۲۹۱) صحیح بخاری (۱: ۳۶۰ و ۳۶۱ و ۴۲۸) و (۲: ۷۶۴) صحیح مسلم (۱: ۴۶۶ و ۴۶۷) سنن ابی داود (۱: ۲۸۰) جامع ترمذی (۱: ۱۳۶ و ۱۳۷) وغیرہ -

[2] الفرقان : ۴۸

[3] المؤمنون : ۱۸

[4] مسند احمد (۱: ۲۷۹) و (۳: ۳۷۳) وغیرہ و موطأ مالک (ص ۸ و ۱۸۴) سنن دارمی (ص: ۹۹ و ۲۵۷) وغیرہ -

ہے تاکہ سنت نبوی اس کو پُر کرے۔ چنانچہ امام مالک اپنے شیخ ربیعہ سے ناقل ہیں:۔

أنزل الله كتابه على نبيه صلى الله عليه وسلم وترك فيه موضعاً لسنة نبيه صلى الله عليه وسلم وسن رسول الله صلى الله عليه وسلم سنناً وترك فيها موضعاً للرأي [1]

”اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی کتاب نازل فرمائی اور اس میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے لئے گنجائش چھوڑ دی، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتیں جاری فرمائیں اور ان میں رائے اور قیاس کے لئے جگہ چھوڑ دی۔

◆

---

[1] مفتاح الجنة فی الاحتجاج بالسنة (ص: ۲۹)۔

سُنّتِ نبویہ کا اصل مأخذ قرآن ہے

یہ بات بالکل صحیح اور مسلّم ہے کہ جو کچھ سنت و احادیث میں وارد ہے اس کی اصل قرآن کریم میں موجود ہے اگرچہ بظاہر اس کی وجہ ہماری سمجھ میں نہ آئے، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :-

جميع ما تقوله الأمة شرح للسنة وجميع السنة شرح للقرآن، وقال أيضاً جميع ما حكم النبي صلى الله عليه وسلم فهو مما فهمه من القرآن.

قلت، ويؤيد هذا قوله صلى الله عليه وسلم : إني لا أحل إلا ما أحل الله ولا أحرم إلا ما حرم الله في كتابه [1]

أخرجه بهذا اللفظ الشافعي في الأم [2]

* * *

"امت جو کچھ کہتی ہے وہ سب سنت کی شرح ہے اور تمام سنت قرآن کریم کی شرح ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی فیصلے کئے ہیں وہ قرآن کریم ہی سے استنباط کئے ہیں۔

میں نے کہا کہ اس کی تائید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ہوتی ہے: (آپ نے فرمایا) میں حلال نہیں کرتا سوائے اس چیز کے جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہو اور حرام نہیں کرتا مگر اسے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا ہو"۔ امام شافعی نے اس حدیث کو اپنی کتاب الأم میں ان الفاظ سے ہی تخریج کیا ہے۔"

---

[1] الأم (۷: ۲۶۳)-

[2] الاتقان فی علوم القرآن (۲: ۱۲۵)-

ذیل میں ہم چند مثالیں اس قسم کی پیش کرتے ہیں جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ و لم نے خود واضح فرمایا ہے کہ میں نے یہ حکم اس آیت کے ضمن میں دیا ہے چنانچہ علامہ اسحاق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی المتوفی سن ۷۹۰ھ لکھتے ہیں:-

وفی الصحیح أیة المنافق ثلاث إذا حدث كذب و إذا وعد أخلف وإذا أؤتمن خان[1]

فقال ابن عباس وابن عمر وذكرا لرسول الله صلى الله عليه وسلم ما أهمهما من هذا الحديث فضحك عليه الصلاة والسلام فقال: «ما لكم ولهن إنما خصصت بهن المنافقين، أما قولي: إذا حدث كذب فذلك فيما أنزل الله علي: إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ[2] أفأنتم كذلك؟» قلنا: لا،

"صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کہے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے، اس پر حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ میں گفتگو ہوئی اور ان دونوں حضرات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر اس تشویش کا اظہار کیا جو اس حدیث کی بناء پر لاحق ہوئی تھی، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا کہ تمہارا ان باتوں سے کیا تعلق میں نے تو ان کو منافقوں کی خصوصیت بتلایا ہے (اب غور) میں نے جو یہ کہا کہ "منافق جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے" وہ اس لئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیت نازل فرمائی ہے "جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں

---

[1] مسند احمد (۲: ۲۰۰ و ۳۵۷ و ۳۹۷ و ۵۳۶) صحیح بخاری (۱: ۱۰ و ۳۶۹ و ۳۸۴) و (۲: ۹۰) صحیح مسلم (۱: ۵۶) جامع ترمذی (۲: ۸۷)-

[2] المنافقون: ۱

قال: «لا عليكم، أنتم من ذلك برآء، وأما قولي: إذا وعد أخلف، فذلك فيما أنزل الله عليّ: «وَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصَّالِحِيْنَ فَلَمَّا آتَاهُمْ مِنْ فَضْلِهِ بَخِلُوْا بِهِ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُوْنَ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ إِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ» لہ

أفأنتم كذلك؟» قلنا: لا، قال: «لا عليكم أنتم من ذلك برآء.

وأما قولي: إذا ائتمن خان، فذلك فيما أنزل إليّ: إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا

تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ

آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ یہ گواہی دیتا ہے

بتا دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں اب بتاؤ؟ کیا تمہارا بھی یہی حال ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ نہیں، آپ نے فرمایا: پھر تمہیں ڈر نہیں تم تو اس بات سے بری ہو۔

اور میں نے جو یہ کہا کہ منافق جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیت نازل فرمائی کہ بعض ان منافقین میں وہ ہیں کہ انہوں نے عہد کیا تھا اللہ سے کہ اگر اللہ نے ہم کو کچھ اپنے فضل سے (مال) دے دیا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ضرور ہو رہیں گے نیکی والوں میں سے، پھر جب دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے (مال) تو اس میں بخل کیا اور انحراف کیا (اور وعدہ سے پھر گئے) اس حال میں کہ روگردانی کرنے والے تھے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ (اللہ نے) ان کے دلوں میں نفاق اس دن (قیامت) تک کے لئے رکھ دیا کہ جب وہ اللہ سے ملیں گے اس وجہ سے کہ انہوں نے خلاف کیا اس

لہ التوبہ: ۷۵، ۷۶، ۷۷

وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ[1]، فكل إنسان مؤتمن في دينه فالمؤمن يغتسل من الجنابة في السر والعلانية ويصوم ويصلي في السر والعلانية والمنافق لا يفعل ذلك، أفأنتم كذلك؟ قلنا: لا، قال: «لا عليكم أنتم من ذلك برآء»[2]

وعدے کے جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا اور اس وجہ سے کہ جھوٹ بولتے تھے۔

(بتاؤ) کیا تمہارا بھی یہی حال ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ جی نہیں، آپ نے فرمایا: پھر تمہیں ڈر نہیں تم اس سے بری ہو۔

اور میں نے جو یہ کہا کہ جب منافق کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ خیانت کرتا ہے یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیت نازل فرمائی کہ ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے اپنے عجز کا اظہار کر کے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے لیکن اسے انسان نے اٹھا لیا؛ اس لئے ہر انسان اپنے دین کا امین اور محافظ ہے چنانچہ مؤمن غسل جنابت کرتا ہے ظاہراً بھی اور باطناً بھی اور روزہ نماز بھی کرتا ہے ظاہراً بھی اور باطناً بھی مگر منافق ایسا نہیں کرتا (وہ تو صرف مسلمانوں کو دکھانے کے لئے اپنے آپ کو روزہ دار ظاہر کرتا ہے لیکن حقیقت میں روزہ دار نہیں ہوتا یہی حالت اس کی نماز کی ہے) کیا تم بھی ایسے ہی ہو؟ ہم نے جواب دیا: جی نہیں، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر ڈر نہیں تم تو اس سے بری ہو۔"

غور فرمایئے کتنی صاف اور واضح مثال ہے قرآن کریم سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے استنباط کی جس میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح بھی موجود ہے کہ آپ نے جو کچھ بیان فرمایا وہ درحقیقت ان ہی آیات کی شرح ہے۔ علامہ شاطبی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:-

السنة راجعة في معناها إلى

معنی کے لحاظ سے سنت کا اصل مرجع

---

[1] الاحزاب : ۷۲

[2] الموافقات للشاطبی (۴ : ۱۳۳)-

الكتاب فهي تفصيل مجمله وبيان مشكله وبسط مختصره وذلك لأنها بيان له وهو الذي دل عليه قوله تعالى « وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ »[1] فلا تجد في السنة أمراً إلا والقرآن قد دل على معناه دلالة إجمالية أو تفصيلية، وأيضاً فكل ما دل على أن القرآن هو كلية الشريعة وينبوع لها فهو دليل على ذلك لأن الله قال: « وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ » وفسرت عائشة ذلك بأن خلقه القرآن، واقتصرت في خلقه على ذلك فدل على أن قوله وفعله وإقراره راجع إلى القرآن لأن الخلق محصور في هذه الأشياء ولأن الله جعل القرآن تبياناً

کتاب اللہ ہی ہے اس لئے کہ (سنت) اس (کتاب اللہ) کے مجملات کی تفصیل اور مشکلات کی وضاحت اور مختصرات کی شرح ہے، کیونکہ سنت کتاب اللہ کا بیان ہے اور اس کی دلیل اللہ کا یہ فرمان «وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم» ہے، لہٰذا تم سنت میں کوئی ایسی بات نہ پاؤ گے جس کے معنی پر قرآن کریم میں دلالت موجود نہ ہو خواہ دلالت اجمالی ہو یا تفصیلی، نیز ہر وہ دلیل جو اس بات کو بتاتی ہو کہ قرآن شریعت کا اصل ماخذ اور منبع ہے وہ اس پر بھی دلیل ہے کہ سنت کا اصل مرجع قرآن ہی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے) فرماتے ہیں کہ "آپ عظیم اخلاق کے مالک ہیں" اور حضرت عائشہؓ نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ آپ کا خلق (اخلاق) قرآن ہے" اور آپ کے اخلاق کے بارے میں حضرت عائشہؓ نے صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفا کیا جس سے یہ معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و افعال اور

---

[1] النحل : ۴۴

لكل شيء»؛ فيلزم من ذلك أن تكون السنة حاصلة فيه في الجملة لأن الأمر والنهي أول ما في الكتاب، ومثله قوله: «مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ»[1] وقوله: «الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ»[2] وهو يريد بإنزال القرآن، فالسنة إذاً في محصول الأمر بيان لما فيه وذلك معنى كون السنة راجعة إليه[3].

بیان سکوتی کا اصل مرجع قرآن کریم ہی ہے اس لئے کہ محقق ان ہی چیزوں میں منحصر ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ہر چیز کے لئے تبیان (وضاحت کرنے والا) بنایا اس سے بھی یہ لازم آتا ہے کہ سنت بھی فی الجملہ اس میں داخل ہو اس لئے کہ اوامر ونواہی تو قرآن کریم کی پہلی چیز ہیں (اور ظاہر ہے کہ اس کا بیان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے فرمایا ہے)، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا جو یہ ارشاد ہے کہ "ہم نے کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا" اور یہ جو فرمایا "آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا" یعنی قرآن کریم نازل کر کے، اس لئے خلاصہ یہ ہوا کہ سنت قرآن کریم کا بیان ہے اور یہی معنی ہیں سنت کے کتاب اللہ کی طرف راجع ہونے کے۔

اب رہیں وہ احادیث جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے علاوہ بہت سی چیزوں کا حکم دیا اور بہت سی چیزوں سے روکا ہے مثلاً وہ احادیث جن میں نماز، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کی تفصیل ہے تو بظاہر ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ احادیث میں قرآن کریم کے علاوہ بہت کچھ ہے لیکن اگر نظر غائر سے سب چیزوں کا مطالعہ کیا جائے تو یقیناً یہی نتیجہ نکلے گا کہ جو کچھ سنت میں ہے اس کی اصل قرآن کریم میں ضرور موجود

---

[1] الأنعام: ۳۸

[2] المائدة: ۳

[3] الموافقات (۴: ۱۲ و ۱۳)-

ہے، ہاں، اس کی تفصیل سنت نے بیان کی ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سنت کوئی الگ چیز ہو جائے، چنانچہ علامہ شاطبیؒ رقمطراز ہیں:۔

وأيضاً فإذا كان الحكم في القرآن إجمالياً وهو في السنة تفصيلي فكأنه ليس إياه؛ فقوله: ﴿أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ﴾ أُجمل فيه معنى الصلوٰة وبينه عليه الصلاة والسلام فظهر من البيان ما لم يظهر من المبين وإن كان معنى البيان هو معنى المبين ولكنهما في الحكم يختلفان، ألا ترى أن الوجه في المجمل قبل البيان التوقف وفي البيان العمل بمقتضاه؛ فلما اختلفا حكماً صار كاختلافهما معنى فاعتبرت السنة اعتبار المفرد عن الكتاب[1]

“نیز یہ کہ جب کوئی حکم قرآن میں اجمالاً مذکور ہو اور سنت میں تفصیلاً تو یہ تفصیل گویا قرآن میں نہیں ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ”نماز قائم کرو“ میں نماز کے معنی مجمل رکھے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیان فرمایا اور اس بیان کے ذریعہ وہ چیز ظاہر ہوگئی جو قرآن سے ظاہر نہ ہوئی تھی اگرچہ بیان اصل معنی کے لحاظ سے وہی مبیَّن ہے لیکن حکم میں دونوں مختلف ہیں اس لئے کہ مجمل کے بارے میں بیان آنے سے قبل توقف کیا جاتا ہے لیکن جب اس کے ساتھ بیان مل جائے تو اس کے مقتضیٰ پر عمل کرنا ضروری ہو جاتا ہے تو جب یہ (بیان اور مبیَّن) حکماً مختلف ہو گئے تو یہ گویا معنی بھی مختلف کی طرح ہو گئے، اس وجہ سے سنت کو کتاب اللہ سے الگ خیال کرلیا گیا۔“

اور وہ احادیث جن میں ان لوگوں کی برائی بیان کی گئی ہے جنہوں نے احادیث کو

---

[1] الموافقات (۴ : ۲۰)۔

چھوڑ کر اپنی رائے اور اجتہاد سے قرآن کو سمجھنا چاہا[1]۔ ان لوگوں کا مقصد چونکہ اپنی خواہشات نفسانیہ کا اتباع کرنا تھا تو ان کی مذمت میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان سے اگرچہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث قرآن کریم سے الگ ہے لیکن درحقیقت الگ نہیں بلکہ ایک ہی ہیں۔ ان لوگوں کی مذمت اس لئے کی گئی کہ انہوں نے سنت کو چھوڑ کر اپنی رائے کو حاکم بنا لیا تھا، چنانچہ خود علامہ شاطبیؒ ہی لکھتے ہیں :-

فإنما وقع الخروج عن السنة في أولئك لمكان إعمالهم الرأي واطراحهم السنن من جهة أخرى وذلك أن السنة توضح المجمل وتقيد المطلق وتخصص العموم وتخرج كثيراً من الصيغ القرآنية عن ظاهر مفهومها في أصل اللغة وتعلم بذلك أن بيان السنة هو مراد الله تعالى عن تلك الصيغ؛ فإذا اطرحت واتبع ظاهر الصيغ بمجرد الهوى صار صاحب هذا النظر ضالاً في نظره جاهلاً بالكتاب خابطاً في عمياء لا يهتدي إلى الصواب فيها

" ان لوگوں میں سنت سے خروج صرف اس لئے واقع ہوا کہ انہوں نے اس میں اپنی رائے کو چلا کر سنت کو نظر انداز کر دیا تھا نہ کہ کسی اور وجہ سے، اور یہ اس لئے کہ سنت چونکہ مجملات کی وضاحت اور مطلق کی تقیید اور عام کی تخصیص کرتی ہے اس لئے اصل لغت کے اعتبار سے بہت سے قرآنی صیغے (کلمات) اپنے ظاہری مفہوم پر باقی نہیں رہتے، اور اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ سنت کا یہ بیان ہی اللہ تعالےٰ کا ان صیغوں (کلمات) سے مقصد ہے، اس لئے جب اس سنت کو چھوڑ دیا جائے اور اپنی خواہشات کی بنا پر ظاہری الفاظ اور صیغوں کا اتباع کیا جائے تو اس نظریہ کا حامل شخص اپنی اس روش کی بنا پر گمراہ ہو جائے گا اور کتاب اللہ سے ناواقف

---

[1] مسند احمد (۱: ۳۶۹) و (۳: ۱۵۵) سنن ابی داؤد (۲: ۵۱۳) جامع ترمذی (۲: ۱۱۹)۔

إذ ليس للعقول من إدراك المنافع والمضار فى التصرفات الدنيوية إلا النزر اليسير وهى فى الأخروية أبعد على الجملة والتفصيل [1]

ہو کر تاریکیوں میں حواس باختہ سرگرداں پھرے گا اور صحیح راستہ کو نہ پا سکے گا، اس لئے کہ عقل انسانی تصرفات دنیویہ منافع اور مضار کے کچھ حصے کے علاوہ اور کچھ ادراک نہیں کر سکتی اور تصرفات اخرویہ میں تو اجمالاً اور تفصیلاً دونوں اعتبار سے عقل کا کسی بات کا ادراک کرنا بالکل ہی بعید ہے۔"

معلوم ہوا کہ سنت کا اصل مرجع قرآن کریم ہی ہے اگرچہ بظاہر ایسا محسوس نہ ہوتا ہو لیکن غور و فکر اور تدبر و امعان کے بعد یہ چیز بالکل محسوس اور مشاہد ہو جاتی ہے اسی لئے علامہ ابن برجان فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین مبارکہ کی اصل یا اس سے قریب قریب قرآن کریم میں موجود ہے جن کو خدا سمجھ دیتا ہے وہ علیٰ بصیرۃ اس کو سمجھتے ہیں [2]

ہمارے شیخ علامۃ العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری دامت برکاتہم (متعنی اللہ بطول حیاتہ وسقانی من علومہ وبرکاتہ) [3] "یتیمۃ البیان مقدمۃ مشکلات القرآن" میں اپنے شیخ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ الکشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

وكان يقول شيخنا إمام العصر: إذا تأمل المرء بالبصيرة النافذة فى حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم

"ہمارے شیخ امام العصر رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص روشن بصیرت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کو پڑھے گا تو اسے بہت سی

---

[1] الموافقات (۴: ۲۰ و ۲۱)۔

[2] الاتقان (۲: ۱۲۶)

[3] افسوس کہ اس رسالہ کی طباعت کے وقت رحمہ اللہ و رضی عنہ کے الفاظ لکھنے پڑتے ہیں۔

كشف له فى كثير من الأحاديث كأن القرآن عين ثرثارة تنبع منها هذه الأحاديث حتى ترى فى كثير منها إشارات لطيفة إلى تعبير القرآن أن له

احادیث میں محسوس ہوگا کہ گویا قرآن کریم ایک پھوٹنے والا چشمہ ہے جس سے یہ احادیث پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں اسی لئے بیشمار احادیث میں قرآن کریم کی تعبیر کی جانب آپکو لطیف اشارات ملیں گے۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضؓ کا ذوق بھی یہی تھا کہ حدیث کا ماخذ ع قرآن کریم ہی ہے چنانچہ صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے :-

والذى نفس محمد (صلى الله عليه وسلم) بيده لا يسمع بى أحد من هذه الأمة يهودى ولا نصرانى ثم يموت ولم يؤمن بالذى أرسلت به إلا كان من أصحاب النار[٢]

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ میری نبوت کا علم ہونے کے بعد اس امت کا کوئی فرد خواہ یہودی ہو یا نصرانی اگر اس حالت میں مرجائے کہ جس چیز (شریعت) کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اس پر ایمان نہ لاتے تو وہ جہنمیوں میں سے ہوگا۔"

* * *

ابو عبداللہ الحاکم النیسابوری المتوفی س۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :-

عن ابن عباس رضى الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من أحد يسمع بى من هذه الأمة يهودى ولا نصرانى ولا يؤمن

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت کا کوئی فرد خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی ایسا نہیں کہ جو میری نبوت کے بارے میں سنے اور

يتيمة البيان (ص: ١٤)۔

يح مسلم (١: ٨٦)۔

بي إلا دخل النار فجعلت أقول أين تصديقها في كتاب الله حتى وجدت هذه الآية: «وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ»[1] قال الأحزاب الملل كلها[2]

وہ مجھ پر ایمان نہ لائے تو وہ جہنم کی آگ میں داخل ہوگا۔ میں سوچنے لگا کہ اس کی تصدیق (اصل ماخذ) کتاب اللہ میں کہاں ہے؟ حتیٰ کہ میں نے اس آیت کو پالیا کہ "جو بھی جماعت اس (دین) کا انکار کرے گی (اسلام نہ لائے گی) تو جہنم اس کا ٹھکانا ہوگا"۔ فرماتے ہیں کہ (اس آیت میں لفظ) احزاب سے تمام ملتیں و مذاہب مراد ہیں"۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

ما بلغني حديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم على وجهه إلا وجدت مصداقه في كتاب الله.

"مجھ تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث بھی اپنی اصلی حالت میں پہنچی ہے میں اس کا مصداق کتاب اللہ میں ضرور پالیتا ہوں"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:-

إذا حدثتكم بحديث أنبأتكم بتصديقه من كتاب الله تعالى. أخرجهما ابن أبي حاتم[3]

"جب بھی میں تمہیں کوئی حدیث سناؤں تو قرآن کریم سے اس کی تصدیق پیش کر سکتا ہوں۔ ان دونوں (روایتوں) کی تخریج ابن ابی حاتم نے کی ہے"۔

علامہ جلال الدین سیوطی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک اور قول نقل کرتے ہیں:-

---

[1] ھود: ۱۷

[2] مستدرک حاکم (۲: ۳۴۲) إکفار الملحدين (ص ۳)۔

[3] الاتقان: ۲: ۱۲۵)۔

و قال ابن مسعود فيما أخرجه ابن أبي حاتم: ما من شيء إلا بين لنا في القرآن ولكن فهمنا يقصر عن إدراكه فلذلك قال تعالى: «لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ»[1]

"حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ تمام چیزوں کا بیان قرآن کریم میں موجود ہے لیکن ہماری فہم اس کا ادراک کرنے سے قاصر ہے اسی لئے اللہ نے فرمایا: تاکہ آپ کھول کھول کر بیان کر دیں اس چیز کو جو ان کی طرف نازل کی گئی۔"

* * *

اس پر علامہ سیوطی لکھتے ہیں:۔

فانظر إلى هذا الكلام من ابن مسعود أحد أجلاء الصحابة وأقدمهم إسلاماً[2]

"دیکھو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جو کبار صحابہؓ میں سے ہیں اور جن کا شمار قدیم ترین مسلمانوں میں ہے وہ کیا فرماتے ہیں۔"

امام شافعیؒ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

ولا يكون الحق معلوماً إلا عن الله نصاً أو دلالة من الله فقد جعل الله الحق في كتابه ثم سنة نبيه صلى الله عليه وسلم فليس تنزل بأحد نازلة إلا والكتاب يدل عليها

"حق (صحیح بات) کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور ذریعہ سے نہیں ہو سکتا خواہ نصاً (صراحۃً) ہو یا دلالۃً اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حق کو اپنی کتاب اور پھر اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں منحصر کر دیا ہے اسی وجہ سے کسی کو کوئی معاملہ ایسا پیش نہیں آتا کہ جس پر کتاب اللہ میں نصاً یا

---

[1] النحل: ۴۴

[2] مفتاح الجنة (ص ۱۸)۔

نصاً أو إجمالاً [1]

اجمالاً دلالت نہ پائی جاتی ہو"۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں:۔

ليست تنزل بأحد في الدين نازلة إلا في كتاب الله الدليل على سبيل الهدى فيها؛ فإن قيل: من الأحكام ما يثبت ابتداءً بالسنة، قلنا ذلك مأخوذ من كتاب الله في الحقيقة لأن كتاب الله أوجب علينا اتباع الرسول صلى الله عليه وسلم وفرض علينا الأخذ بقوله.

وقال الشافعي مرةً بمكة: سلوني عما شئتم أخبركم عنه في كتاب الله، فقيل له: ما تقول في المحرم يقتل الزنبور؛ فقال: بسم الله الرحمن الرحيم «وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا» [2]

"دین کے بارے میں کوئی بھی معاملہ کسی شخص کو پیش آئے قرآن کریم میں اس کے بارے میں آیت موجود ہوتی ہے اب اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ سنت سے بہت سے احکام ابتداءً ثابت ہوتے ہیں (اور وہ قرآن مجید میں نہیں ہوتے) اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ سنت دراصل کتاب اللہ ہی سے ماخوذ ہے اس لئے کہ کتاب اللہ نے ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع لازمی کردی ہے اور آپ کے قول پر عمل کرنے کو فرض قرار دیدیا ہے۔

ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں امام شافعیؒ نے اعلان کیا کہ مجھ سے جو چاہو پوچھو میں اس کا جواب کتاب اللہ سے دوں گا، ان سے سوال کیا گیا کہ آپ اس محرم کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں جو زنبور کو قتل کر ڈالے، فرمایا بسم اللہ الرحمن الرحیم "اور جو تمہیں رسول دیں اس کو لے لو اور جس سے روکیں

---

[1] الرسالة (ص ٢٠) الأم (٧ : ٢٧١)۔

[2] الحشر : ٧

وحکی ابن سراقة فی کتاب الإعجاز عن أبی بکر بن مجاهد أنه قال یوماً: ما من شیٔ فی العالم إلا هو فی کتاب الله فقیل له: فأین ذکر الخیانات فیه؟ فقال: فی قوله: «لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُیُوتًا غَیْرَ مَسْکُونَةٍ فِیهَا مَتَاعٌ لَّکُمْ»[1] فهی الخیانات.

ابن سراقہ کتاب الاعجاز میں ابوبکر بن مجاہد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک دن یہ کہا کہ عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کا تذکرہ کتاب اللہ میں موجود نہ ہو، ان سے کہا گیا کہ خانات (مسافر خانوں) کا تذکرہ اس (قرآن) میں کہاں ہے؟ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں کہ "اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ایسے غیر سکونتی گھروں میں داخل ہو جن میں تمہارا سامان ہو" فرمایا پس یہ خانات کا تذکرہ ہے"

* * * * *

ابن برجان فرماتے ہیں:

ما قال النبی صلی الله علیه وسلم ما من شیٔ فهو فی القرآن أو فیه أصله قرب أو بعد، فهمه من فهمه وعمه عنه من عمه، وکذلک کل ما حکم به أو قضی به وإنما یدرک الطالب من ذلک بقدر اجتهاده وبذل وسعه ومقدار فهمه[2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ بعینہ خود یا اس کی اصل قرآن کریم میں ضرور موجود ہے خواہ فہم کے قریب ہو یا بعید جو سمجھتا ہے وہ اس کو سمجھ لیتا ہے اور جسے خدا سمجھ نہ دے وہ اس کو نہیں سمجھ سکتا، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکامات اور فیصلوں کا حال ہے انسان اس کو اپنی محنت کوشش اور عقل و فہم اور جتنی طاقت خرچ کرتا ہے اس کے

---

[1] النور: ٢٩

[2] الإتقان (٢: ١٢٥ و ١٢٦)-

مطابق اس کو معلوم کر لیتا ہے؟

اور محدث نصر مقدسی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں :۔

ما من شيء إلا وعلمه في القرآن ولكن رأي الرجال يعجز عنه [1]

''کوئی چیز ایسی نہیں جس کا علم قرآن مجید میں نہ ہو البتہ اتنا ہے کہ لوگوں کی عقل فہم اس کے ادراک کرنے سے قاصر و عاجز ہے''

اور علامہ عبدالحی کتانی لکھتے ہیں :۔

قال عبد الرحمن قال بعض من أدركنا من أهل العلم المتبحرين في العلوم: الحديث الصحيح اطلبوا لفظه أو معناه في القرآن تجدوه هذا من ذلك القبيل وذكر الإمام ابن مرزوق عن بعض شيوخه أنه كان كثيراً ما يشرح مضمن الأحاديث من الآيات، وقال رحمه الله حين ذكر: "الصبر عند الصدمة الأولى" الحديث: إن نظيره من القرآن قوله تعالى: «وَالصّٰبِرِيْنَ

(ہمارے شیخ) عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ بعض ایسے متبحر عالم جن سے ہماری ملاقات ہوئی یہ کہتے تھے کہ: صحیح حدیث کے الفاظ یا اس کے معنی قرآن کریم میں تلاش کرو اس حدیث کو بھی تم اسی طرح کا پاؤ گے۔ امام ابن مرزوقؒ اپنے بعض شیوخ کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ اکثر احادیث کے مضمون کی شرح قرآن کریم کی آیات سے کیا کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے (اللہ ان پر رحم کرے) جب کہ حدیث "الصبر عند الصدمة الأولى" کا ذکر کیا تو فرمایا اس کی نظیر قرآن کریم میں آیت وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَحِيْنَ

---

[1] مفتاح الجنۃ (ص: ۴۷)۔

[2] مسند احمد (۱: ۳۷۵) و (۳: ۱۳۰، ۱۴۳ و ۲۱۷) صحیح بخاری (۱: ۱۷۴) و (۲: ۱۰۵۹) صحیح مسلم (۱: ۳۰۱) وغیرہ

فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ[۱]

البأس ہے (یعنی وہ لوگ جو صبر کرنیوالے ہیں تنگی اور شدت اور جنگ (لڑائی) کے وقت)

اس کے بعد لکھتے ہیں :-

قلت : قد سلك هذه الطريقة من خيار عصرنا الفقيه الصالح البركة العلامة العارف الصوفي سيدي عبد الرحمن الفاسي حفظه الله وذكر عنده حديث فاطمة في طلب الخادم من النبي صلى الله عليه وسلم وقول النبي صلى الله عليه وسلم لها ولعلي «فذلك خير لكما من خادم»[۲] قال حفظه الله: مصداق ذلك قوله تعالى: «وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا[۳]» الآية وفي نفحة المسك الداري لجدنا من قبل الأم

"میں (مصنف) کہتا ہوں کہ یہی طریقہ ہمارے زمانہ کے بہترین حضرات میں سے فقیہ صالح سراپا برکت علامہ عارف صوفی سیدی عبد الرحمٰن فاسی حفظہ اللہ کا ہے، چنانچہ ان کے سامنے جب حضرت فاطمہؓ کی وہ حدیث ذکر کی گئی جس میں یہ آتا ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خادم مانگا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت علی کو فرمایا تھا (کہ تم نماز کے بعد سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر پڑھ لیا کرو) یہ ذکر تمہارے لئے خادم سے بہتر ہے، تو (عبد الرحمٰن) حفظہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا مصداق آیت شریفہ "والباقیات الصالحات خیر عند ربك ثواباً وخیر أملاً" ہے.

ہمارے پردادا کے نانا ابو الفیض حمدون بن الحاج نے " نفحۃ المسک الداری" میں

---

[۱] البقرۃ : ۱۱۷

[۲] صحیح بخاری (۱: ۵۲۶) و (۲: ۸۰۷ و ۸۰۸ و ۹۳۵) صحیح مسلم (۲: ۳۵۱) مسند احمد (۱: ۹۶، ۱۲۳، ۱۳۶، ۱۴۶، ۱۵۳) وغیرہ

[۳] سورۂ کہف : ۴۶

أبي الفيض حمدون بن الحاج على قوله في نظمه لمقدمة ابن حجر :

جس میں ابن حجر کے مقدمہ کو نظم کیا ہے ان دو شعروں کی شرح کرتے ہوئے

لأن كتاب الله منسوج سندس
ولفظ رسول الله طرز معلم
كأن كتاب الله من قوم عسجد
ولفظ رسول الله غنج متمم

فكتب على شرحها بقلمه عن نفسه أنه كان يدرس الصحيح ويبين في كل باب أصله من الكتاب.

وفي رياض الورد لولده خاتمة المحققين المطلعين بفاس أبي عبد الله محمد الطالب ابن حمدون بن الحاج الذي ألفه في ترجمة والده المذكور أنه كان كثيراً ما يشرح مضمن أحاديث الصحيح من الآية ويبين في كل ترجمة أصلها من الكتاب، قال: وهذه طريقة أهل العلم

اپنے قلم سے لکھا ہے کہ وہ جب صحیح بخاری پڑھاتے تھے تو ہر باب کی اصل کو کتاب اللہ سے نکال کر بتلایا کرتے تھے۔

اور ان کے صاحبزادے ابو عبد اللہ محمد الطالب بن حمدون بن الحاج جن پر فاس میں ریسرچ اور تحقیق ختم تھی، اپنی تصنیف "ریاض الورد" میں جس میں انہوں نے اپنے والد مذکور کے حالات بیان کئے ہیں، لکھا ہے کہ وہ اکثر صحیح بخاری کی احادیث کی قرآن کریم کی آیات سے شرح بیان کیا کرتے تھے اور ہر ترجمۃ الباب میں اس کی اصل کتاب اللہ سے پیش کرتے تھے، اور یہی ان علماء کرام کا طریقہ رہا ہے

المتبحرين في العلوم[1] | جو علوم میں متبحر ہیں :

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جو گودنے اور گدوانے الیوں سے متعلق ہے اور جیسے ہم " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر کی اتباع کا حکم " کے ضمن بیان کر چکے ہیں ۔ اس میں انہوں نے یہی واضح فرمایا تھا کہ ایسی عورتوں پر لعنت ان کریم میں بھی وارد ہے اور دلیل میں آیت " وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ[2] پیش ہی ۔

حافظ ابن حجر المتوفی ۸۵۲ھ ایک حدیث کے فوائد کے ضمن میں لکھتے ہیں :-

وفي حديث كعب بن عجرة من الفوائد غير ما تقدم أن السنة مبينة لمجمل الكتاب لإطلاق الفدية في القرآن وتقييدها بالسنة[3]

" حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرے ہوئے فوائد کے علاوہ ایک یہ بھی ہے کہ سنت (حدیث) کتاب اللہ کے مجملات کو بیان کرنے والی ہے اس لئے کہ قرآن کریم میں فدیہ کا ذکر مطلقاً کیا گیا ہے لیکن سنت نے اسے مقید کر دیا ۔"

علامہ بدرالدین عینی المتوفی ۸۵۵ھ نے بھی یہی لکھا ہے کہ سنت کتاب اللہ کے مجملات بیان کرنے والی ہے[4]

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے :-

" باب ما أبان الله لخلقه من فرضه على رسوله اتباع ما

---

[1] الترتيب الإدارية (۲ : ۲۰۰ و ۲۰۱) ۔

[2] الحشر : ۷

[3] فتح الباری (۴ : ۱۶) ۔

[4] عمدة القاری (۵ : ۱۵۶) ۔

أوحى إليه وما شهد له به من اتباع ما أمر به ومن هداه وأنه هاد لمن اتبعه "

اس کے ذیل میں لکھتے ہیں :-

اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا :-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝[1]

" اے نبی ڈر اللہ سے اور منکروں اور منافقوں کا کہنا نہ مان بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا حکمتوں والا ہے ۔ اور چل اس پر جو حکم آئے تجھ کو تیرے رب کی طرف سے بے شک اللہ تمہارے کام کی خبر رکھتا ہے "

اور فرمایا :-

اِتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝[2]

" تو چل اس پر جو تجھ کو حکم آئے تیرے رب کا کوئی معبود اس کے سوا نہیں اور منہ پھیر لے مشرکوں سے "

اور فرمایا :-

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝[3]

" پھر ہم نے تجھ کو رکھا ایک راستہ پر دین کے کام کے سو تو اس پر چل اور مت چل خواہشوں پر نادانوں کی "

---

[1] الاحزاب : ۱و۲

[2] الانعام : ۱۰۶

[3] الجاثیہ : ۱۸

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس احسان سے آگاہ کیا جو اس کے علم ابق میں تھا کہ وہ آپ کو لوگوں کی گزند سے محفوظ رکھے گا چنانچہ فرمایا :-

يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ
إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَإِنْ لَّمْ
تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ
وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ[1]

" اے رسول پہونچا دے جو تجھ پر اترا تیرے
رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے
کچھ نہ پہونچایا اس کا پیغام اور اللہ تجھ کو
بچالے گا لوگوں سے "

اس کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ نے ان آیات کو پیش کیا جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر بخوبی مکمل طریقے سے خود بھی عمل کیا اور صحیح راستہ اختیار کیا اور دوسروں کو صحیح راستہ بتلایا، چنانچہ ارشاد باری ہے :-

وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوْحًا
مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ
مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْإِيْمَانُ وَلٰكِنْ
جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ
نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ
لَتَهْدِيْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ[2]

" اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری طرف
ایک فرشتہ اپنے حکم سے تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے
کتاب اور نہ ایمان لیکن ہم نے رکھی ہے یہ روشنی
اس سے راہ سجھا دیتے ہیں جس کو چاہیں اپنے
بندوں میں سے اور بے شک تو سجھاتا
ہے سیدھی راہ "

اور فرمایا :-

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ
رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ
أَنْ يُّضِلُّوْكَ وَمَا يُضِلُّوْنَ
إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ

اور اگر نہ ہوتا تجھ پر اللہ کا فضل اور اس
کی رحمت تو قصد کر چکی تھی ان میں کی
ایک جماعت کہ تجھ کو بہکا دیں اور وہ
بہکا نہیں سکتے مگر اپنے آپ کو اور تیرا

---

[1] المائدہ : ٦٧

[2] الشوریٰ : ٥٢

مِنْ شَيْءٍ ۚ وَأَنْزَلَ اللَّهُ
عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ
عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَ
كَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا[1]

کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اور اللہ نے اتاری
تجھ پر کتاب اور حکمت (سنت) اور تجھ کو
سکھائیں وہ باتیں جو تو نہ جانتا تھا اور
اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے۔“

ان آیات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو واضح فرمایا کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ وا
پر یہ لازم ہے کہ خدا کے حکموں کی اتباع کریں اور اللہ تعالیٰ نے خود اس بات کی گواہی بھی دید
آپ نے اپنے اس فرض منصبی کو بطریق احسن پورا کر دیا اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسل
نے متنبہ کر دیا۔ فرمایا :-

ماترکت شیئاً مما أمرکم
الله به إلا وقد أمرتکم به
ولاترکت شیئاً ممانهاکم
الله عنه إلا وقد نهیتکم عنه

”خدا نے جن چیزوں کا تمہیں حکم دیا ہے
میں نے ان میں سے کوئی چیز نہیں چھوڑی
ان تمام چیزوں کا تمہیں حکم دے دیا اور جن
چیزوں سے خدا نے تمہیں روکا تھا ان
میں سے بھی کوئی چیز نہیں چھوڑی تمام چیزوں سے میں نے تمہیں منع کر دیا۔“

اس کے بعد امام شافعیؒ فرماتے ہیں :-

اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی علم اور ناقابل تردید حتمی فیصلہ سے اپنے ان احسانات سے
اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کئے ہیں آگاہ فرما دیا کہ ان میں ایک احسان یہ بھی ہے کہ آپ
کو اس سے محفوظ رکھا کہ وہ آپ کو راستہ سے ہٹا سکیں اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علی
وسلم کو یہ بھی بتلا دیا کہ وہ آپ کو کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتے اور پھر اللہ تعالیٰ نے شہادت د
کہ آپ خدا کا مقرر کردہ سیدھا راستہ بتلانے والے ہیں اور آپ نے رسالت کا حق ادا کر
اور اللہ تعالیٰ کے اوامر کا پورا پورا اتباع کیا ہے اور جو آیات میں پہلے ذکر کر چکا ہوں جن میں اللہ
تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو فرض قرار دیا اور اس کی تاکید فرمائی ہے

---

[1] النساء : ۱۱۳

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننے اور ان کے اوامر کے اتباع کو لازم کیا ہے۔

امام شافعیؒ لکھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو امور سنت قرار دیے ہیں جن کے بارے میں کوئی صریح حکم نہ ہو تو درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم ہی سے ان کو سنت قرار دیا ہے، یہی اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے اس قول کے ذریعہ بتلایا:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ [1]	"بے شک آپ سیدھے راستہ کی طرف جو اللہ کا مقرر کردہ راستہ ہے لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں"

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں کتاب اللہ میں نص ہو وہاں بھی اور جہاں بعینہٖ نص نہ ہو وہاں بھی دونوں جگہ سنت قرار دی ہے، بہرصورت جس چیز کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سنت قرار دیں اللہ تعالیٰ نے ہم پر اس کے اتباع کو لازم کر دیا ہے اور آپ کی اتباع میں ہی اپنی اطاعت کو منحصر رکھا ہے اور آپ کی اطاعت سے اعراض کو معصیت قرار دیا ہے اور اس سلسلہ میں کسی کا کوئی عذر قبول نہیں کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین مبارکہ کی اتباع سے بچنے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہنے دیا جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور اس وجہ سے بھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا ألفين أحدكم متكئًا على أريكته يأتيه الأمر من أمري مما أمرت به أو نهيت عنه فيقول: لا أدري ما وجدناه في كتاب الله اتبعناه۔	"میں تم میں سے کسی شخص کو اس طرح نہ پاؤں کہ وہ اپنے تخت پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو اسکے پاس میرا کوئی حکم یا میری طرف سے کسی چیز کے بارے میں ممانعت آئے اور وہ یہ کہنے لگے کہ میں تو کچھ نہیں جانتا جو ہم کتاب اللہ میں پائیں گے اسی کی اتباع کریں گے۔"

---

[1] الشوریٰ : ۵۲ و ۵۳

اس کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کتاب اللہ کے ساتھ دو صورتوں میں ہو گی ۔

۔ ۔ ۔ ایک یہ کہ کتاب اللہ میں منصوص حکم ہو اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اتباع اسی طرح کیا ہو جس طرح کہ وہ نازل ہوا ۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجمل سے جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے اس کے معنی کو سمجھایا ہو اور یہ بتلایا ہو کہ اس کی فرضیت عام ہے یا خاص ، اور یہ کہ بندے اس کو کس طرح ادا کریں ، اور ان دونوں صورتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی کتاب ہی کا اتباع کیا ہے ۔

اور پھر لکھتے ہیں :-

تمام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ سنت نبوی کی تین صورتیں ہیں جن میں سے دو پر اتفاق ہے اور دونوں کبھی مل جاتی ہیں اور ان کی فروعات رونما ہوتی ہیں ۔ ان میں سے ایک یہ کہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں نص قرآنی نازل کی ہو اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نص کے مطابق اس کو بیان کیا ہو ، اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں مجمل حکم نازل کیا ہو اور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے وہ معنی بیان کر دیے ہوں جو اللہ تعالیٰ کا مقصد تھے ، اور ان دونوں صورتوں میں کسی کا اختلاف نہیں ۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی سنت ایسی قرار دی ہو جس میں کتاب اللہ کی نص نازل نہ ہوئی ہو ، اس کے بارے میں بعض علماء تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ آپ کی اطاعت فرض کی ہے اور اللہ تعالیٰ کو پہلے سے یہ علم تھا کہ آپ ایسے کام کریں گے جو خدا کی مرضی کے موافق ہوں گے تو اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حق دیا ہے کہ آپ ایسے امور میں سنت جاری فرمائیں جہاں پر کتاب اللہ کا منصوص حکم نہ ہو ۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ آپ نے کوئی سنت اپنی جانب سے جاری نہیں فرمائی اور جو جاری فرمائی ان کی اصل کتاب اللہ میں موجود ہے ، جیسے کہ آپ نے سنت (احادیث) کے ذریعہ رکعات نماز کی تعداد کی تعیین کی اور اسی طرح اس کے تمام لوازمات کی ، اور اس کی اصل قرآن کریم میں ہے اور وہ ہر

فرضیتِ صلاۃ کا حکم ۔ اور اسی طرح اور دیگر معاملات بیوع وغیرہ ہیں کہ آپ نے احادیث کے ذریعہ ان کا حکم شرعی بیان کیا اس لئے کہ اللہ جل شانہٗ فرماتے ہیں :-

لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ [1]	" اپنے مال کو آپس میں باطل طریقہ سے نہ کھاؤ "

نیز فرمایا :-

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا [2]	" اللہ نے بیع (خرید و فروخت) کو حلال کیا اور ربا (سود) کو حرام فرمایا "

اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کسی چیز کو حلال یا حرام فرمایا ان سب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبیین کی خدمت انجام دی ہے بعینہٖ اسی طرح جس طرح کہ نماز کی تبیین رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ۔

اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ کا پیغام آیا اور اس فرض الٰہی کی بناء پر رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنت قرار دیا ۔

اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ تمام وہ اشیاء جنہیں آپ نے سنت قرار دیا وہ آپ کے قلب مبارک میں القاء کر دی گئی تھیں اور آپ کی سنت وہی حکمت ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کے دل میں ڈال دی گئی تھی اس لئے جو کچھ آپ کے دل میں ڈالا گیا ہے وہ آپ کی سنت ہو گئی ۔

بہر صورت کچھ بھی ہو اللہ تعالیٰ نے اس بات کو واضح فرما دیا کہ لوگوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع لازمی ہے ، اور جب کوئی چیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جائے تو اس کی مخالفت کرنا کسی کے لئے درست نہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو دین کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا محتاج بنایا ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

البقرہ ، ۱۸۸

البقرہ : ۲۷۵

نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی توضیح فرمائی ہے۔

آخر میں امام شافعیؒ لکھتے ہیں :-

إن سنته صلى الله عليه وسلم إذا كانت سنة مبينة عن الله معنى ما أراد من مفروضه فيما فيه كتاب يتلونه وفيما ليس فيه نص كتاب أخرى فهي كذلك أين كانت لا يختلف حكم الله ثم حكم رسوله بل هو لازم بكل حال [1]

”جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اللہ تعالےٰ نے کتاب اللہ میں جو فرض کیا تھا، اس کے معنی و مراد کو بیان کرنے والی ہوگئی اور اس میں بھی کہ جس میں کتاب اللہ کی کوئی نص موجود نہ ہو، تب بھی یہ سنت ہی رہے گی خواہ کوئی صورت ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم کسی حالت میں مختلف نہیں ہو سکتا بلکہ ہر حالت میں اس کی تعمیل لازم ہے۔“

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

علامہ جلال الدین سیوطیؒ ”مفتاح الجنۃ“ میں رقمطراز ہیں :-

واحتج من ذهب إلى أنه لم يسن إلا بأمر الله إما بوحي ينزله عليه فيتلى على الناس أو برسالة ثابتة عن الله أن أفعل كذا بقوله صلى الله عليه وسلم فيما رواه الشيخان في قصة الزاني: لأقضين

”اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے کوئی سنت خدا کے حکم کے بغیر مقرر نہیں کی خواہ وہ حکم اس وحی کے ذریعہ ملتا ہو جو آپ پر نازل ہوتی تھی اور لوگوں کے سامنے پڑھی جاتی تھی خواہ اس پیغام کے ذریعہ جو خدا کی جانب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا جاتا تھا کہ یہ کام کریں یہ نہ کریں، یہ حضرات حضور انور

---

[1] الرسالۃ للشافعی (ص ۸۵ تا ۱۰۴)

بينكما بكتاب الله"[١] ثم قضى بالجلد والتغريب، وليس التغريب في القرآن، وبما أخرجه الشيخان[٢] عن يعلى بن أمية رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان بالجعرانة فجاء رجل عليه جبة متضمخ بطيب وقد أحرم بعمرة فقال: يارسول الله كيف ترى في رجل أحرم بعمرة في جبة بعد ما تضمخ بطيب؛ فنظر إليه النبي صلى الله عليه وسلم ساعة ثم سكت فجاءه الوحي فأنزل الله: ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾[٣] ثم سري عنه فقال: لا أين

صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک سے استدلال کرتے ہیں جسے امام بخاری وسلم نے زانی کے اس قصہ میں روایت کیا ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ میں تمہارا فیصلہ کتاب اللہ سے کروں گا اور پھر آپ نے کوڑے اور شہر بدر کرنے کا فیصلہ کیا حالانکہ شہر بدر کرنے کا حکم قرآن کریم میں نہیں ہے۔ اسی طرح یہ حضرات اس روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں جسے شیخین حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ میں تھے کہ ایک شخص عطر لگا ہوا جبہ پہنے ہوئے آیا اور اس نے عمرہ کے لئے احرام باندھا ہوا تھا اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس نے عمرہ کا احرام جبہ میں خوشبو لگانے کے بعد باندھا ہو، حضور اکرم

---

[١] صحیح بخاری (۲: ۱۰۰۸ و ۱۰۱۰ و ۱۰۱۲ و ۱۰۱۳ و ۱۰۶۸ و ۱۰۷۸) صحیح مسلم (۲: ۶۹) مسند طیالسی (۴: ۱۲۸) و (۶: ۱۸۹) و (۱۰: ۳۲۸) وغیرہ۔

[٢] صحیح بخاری (۱: ۲۰۸ و ۲۴۱) صحیح مسلم (۱: ۳۷۴ و ۳۷۲) سنن ابی داود (۱: ۲۵۳) وغیرہ۔

[٣] البقرہ: ۱۹۶

الذی سألنی عن العمرة آنفا، أما الطیب الذی بك فاغسله ثلاث مرات، وأما الجبة فانزعها ثم اصنع فی عمرتك ما تصنع فی حجتك [1]

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف تھوڑی دیر دیکھا اور پھر خاموش ہو گئے اس اثناء میں آپ پر وحی نازل ہوئی اور اللہ نے حکم دیا کہ "حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو" پھر آپ سے وہ کیفیت (جو وحی کے نزول کے وقت ہوتی تھی) دور کر دی گئی تو آپ نے فرمایا کہ وہ شخص کہاں ہے جس نے مجھ سے ابھی عمرہ کے بارے میں پوچھا تھا اور پھر آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ جو خوشبو تمہارے لگی ہے اسے تین مرتبہ دھولو اور جبہ کو اپنے جسم سے علیحدہ کر دو اور پھر اس کے بعد عمرہ میں وہ تمام افعال بجالاؤ جو حج میں کرتے تھے۔"

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کے بجائے کتاب کا لفظ استعمال فرمایا ہے ارشاد ہے:۔

وَمَآ أَنزَلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ ٱلَّذِى ٱخْتَلَفُوا۟ فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ [2]

"اور ہم نے آپ پر کتاب اس لئے اتاری ہے کہ آپ ان کو وہ چیز کھول کر سنا دیں جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں اور سیدھی راہ سمجھانے کو اور رحمت ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں۔"

* * *

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:۔

وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِۦ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ [3]

"اور کوئی رسول نہیں بھیجا ہم نے مگر بولی بولنے والا اپنی قوم کی تاکہ ان کو سمجھائے۔"

---

[1] مفتاح الجنۃ (ص ۹ و ۱۰)۔

[2] النحل ۶۴: [3] ابراھیم ۴:

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں اللہ جل شانہٗ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے منصب کو بیان فرمایا ہے کہ انہیں دنیا میں بھیجا ہی اس لئے جاتا ہے کہ وہ خدا کے احکام لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کریں یعنی اللہ جل شانہٗ کے نازل فرمودہ احکام کو اپنے الفاظ میں بیان کریں اور یہی منصب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا کیا گیا آپ نے اس فریضہ کو نہایت خوبی، حسن اسلوب، محنت و جانفشانی کے ساتھ ادا فرمایا اور خدائے پاک کے اوامر و نواہی اور احکامات و قوانین کو امت کے سامنے اپنے الفاظ میں واضح فرمایا اور اسی توضیح کا نام سنت و حدیث ہے۔

ایک اور آیت کریمہ میں ارشاد باری ہے :-

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ [1]	"پھر اس کا بیان کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے"

یعنی قرآن کریم کی ساری تشریح اور توضیح بھی ہم آپ کی زبان سے کرائیں گے آپ نے جتنی بھی آیات کی شرح کی ان کے مقاصد اور محمل کو متعین کیا اور مقصودی معنی کی تعیین کی وہ سب کچھ اس وحی خفی کے ذریعہ تھا، اسی بیان کے تحت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام وہ تفصیل داخل ہے جو آپ نے قرآن کریم کی روشنی میں کی۔ احکام شریعت اور شعائر اسلام کی تفصیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے ذریعہ ہی کی اور یہ بیان بعینہٖ اللہ جل شانہٗ کا بیان تھا اور اسی کو ایک دوسری آیت کریمہ میں ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے :-

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى [2]	"اور وہ نہیں بولتے کچھ بھی اپنی خواہش سے وہ تو وحی ہے بھیجی ہوئی"

گویا جس طرح آپ پر وحی جلی (قرآن کی) نازل ہوتی تھی اسی طرح وحی خفی (سنت و حدیث کی) بھی نازل ہوتی تھی جو قرآن شریف کی تبیین اور احکام کے لئے تفصیل کا کام دیا کرتی تھی اور اس کا تسلیم کرنا اور اس کی اتباع کرنا ہر شخص پر لازم ہے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ اس تبیین پر منجانب اللہ مامور تھے اور مخلوق اس کے قبول کرنے پر بحکم الٰہی مجبور ہے، آپ مطاع ہیں اللہ نے بندوں پر آپ کی اطاعت لازم کر دی ہے جیسا کہ ہم ابتداء میں تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔

---

[1] القیامہ : ۱۹

[2] النجم : ۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت حاکمِ اعلیٰ

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس امر کی تصریح ک ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام ہی امت کے حاکم اعلیٰ ہیں فیصلہ کرنے کا حق صرف آپ ہی کو ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے:-

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ
بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ
بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ[1]

"بے شک ہم نے آپ کی طرف سچی کتاب اتاری ہے تاکہ آپ لوگوں میں انصاف کریں جو کچھ اللہ آپ کو سمجھائیں اس کے مطابق"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں "لتحکم" "تاکہ آپ فیصلہ کریں" آپ کا منصب باہمی نزاعات میں فیصلہ کرنا بھی ہے اور لوگوں پر لازم ہے کہ آپ کے فیصلوں کو تسلیم کریں اور پھر یہ واضح فرما دیا کہ آپ کے یہ فیصلے اپنی جانب سے نہیں ہوا کرتے بلکہ یہ خدا کی طرف سے بتلائے ہوئے ہوتے ہیں فرمایا "بما أراك الله" "اللہ جو آپ کو سمجھائیں اس کے موافق"، تو جب یہ فیصلے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوئے تو لازماً بذریعہ وحی ہوئے (لیکن وحی غیر متلو سے) اس لئے لوگوں پر آپ کے فیصلوں کو تسلیم کرنا ضروری اور لازم ہ

ایک اور آیت کریمہ میں منصب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان الفاظ میں بیان فرمایا اور ساتھ ہی مسلمانوں کو ان کی اتباع پر مامور فرمایا ارشاد ہے:-

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ ٱلْمُؤْمِنِينَ
إِذَا دُعُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ
لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا۟ سَمِعْنَا
وَأَطَعْنَا ۚ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ
ٱلْمُفْلِحُونَ[2]

"ایمان والوں کی بات تو یہی ہوتی ہے کہ جب بلائیے ان کو اللہ اور رسول کی طرف ان کے درمیان فیصلہ کرنے کو تو کہیں ہم نے سن لیا اور حکم مان لیا اور وہی لوگ ہیں جن کا بھلا ہے"

---

[1] النساء : ۱۰۵

[2] النور : ۵۱

مومنوں کی شان ہی یہ ہے کہ وہ نبی کے فیصلہ کو بسر و چشم قبول کیا کرتے ہیں، ایک اور آیت میں فرمایا :-

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا [۱]

"سو قسم ہے آپ کے رب کی کہ وہ مومن نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ آپ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے پھر نہ پائیں اپنے جی میں تنگی آپ کے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے۔"

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا :-

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا [۲]

"اور کام نہیں کسی ایمان دار مرد کا اور نہ ایمان دار عورت کا جب کہ مقرر کرے اللہ اور اس کا رسول کوئی کام کہ رہے ان کو اختیار اپنے کام کا اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور اس کے رسول کی سو وہ راہ بھولا صریح چوک کر۔"

مندرجہ بالا آیات سے واضح ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف سے مقرر کردہ حاکم اعلیٰ ہیں مسلمانوں کو ان کے فیصلے قبول کرنا ضروری ہے اور اسی پر مدار ایمان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت شارع

ارشاد ربانی ہے :-

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ

"وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی اُمّی ہے جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا

---

[۱] النساء : ۶۵

[۲] الأحزاب : ۳۶

مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ
وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ
لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ
الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ
وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ
فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ
وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ
الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ط[لہ]

اپنے پاس توریت اور انجیل میں، وہ حکم
کرتا ہے ان کو نیک کام کا اور منع کرتا ہے
بُرے کام سے اور حلال کرتا ہے ان کے
لئے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے
ان پر ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان
پر سے ان کے بوجھ اور وہ قیدیں جو ان
پر تھیں، پس جو لوگ اس پر ایمان لائیں
اور اس کی رفاقت کریں اور اس کی مدد
کریں اور تابع ہوں اس نور کے جو اس
کے ساتھ اترا ہے وہی لوگ ہو پہنچے اپنی مراد کو"

جس طرح مندرجہ بالا آیت کریمہ میں اللہ جل شانہٗ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریعی منصب کو بیان فرمایا ہے اسی طرح اس آیت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے نافذ کرنے کی بھی خبر دی ہے۔ چنانچہ " امر بالمعروف " میں تمام امورِ خیر اچھے اور مفید کاموں کے کرنے کا حکم آگیا خواہ وہ عبادات ہوں خواہ معاملات، خواہ شخصی ہوں خواہ اجتماعی۔

"نہی عن المنکر" میں تمام قابل انکار ناپسندیدہ اور خراب کاموں سے منع کرنا داخل ہے خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو خواہ معاملات سے۔

"تحلیل طیبات" میں وہ تمام پاکیزہ اشیاء جو عمدہ اور مفید ہوں ان کا حلال کرنا آگیا، خواہ ان کا تعلق ماکولات سے ہو یا مشروبات سے، منکوحات سے ہو یا ملبوسات سے سب اس میں داخل ہیں۔

"تحریم خبائث" میں تمام گندی مضرت رساں اور ذوق سلیم اور فطرت صحیحہ کے

[لہ] الاعراف: ۱۵۷

اعتبار سے ناپسندیدہ اشیاء سے منع کرنا اور ان کو حرام کرنا آگیا خواہ وہ ماکولات ہوں یا مشروبات سب اس میں شامل ہیں۔

"وضع اصر" میں ان سخت احکام کا دور کرنا آگیا جو پہلی امتوں پر ان کی نافرمانیوں کی بنا پر عائد کئے گئے تھے۔

غرض اس تشریع کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا ہے اور لوگوں پر آپ کی اتباع لازم کردی گئی ہے، اس آیت کی روشنی میں آپ نے بہت سی چیزیں حلال فرمائیں اور بہت سی چیزوں کو حرام قرار دیا جن کی تفصیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

آیت کریمہ بالا میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں، اب اتباع جس طرح وحی جلی یعنی قرآن کریم کے احکام کی لازمی ہے اسی طرح وحی خفی کی بھی ضروری ہے کہ جس میں سارے احکام کی تفصیل ہے۔

سورۂ فرقان میں ارشاد ہے:۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا[1]	"اور تجھ کو ہم نے بھیجا یہی خوشخبری اور ڈر سنانے کے لئے"

اس آیت مبارکہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب انذار و تبشیر بیان کیا گیا ہے اور خوشخبری سنانا اور ڈرانا کبھی قرآن کریم کے ذریعہ ہوتا ہے اور کبھی احادیث طیبہ کے ذریعہ۔

سورۂ نور میں ارشاد ہے:۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا[2]	"مت سمجھو بلانا رسول کا اپنے اندر برابر اس کے جو بلاتا ہے تم میں ایک دوسرے کو"

اس آیت کریمہ میں رسول کے بلانے اور پکارنے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے اور پکارنے کے برابر قرار دینے سے منع کیا گیا ہے یعنی رسول کی حیثیت امت کے تمام افراد

---

[1] آیت - ۵۶

[2] آیت - ۶۳

سے بہت بالاتر ہے، اور جب نبی کی پکار کی یہ حیثیت ہے تو پھر احادیث مبارکہ کی کیا حیثیت ہوگی؟ خود اندازہ لگا لیجیے۔ ارشادات نبی تو تمام چیزوں سے بالاتر ہیں اس لئے کہ ہر امتی کی غلطی ہو سکتی ہے لیکن نبی اپنے قول و فعل میں خطاء سے محفوظ ہوتا ہے اور اگر کبھی اجتہادی غلطی ہو جاتی ہے تو فوراً وحی الٰہی آ کر اس کی تصحیح کر دیتی ہے۔

سورۂ نساء میں ارشاد فرماتے ہیں:-

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ؎	"اور جب ان کو کہے کہ آؤ اللہ کے حکم کی طرف جو اس نے اتارا اور رسول کی طرف تو دیکھے گا تو منافقوں کو ہٹتے ہیں تجھ سے رک کر"

مذکورہ آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے "ما أنزل اللہ" اور "إلی الرسول" یعنی کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب رجوع کا حکم دیا ہے آپ کی حیات میں آپ کی ذات گرامی مرجع ہوگی اور آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ کی سنت و احادیث۔ نیز اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ سنت نبوی بھی کتاب اللہ کی طرح محفوظ ہے۔ کیونکہ اگر سنت و احادیث موجود و محفوظ نہ ہوں تو پھر اس آیت میں اللہ تعالیٰ کس بات کا حکم دے رہے ہیں، جو چیز موجود ہی نہ ہو اس کی طرف رجوع کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں دے سکتے۔ لہٰذا ان تمام آیات کریمہ اور نصوص قرآنیہ سے یہ ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و حدیث کی اتباع ضروری ہے اور وہ اللہ جل شانہ کے وعدے کے بموجب موجود و محفوظ تھی، ہے، اور رہے گی۔

◆

ء آیت - ٦١

خاتمہ

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس پر بحث کریں کہ لفظ " سنت " قرآن کریم میں کن معانی میں استعمال ہوا ہے تاکہ سنت کی مزید تحقیق اور اس کے معنی کی وضاحت ہو جائے۔

لفظ سُنّت قرآن کریم میں

قرآن کریم میں لفظ سنت سولہ مقام پر تین مختلف مضاف الیہ کے ساتھ مستعمل ہوا ہے :

۱ - سنت اللہ
۲ - سنت رُسُل
۳ - سنت الاوّلین

سنت اللہ

سنت اللہ کے معنی میں یعنی " اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ وہ معاملہ جو دائمی اور مستمر رہا ہے "۔ اس معنی میں لفظ " سنۃ " قرآن کریم میں نو جگہ وارد ہوا ہے ، ارشاد ربانی ہے :-

۱ -	وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا [۱]	" اور آپ ہمارے دستور میں تفاوت نہیں پائیں گے "

اس آیت مبارکہ میں اللہ جل جلالہ نے اپنے ایک نظام اور دستور کو بیان فرمایا ہے کہ ہم ہمیشہ سے یہی کرتے رہے ہیں کہ جب بھی کسی قوم یا کسی بستی والوں نے اپنے نبی کو بستی میں نہ رہنے دیا اور انہیں تکالیف پہونچائیں تو ہم نے ان کو بھی وہاں سے نکال دیا اور ہم ہمیشہ سے ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔

۲ -	سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا [۲]	" جیسے دستور رہا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو گذرے پہلے اور ہے حکم اللہ کا مقرر ٹھہر چکا "

---

[۱] الإسراء - ۷۷

[۲] الأحزاب - ۳۸

۳۔ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ [1]	"دستور پڑا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو پہلے ہو چکے ہیں"۔
۴۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا [2]	"اور آپ نہ دیکھیں گے اللہ کی چال بدلتی"۔
۵۔ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا [3]	"سو آپ نہ پائیں گے اللہ کا دستور بدلنا"۔
۶۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا [4]	"اور نہ پائے گا اللہ کا دستور ٹلتا"۔
۷۔ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ [5]	"رسم پڑی ہوتی ہے اللہ کی جو چلی آئی ہو اس کے بندوں میں اور خراب ہوئے اس جگہ منکر"

اللہ جل شانہٗ نے ان آیات میں یہ بیان فرمایا ہے کہ شروع سے ہمارا یہ دستور رہا ہے کہ جب ہم کسی قوم یا کسی بستی والوں پر عذاب نازل کر دیتے ہیں تو اس کے بعد ان کے ایمان لانے کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، قرآن کریم میں آتا ہے کہ فرعون نے جب عذاب کا مشاہدہ کر لیا تو ان الفاظ میں اپنے ایمان کا اظہار کیا :۔

اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ [6]	"یقین کر لیا میں نے کہ کوئی معبود نہیں مگر جس پر ایمان لائے بنی اسرائیل اور میں ہوں فرمانبرداروں میں"۔

لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا :۔

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَ	"اب یہ کہتا ہے اور تو نافرمانی کرتا رہا

---

[1] الاحزاب - ۶۲

[2] الاحزاب - ۶۲

[3] فاطر - ۴۳

[4] فاطر - ۴۳

[5] المومن - ۸۵

[6] یونس - ۹۰

كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ[1]	اس سے پہلے اور رہا گمراہوں میں؟

یعنی اب ایمان لانے کا کوئی اعتبار نہیں اس لئے کہ جب ایمان لانے کا وقت تھا اس وقت تو تکبر و انکار کرتا رہا نہ صرف یہ بلکہ خدائی کا دعوی کرتا رہا اور میرے رسول کی نافرمانی میں مشغول رہا۔

تو گویا اللہ تعالیٰ یہ بیان فرمار ہے ہیں کہ ہمارا شروع سے یہی طریق کار رہا ہے کہ عذاب کے مشاہدہ کے بعد پھر کسی کے ایمان کا اعتبار نہیں ہوتا۔

۸- سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ[2]	"رسم پڑی ہوئی اللہ کی جو چلی آئی ہے پہلے سے"
۹- وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا[3]	"اور تو ہرگز نہ دیکھے گا اللہ کی رسم کو بدلتے"

مندرجہ بالا نو[4] مقامات پر "سنة الله" کے معنی اللہ تعالیٰ کے طریقہ و دستور کے ہیں۔

سنّت رُسل

قرآن مجید میں لفظ سنت ایک مقام پر رسولوں کی سنت کے لئے بھی مستعمل ہوا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے:

۱۰- سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا[4]	"دستور چلا آتا ہے ان رسولوں کا جو تجھ کو پہلے بھیجے ہم نے اپنے پیغمبر اور نہ پائے گا تو ہمارے دستور میں تفاوت"

اس آیت شریفہ میں لفظ سنت، سنت رسول کے لئے مستعمل ہوا ہے یعنی ان کے اقوال و افعال، اخلاق و اعمال کا مجموعہ جسے انبیاء کی "سنت و حدیث" کہتے ہیں۔

---

[1] یونس - ۹۱

[2] الفتح - ۲۳

[3] الفتح - ۲۳

[4] الاسراء - ۷۷

سُنّتُ الاوّلین

"سنن الذین خلوا من قبل" "سنن من قبلنا" کے معنی ہیں "ہم سے پہلی امتوں کا طرزِ عمل" اس معنی میں لفظ سنت چھ مقامات پر استعمال ہوا ہے جن میں ایک جگہ مطلقاً لفظ "سنن" کسی طرف اضافت کئے بغیر مستعمل ہوا ہے اور ایک جگہ مطیعین (فرمانبرداروں) کی مثال میں اور چار جگہ ان لوگون کی سنن کا تذکرہ فرمایا ہے جو عاصی و نافرمان تھے، بالترتیب ملاحظہ فرمایئے،

ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

۱۱- قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ [۱]	"ہو چکے ہیں تم سے پہلے واقعات سو پھرو زمین میں"

یعنی تم سے پہلے مقررہ نتائج گذر چکے ہیں نیکوکاروں کے بھی اور گنہگاروں و بدکاروں کے بھی اس لئے ان سے نصیحت حاصل کر کے اپنی اصلاح کی جانب توجہ دو۔

۱۲- يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ [۲]	"اللہ چاہتا ہے کہ بیان کرے تمہارے واسطے اور چلائے تم کو پہلوں کی راہ"

اس آیت شریفہ میں لفظ سنن سے مراد انبیاء و صلحاء کی سنت اور روش ہے، یعنی اللہ یہ چاہتا ہے کہ تم کو صالحین اور انبیاء کا طریقہ اور ان کی روش بتلائے تاکہ تم اس پر چل کر خدا کی رضا حاصل کر سکو۔

"سنن من قبلنا" میں نافرمانوں کی سنت (روش) کے لئے لفظ سنت مندرجہ ذیل مقامات پر وارد ہوا ہے :

۱۳- وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ [۳]	"اور اگر پھر بھی وہی کریں گے تو پڑ چکی ہے راہ اگلوں کی"

---

[۱] آل عمران : ۱۳۷

[۲] النساء : ۲۶

[۳] الانفال : ۳۸

مندرجہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کو تہدید فرمائی ہے کہ تم اگر سرکشی و نافرمائی سے باز آجاؤ اور توبہ کرلو تو تمہارے گناہ معاف کردیئے جائیں گے لیکن اگر باز نہ آئے اور نافرمانی میں مشغول رہے تو سمجھ لو کہ ہم کافروں کے ساتھ ایسا ہی کرتے رہے ہیں کہ جب کوئی قوم نافرمانی اور سرکشی میں حد سے تجاوز کرجاتی ہے تو ہم اس کو سخت سے سخت عذاب میں مبتلا کردیتے ہیں جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ تڑپتے رہیں گے۔

۱۴۔	لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ [1]	"یہ لوگ قرآن پر ایمان نہیں لاتے اور یہ دستور پہلوں سے ہی ہوتا آیا ہے۔"
۱۵۔	وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَ يَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ [2] ء ء ء ء ء ء ء ء	"اور لوگوں کو بعد اس کے کہ ان کو ہدایت پہونچ چکی ایمان لانے سے اور اپنے پروردگار سے مغفرت مانگنے سے اور کوئی مانع نہ رہا بجز اس کے کہ ان کو اسکی انتظار ہو کہ اگلے لوگوں کا سا معاملہ ان کو بھی پیش آئے۔"
۱۶۔	فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا سُنَّةَ الْاَوَّلِيْنَ [3]	"سو کیا یہ اس دستور کے منتظر ہیں جو ان سے پہلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔"

اللہ جل شانہ نے اس آیت سے قبل یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ قریش رسول کی بعثت سے پہلے تو اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو دیکھ کر حرص کرتے تھے اور قسمیں کھاتے اور کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نبی آجائے تو ہم اس کی اطاعت و فرماں برداری ضرور کریں گے اور راہ راست پر آجائیں گے لیکن جب ہم نے اپنے نبی کو بھیجا تو انہوں نے اس کی مخالفت اور نافرمانی شروع کردی کیا ان کو معلوم نہیں ہے کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو رسول کی اسی مخالفت کی بنا

---

[1] الحجر : ۱۳

[2] الکہف : ۵۵

[3] فاطر : ۴۳

پر ہلاک اور نیست و نابود کر دیا، ہم ہمیشہ سے یہی کرتے رہے ہیں کہ رسول کے مخالفین کو ہلاک کر دیتے ہیں۔

مندرجہ بالا آیات کے ذکر کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس بات کو واضح کیا جائے کہ لفظ سنت کے اصل معنی طریقہ اور روش کے آتے ہیں لیکن جب اس کی اضافت کسی اور کی طرف ہو تو مضاف الیہ کے اعتبار سے اس کے معنی بدلتے رہیں گے، جیسے کہ "سنة الله" اور "سنن من قبلنا" کے معنی ابھی ہم نے بیان کئے۔ لیکن اگر یہ لفظ سنت اسلامی تعلیمات میں بلا کسی اضافت یا کسی صفت وغیرہ کے مستعمل ہو تو اس کے معنی صرف سنۃ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی ہوں گے جس طرح کتاب کا لفظ جب بغیر کسی اضافت کے بولا جائے تو اس سے کتاب اللہ ہی مراد ہوتی ہے اسی طرح سنت سے بھی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہوتی ہے یعنی سنت کے معنی اصطلاح شریعت میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔

آیئے اب سنت کی تحقیق از روئے لغت کریں اور اصطلاح میں سنت کس چیز کا نام ہے اس پر روشنی ڈالیں۔

سُنّت کی تحقیق اَز رُوئے لُغت

اول تو ہم از روئے لغت سنت کے معنی بیان کریں گے اس کے بعد سنت کے اصطلاحی معنی بیان کئے جائیں گے۔

۱۔ ابن درید المتوفی ۳۲۱ھ اپنی کتاب "الجمہرة" میں رقمطراز ہیں:-

والسنة معروفة، وسنّ فلان سنة حسنة أو قبيحة يسنها سنًّا [1]	"سنت کے معنی (روش، طریقہ) معروف ہیں (کہا جاتا ہے) فلاں شخص نے اچھی یا بری سنت (طریقہ) جاری کی مضارع یسنّ اور مصدر سنًّا آتا ہے۔"

---

[1] (ص - ٩٥)

۲— اسماعیل بن حماد جوہری المتوفی ۳۹۳ھ لفظ سنت کے ذیل میں لکھتے ہیں :-

والسنة السيرة قال الهذلى: فلا تجزعن من سيرة أنت سرتها فأول راض سنة من يسيرها[1]	" سنت کے معنی ہیں سیرت (روش، چال طرز) کے، ھذلی شاعر کہتا ہے: جس چال پر تم خود چلے اس سے مت

گھبراؤ اس لئے کہ جو شخص کسی چال کو رائج کرتا ہے وہی اس کو پہلا پسند کرنے والا ہوتا ہے"۔

۳— ابوالحسین احمد بن فارس بن زکریا المتوفی ۳۹۵ھ تحریر فرماتے ہیں :-

السنة وهى السيرة، وسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم سيرته. قال الهذلى: فلا تجزعن، الخ، وإنما سميت ذلك لأنها تجرى جريا ومن ذلك قولهم: امض على سنتك[2]	" سنت سیرت کو کہتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے مراد آپ کی سیرت (اور طریقہ) ہے، ہذلی کہتا ہے: تم مت گھبراؤ الخ، اور اس کو سنت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ روش برابر جاری رہتی ہے اور اسی معنی میں بولا جاتا ہے

" امض على سنتك " (کہ تم اپنے طریقہ پر ہی چلتے رہو)"۔

۴— امام راغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ رقمطراز ہیں :-

وسنة النبى طريقته التى كان يتحراها وسنة الله قد تقال لطريقة حكمته وطريقة طاعته نحو: (سنة الله التى قد خلت من قبل ولن تجد لسنة الله تحويلا)	" اور "نبی کی سنت" کے معنی ہیں آپ کا وہ طریقہ جو آپ اپناتے تھے اور " اللہ تعالیٰ کی سنت" کے معنی کبھی اللہ کے طریق حکمت اور طریقہ طاعت کے ہوتے ہیں مثلاً ارشاد ہے: " اللہ کا وہ طریقہ عبادت

---

[1] الصحاح (۵ - ۲۱۳۹)

[2] معجم مقائیس اللغۃ (۳ - ۶۱)-

فنبه أن فروع الشرائع وإن اختلف صورها فالغرض المقصود منها لا يختلف ولا يتبدل وهو تطهير النفوس وترشيحها للوصول إلى ثواب الله تعالى ۱؎

وطاعت) جو پہلے سے چلا آرہا ہے اور تم اللہ کے طریقہ میں کوئی تغیر وتبدل نہ پاؤ گے۔ (اس آیت کریمہ میں) اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمادیا کہ (مختلف نبیوں کی) شریعتوں کے احکام اگرچہ بظاہر مختلف ہیں لیکن ان سب کی غرض وغایت میں کوئی اختلاف اور تغیر وتبدل نہیں اور وہ غرض وغایت ہے نفوس انسانی کو (تمام آلودگیوں سے) پاک کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ثواب اور مقام قرب تک پہونچنے کی تربیت کرنا"

۵ — علامہ زمخشری المتوفی سنہ ۵۳۸ھ تحریر فرماتے ہیں:-

سن سنة حسنة طرق طريقة حسنة واستن بسنة وفلان متسنن عامل بالسنة ۲؎

(فلاں شخص نے) سنت حسنہ جاری کی یعنی اچھا طریقہ تجویز کیا اور فلاں شخص کی سنت کی پیروی کی یعنی اس کے طریقہ پر عمل کیا اور فلاں شخص متسنن ہے یعنی سنت پر عمل کرنے والا ہے"

۶ — علامہ ابن اثیر الجزری المتوفی سنہ ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:-

قد تكرر في الحديث ذكر السنة وما تصرف منها والأصل فيها الطريقة والسيرة وإذا أطلقت في الشرع فإنما يراد بها ما أمر به النبي صلى الله عليه وسلم ونهى عنه وندب

" حدیث میں سنت اور اس کے مشتقات کا بار بار ذکر آیا ہے، اصل لغت میں سنت کے معنی طریقہ اور سیرت کے ہیں لیکن جب شریعت میں مطلقاً سنت کا لفظ آئے گا تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اوامر و نواہی اور وہ امور جن کی

۱؎ مفردات (ص- ۲۴۵)-

۲؎ اساس البلاغہ (ص- ۲۲۱)-

إليه قولاً وفعلاً مما لم ينطق به الكتاب العزيز و لهذا يقال في أدلة الشرع الكتاب و السنة أي القرآن والحديث ، ومنه الحديث : « إنما أنسى لأسن » أي إنما أُدفع إلى النسيان لأسوق الناس بالهداية إلى الطريق المستقيم وأبين لهم ما يحتاجون أن يفعلوا إذا عرض لهم النسيان[1]

قولاً یا فعلاً آپ نے ترغیب دی مگر وہ قرآن حکیم میں صراحۃً مذکور نہیں وہ مراد ہوں گے اور اسی لئے شرعی دلائل کے سلسلہ میں جب کتاب وسنت کا ذکر آتا ہے ، تو اس سے مراد قرآن وحدیث ہوتے ہیں اور اس معنی میں وہ حدیث ہے جس میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ) مجھے اس لئے نسیان میں مبتلا کیا جاتا ہے تاکہ میں اس کا طریقہ قائم کروں یعنی مجھے نسیان میں اس لئے مبتلا کیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کی راہ راست کی جانب راہنمائی کر سکوں اور ان کے لئے اس بات کو واضح کر دوں کہ اگر ان کو نسیان پیش آجائے تو وہ اس وقت کیا کریں ؛

مذکورہ بالا تشریح اور لغویین کے اقوال سے یہ بات واضح ہو گئی کہ لغت میں سنت کے معنی " الطريقة المسلوكة " کے ہیں۔

سنت کی تحقیق ازروئے شریعت

شریعت کی اصطلاح میں لفظ سنت کے معنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ، اور جس طرح شریعت کی اصطلاح میں جب مطلقاً " کتاب " کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے کتاب اللہ ہی مراد ہوتی ہے ۔ اسی طرح جب مطلقاً لفظ سنت بولا جائے تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور احادیث ہی مراد ہوتی ہیں اور اس لفظ سنت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوامر ونواہی اور اعمال وافعال داخل ہوں گے گویا حاصل یہ نکلا کہ

---

[1] نہایۃ (۲- ۲۰۱)-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سنت کا مصداق ہے۔

سُنّت کے اصطلاحی معنیٰ

چونکہ علماء دین یعنی محدثین ائمہ مجتہدین اور فقہائے امت کے اغراض ومقاصد اور موضوع بحث الگ الگ ہیں اس لئے علوم شرعیہ کی اصطلاحات میں سنت کی تعریف اپنے اپنے موضوع کے لحاظ سے الگ الگ کی گئی ہے۔

محدثین کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال واحوال کی روایت سے غرض رکھتے ہیں اور ان ہی کی صحت وضعف سے، اس لئے انہوں نے تمام وہ چیزیں جو آپ سے متعلق ہیں سیرت واخلاق وشمائل اور آپ کے تمام اقوال وافعال اور اخبار خواہ ان سے کوئی حکم شرعی ثابت ہو یا نہیں ان سب کو نقل کیا ہے۔

علمائے اصول نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے اس اعتبار سے بحث کی کہ آپ شریعت کے بیان کرنے والے ہیں اور بعد میں آنے والے مجتہدین کے لئے قواعد مقرر کرتے ہیں اور لوگوں کے لئے زندگی کے دستور اور طرز کو بتاتے ہیں اس لئے آپ کے ان اقوال وافعال اور تقریر (بیان سکوتی) سے بحث کی جو احکام کو ثابت کرنے والے اور ان کو مقرر کرنے والے ہیں۔

فقہاء عظام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے اس حیثیت سے بحث کرتے ہیں کہ آپ کے اقوال وافعال حکم شرعی پر دلیل ہوتے ہیں، وہ بندوں کے بارے میں (احادیث کی روشنی میں) شریعت کا حکم متعین کرتے ہیں کہ واجب ہے یا سنت، مندوب ہے یا مباح، حلال ہے یا حرام [1]

یہ تھا اغراض ومقاصد اور موضوع بحث اور مطمح نظر کا اختلاف، اس اختلاف کی وجہ سے سنت کی تعریف میں فرق ہونا لازمی بات ہے چنانچہ ہر ایک جماعت نے سنت کی جو تعریف کی ہے اسے ملاحظہ فرمائیے۔

---

[1] ملاحظہ ہو "السنۃ قبل التدوین" لمحمد عجاج الخطیب (ص - ۱۵ و ۱۶)۔

محدثین کرام اور ارباب سیر جن کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل حیاتِ طیبہ کو محفوظ کرنا ہے وہ سنت کی حسب ذیل تعریف کرتے ہیں:۔

كل ما أثر عن النبي صلى الله عليه وسلم من قول أو فعل أو تقرير أو صفة خلقية أو خلقية أو سيرة سواء كان ذلك قبل البعثة كتحنثه في غار حراء أم بعدها والسنة بهذا المعنى مرادفة للحديث النبوي [1]

"سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و افعال و تقریرات اور صفات خلقیہ و خلقیہ محاسن و شمائل اور سیرت سب کے مجموعہ کا نام ہے خواہ یہ بعثت سے قبل ہو جیسے کہ آپ کا غارِ حراء میں عبادت کرنا یا اس کے بعد۔ اس تعریف کے اعتبار سے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے مترادف ہے۔"

ائمہ مجتہدین جن کا مطمح نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی زندگی کو مدوّن و مرتب کرنا اور اس سے احکام شرعیہ کا استخراج و استنباط کرنا ہے وہ سنت کی حسب ذیل تعریف کرتے ہیں:۔

كل ما صدر عن النبي صلى الله عليه وسلم غير القرآن الكريم من قول أو فعل أو تقرير مما يصلح أن يكون دليلاً لحكم شرعي [2]

"قرآن کریم کے علاوہ وہ تمام اقوال اور افعال و تقریر (بیان سکوتی) جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوئے اور وہ اَحکامِ شرعیہ کا مآخذ بن سکتے ہوں سب "سنت" ہے (اسی معنیٰ اصطلاحی کے تحت کتاب اللہ کے بعد دوسرا مصدرِ تشریع یعنی مآخذ احکام شرعیہ سنت نبویہ ہے)۔"

فقہائے امت کا موضوعِ بحث چونکہ "معرفۃ النفس ما لها وما عليها"

---

[1] السنة قبل التدوين (ص - ١٦)۔

یعنی فعل اور ترک فعل کے اعتبار سے بندہ کے افعال سے بحث کرنا، اس لئے وہ سنت کی حسب ذیل تعریف کرتے ہیں، شیخ محمد عجاج لکھتے ہیں :-

وأما السنة فی اصطلاح الفقهاء فهی کل ما ثبت عن النبی صلی الله علیه وسلم ولم یکن من باب الفرض ولا الواجب؛ فهی الطریقة المتبعة فی الدین من غیر افتراض ولا وجوب.

”فقہاء کی اصطلاح میں سنت ہر اس چیز کا نام ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اور فرض و واجب کے قبیل سے نہ ہو پس یہ وہ طریقہ ہے جس کی دین میں اتباع کی جائے گی لیکن نہ وہ فرض کہلائے گا نہ واجب۔“

اس کے بعد لکھتے ہیں :-

وقد تطلق السنة عند الفقهاء فی مقابلة البدعة والبدعة لغة الأمر المستحدث ثم أطلقت فی الشرع علی کل ما أحدثه الناس من قول وعمل فی الدین وشعائره مما لم یؤثر عنه صلی الله علیه وسلم وعن أصحابه وقد قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: «من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد»[1] أو کما قال

”کبھی کبھی فقہاء کی اصطلاح میں لفظ سنت بدعت کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور لغت میں بدعت نئے کام کو کہتے ہیں، پھر شریعت میں ہر اس کام پر بدعت کا اطلاق ہونے لگا جسے لوگوں نے دین اور شعائر دین میں نیا ایجاد کیا ہو خواہ قولاً ہو یا عملاً اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہ ہو۔ حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”جس نے ہمارے دین میں ایسی چیز پیدا کی جو اس میں نہیں تھی تو وہ مردود

---

[1] مسند احمد (٦ - ٢٧٠) صحیح بخاری (١ - ٣٧١) صحیح مسلم (٢ - ٧٧) سنن ابن ماجہ (١ - ٣)-

ومن ذلك قولهم: فلان على سنة إذا عمل على وفق ما عمل النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه سواء أكان ذلك مما نص عليه في الكتاب أم لم يكن. وقولهم: فلان على بدعة إذا عمل على خلاف ما عملوه أو أحدث في الدين ما لم يكن عليه السلف [1]

ہوگی۔ أو كما قال عليه الصلاة والسلام

اور اسی قبیل سے ہے ان کا یہ کہنا کہ فلاں شخص سنت پر عامل ہے یعنی جب کہ اس کے مطابق عمل کرتا ہو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے مروی ہے خواہ یہ قرآن پاک میں منصوص ہو یا نہ ہو۔

اور کہتے ہیں کہ فلاں شخص بدعت پر عامل ہے جب کہ وہ اس کے خلاف کرے جس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمل کیا تھا یا دین میں ایسی نئی چیز نکالے جو سلف نہ کرتے ہوں؟

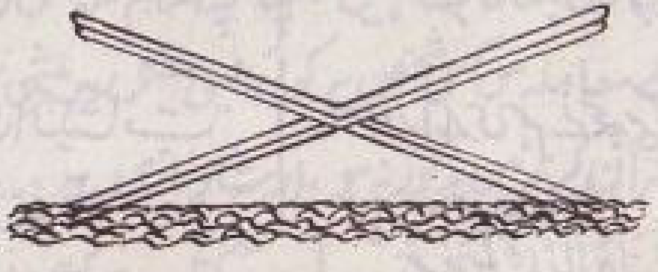

---

[1] ملاحظہ ہو "السنة قبل التدوين" للشيخ محمد عجاج الخطيب (ص۔ ۱۵ تا ۱۸) نیز یہ مضمون ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی کی کتاب السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی میں (ص۔ ۶۰ و ۶۱) پر بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

مُنکرینِ حدیث کے ادلّہ اور اُن کے جوابات

منکرین حدیث نے جن آیات کا غلط سہارا لے کر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رد کرنا چاہا ہے اب ہم اس عنوان کے تحت انہیں پیش کر کے ان کے جوابات دیں گے اور یہ واضح کریں گے کہ منکرین حدیث کس قدر مہمل بے بنیاد اور بلا دلیل باتیں بناتے رہتے ہیں اور احادیث کو مشعل راہ بنانے کے بجائے اپنی عقل اور خواہش نفسانی کو اپنا راہنما بناتے ہیں اور پھر گمراہیوں کے تاریک گڑھوں میں گر جاتے ہیں لیکن اسے گمراہی نہیں سمجھتے :

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ [1]	"اور اب معلوم کر لیں گے ظلم کرنے والے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں۔"

سب سے پہلے منکرین حدیث اپنے استدلال میں یہ آیات کریمہ پیش کرتے ہیں :-

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ [2]	"ہم نے کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔"
وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ [3]	"اور اتاری ہم نے تجھ پر کتاب کھلا بیان ہر چیز کا"

مندرجہ بالا دونوں آیتیں اس بات پہ دلالت کرتی ہیں کہ قرآن کریم دین کے تمام امور تفصیلات اور احکامات، لوازمات وضروریات پہ حاوی ہے اور قرآن کریم نے دین کے تمام اجزاء کی تبیین اور تفصیل اس طرح کر دی ہے کہ اب اس کے بعد کسی اور چیز کی ضرورت باقی نہیں رہتی ورنہ اگر اس کے بیان کے بعد بھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو پھر

---

[1] الشعراء - ۲۲۷

[2] الانعام - ۳۸

[3] النحل - ۸۹

کتاب اللہ "تبیاناً لکل شیءٍ" نہ ہوئی اور یہ کہنا اس آیت کے خلاف ہے اس لئے معلوم ہوا کہ سنت کی ضرورت نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات بالکل مسلم ہے کہ دین کے اصول اور احکام شرعیہ کے قواعد وکلیات پر قرآن کریم حاوی ہے، ان میں سے بعض پر تو صراحۃً قرآن مجید میں نص موجود ہے اور بعض کو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا تاکہ آپ اس کی تبیین و تشریح کریں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کے احکام کا شارح بنا کر بھیجا ہے اور لوگوں پر آپ کا اتباع لازم کر دیا ہے اس لئے آپ کا اپنی زبان مبارک سے احکام الٰہیہ کو بیان کرنا بھی قرآن کریم کے احکام کو بیان کرنے کی طرح ہوگا اس لئے شریعت کے وہ احکام جو سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نازل شدہ احکامات کی طرح ہوں گے کہ یا تو ان کے بارے میں صراحۃً نص ہوگی یا ان کی طرف اشارہ ہوگا اس لئے سنت کے حجت ہونے اور قرآن مجید کے ہر چیز کا تبیان ہونے میں کوئی منافات نہیں، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> "دین الٰہی کے معاملہ میں کسی شخص پر کوئی ایسی مشکل در پیش نہیں آتی جس سے نکلنے کا راستہ قرآن کریم میں مذکور نہ ہو، ارشاد باری ہے:۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ[1]	"یہ کتاب ہے کہ ہم نے اتاری تیری طرف کہ تو نکالے لوگوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف ان کے رب کے حکم سے راستہ پر اسی زبردست خوبیوں والے کے"

نیز فرمایا:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ	"اور اتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت کہ تو کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتری

---

[1] ابراھیم - ۱

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ [1]	ان کے واسطے تاکہ وہ غور کریں۔

اور فرمایا:-

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ [2]	"اور اتاری ہم نے تجھ پر کتاب کھلا بیان ہر چیز کا۔"

اور بیان ایک ایسا لفظ ہے جو جامع ہے ایسے معانی کو جن کے اصول مجتمع ہیں اور فروع مختلف، ذات باری تعالیٰ نے بندوں کے لئے جو بیان نازل فرمایا ہے اور جس کا انہیں مکلف بنایا ہے وہ مختلف انداز کا ہوتا ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے کوئی منصوص حکم نازل فرمایا مثلاً مجمل فرائض کا تذکرہ کر دیا کہ نماز روزہ، زکاۃ وحج فرض ہے، فواحش اور بری باتوں کو مطلقاً حرام کر دیا اور زنا، شراب، خنزیر، مردار کے کھانے کو منصوص کر کے صراحۃً بیان کر دیا، اسی طرح یہ بتلا دیا کہ وضو کس طرح فرض کیا گیا ہے، اور دیگر وہ اشیاء جو اس طرح سے بیان کی گئی ہیں۔ بعض دوسری اشیاء ایسی ہیں کہ جن کی فرضیت تو کتاب اللہ سے ثابت کر دی لیکن ان کی شکل وصورت، طریقہ وتعداد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرائی مثلاً نماز کی تعداد، زکاۃ کی مقدار اور وقت اور اس کے علاوہ اسی طرح کے دیگر اور فرائض وعبادات۔

بعض اشیاء ایسی ہیں جن کے بارے میں صراحۃً کتاب اللہ میں کوئی منصوص حکم نہیں ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سنت قرار دیا اور یہ منصب اللہ تعالیٰ نے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے چنانچہ آپ کی اطاعت کو فرض قرار دیا اور آپ کی بات تسلیم کرنے پر مؤمن ہونے کا مدار رکھا لہٰذا آپ کی بات قبول کرنا اللہ کی بات قبول کرنا ہے[3]

---

[1] النحل - ۴۴

[2] النحل - ۸۹

[3] الرسالۃ (ص - ۲۰ تا ۲۲)-

آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

" اس لیے جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے احکام اس کی کتاب سے قبول کرے گا تو وہ ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بھی قبول کرے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت اور آپ کی بات ماننے اور فیصلوں کے قبول کرنے کو امت پر فرض کردیا ہے ، اس لئے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کو قبول کیا تو گویا اس نے اللہ کے حکم کو قبول کیا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو فرض کردیا ہے چنانچہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کرنا گویا ایک دوسرے پر عمل کرنا ہے لہذا ہر ایک کا قبول کرنا لازمی ہے "[1]

حاصل یہ ہے کہ دین کے بنیادی اصول اور شریعت کے اساسی احکام کو پوری وضاحت سے بیان کردیا گیا ہے ، رہا یہ کہنا کہ لفظ " کل " استغراق حقیقی (یعنی ایسا عموم جو تمام افراد کو شامل ہو) چاہتا ہے یہ غلط ہے اس لئے کہ لفظ " کل " یہاں پر استغراق حقیقی کے لئے نہیں ہے بلکہ اسی طرح ہے جس طرح کہ آیت مندرجہ ذیل میں :۔

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ [2]	" اور پکار دے لوگوں کو حج کے واسطے کہ آئیں تیری طرف پیروں چل کر اور سوار ہو کر دبلے دبلے اونٹوں پر چلے آئیں راہوں دور سے "

آیت بالا میں اونٹوں کے تمام افراد کے استغراق کے لئے لفظ " کل " مستعمل نہیں ہوا ہے ، اسی طرح ملکہ سبا کے بارے میں فرمایا :۔

وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ [3]	" اور اس کو ہر ایک چیز ملی ہے "

---

[1] الرسالۃ (ص-۳۳)

[2] الحج : ۱۷

یعنی ملکہ سبا کو ہر قسم کی چیزیں دی گئی تھیں تو اس کا مقصد یہ نہیں کہ دنیا بھر کی سب چیزیں اس کے پاس موجود تھیں اوروں کے پاس وہ چیزیں نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ اس کے مقابلہ پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس زیادہ سامان تھا، مقصد یہ تھا کہ اس ملکہ کے پاس امور سلطنت سے متعلق تمام بنیادی لوازمات موجود تھے اور لفظ "کل" یہاں استغراق کے لئے نہیں ہے، اسی طرح "تبیاناً لکل شیءٍ" وغیرہ آیات میں بھی لفظ "کل" استغراق حقیقی کے لئے نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ بنیادی اصول اور شریعت کے اہم احکام اسی میں موجود ہیں تفصیل سنت و حدیث میں موجود ہے۔

رہا "ما فرطنا فی الکتاب من شیءٍ" والا اعتراض تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے قرآن مجید نہیں، سیاق و سباق سے یہی معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ پوری آیت اس طرح ہے :۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ	"اور نہیں ہے کوئی چلنے والا زمین میں
وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ	اور نہ کوئی پرندہ کہ اڑتا ہے اپنے دونوں
اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا	بازوؤں سے مگر ہر ایک امت ہے تمہاری
فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى	طرح ہم نے نہیں چھوڑی لکھنے میں کوئی
رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ [۵]	چیز بھی پھر سب اپنے رب کے سامنے جمع ہوں گے"۔

اسی طرح ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا :۔

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا	اور وہ جانتا ہے جو کچھ جنگل اور دریا
تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا	میں ہے اور نہیں جھڑتا کوئی پتہ مگر وہ جانتا
وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ	ہے اس کو اور نہیں گرتا کوئی دانہ زمین کے
وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ	اندھیروں میں اور نہ کوئی ہری چیز اور نہ سوکھی
كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ [۶]	چیز مگر وہ سب کتاب مبین میں ہے"۔

---

[۵] الانعام : ۳۸

[۶] الانعام : ۵۹

اور اس کتاب سے اگر قرآن کریم ہی مراد لے لیا جائے تب بھی اس سے سنت کا انکار لازم نہیں آتا اس لئے کہ اس کا مطلب وہی ہوگا جو "تبیانا لکل شیء" اور "تفصیل کل شیء" کا ہے۔

منکرین حدیث اپنے استدلال میں مندرجہ ذیل آیت بھی پیش کرتے ہیں :۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا
لَهُ لَحَافِظُوْنَ [۱]

"ہم نے آپ پر اتاری ہے یہ نصیحت اور
ہم آپ ہی اس کے نگہبان ہیں۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے حدیث کی نہیں اور اسی بنا پر حدیث حجت نہیں قرآن حجت ہے اور اصل مصدر تشریع قرآن ہی ہے، اور اگر بالفرض حدیث بھی مصدر تشریع ہو اور حجت ہو تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی طرح اس کی حفاظت کا بھی وعدہ فرماتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے، یہ وعدہ صرف قرآن کریم کے لئے نہیں بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی شریعت اور دین مراد ہے جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے اور وہ دین قرآن اور حدیث دونوں کو شامل ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے :۔

فَاسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ
كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ [۲]

"سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو
معلوم نہیں۔"

یعنی ان لوگوں سے پوچھو جنہیں اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کے دین کا علم دیا گیا ہے اور اس میں کوئی ذی شعور شک نہیں کر سکتا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت حفاظ قرآن کے ذریعہ سے کرائی اسی طرح سنت نبوی کی حفاظت حفاظ حدیث اور محدثین کے ذریعے، جنہوں نے اس کو سینوں میں یاد رکھا اور سفینوں میں محفوظ کیا، اور عمل میں اس پر

---

[۱] الحجر : ۹

[۲] النحل : ۴۳

مداومت اختیار کی، اس کو دوسروں تک پہونچایا اور صحیح و غیر صحیح اور حق و باطل میں فرق کر دیا، اپنی عمریں اس کی حفاظت و صیانت کے لئے صرف کر دیں، مال و جان اس میں کھپا دی جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بالکل محفوظ ہو گئی، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دین کے اصول اور بنیاد نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، معاملات اور فرائض وغیرہ سے تعلق رکھنے والی کوئی حدیث ضائع نہیں ہوئی، سب کی سب کتابوں میں مدوّن و موجود ہیں اگرچہ سند اور طرق روایت میں فرق ہوگا، درجات میں تفاوت ہوگا، اسی لئے علامہ ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔

ولاخلاف بين أحد من أهل اللغة والشريعة في أن كل وحي نزل من عند الله فهو ذكر منزل فالوحي كله محفوظ بحفظ الله تعالىٰ له بيقين وكل ما تكفل الله بحفظه فمضمون أن لايضيع منه وأن لايحرف منه شيء أبداً تحريفاً لا يأتي البيان ببطلانه.

”اهل لغت اور اهل شریعت میں سے کسی کا اس بارے میں اختلاف نہیں کہ ہر وحی جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہو وہ ذکر مُنَزَّل ہے، اس لئے وحی اللہ تعالیٰ کی حفاظت کی وجہ سے تمام کی تمام یقیناً محفوظ ہے، کیونکہ جس چیز کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ لے لیں تو یہ ہمارے لئے اس بات کی ضمانت ہے کہ نہ تو اس میں سے کچھ ضائع ہوگا اور نہ اس میں ایسی تحریف ہوگی جس کے باطل ہونے کی تردید و وضاحت نہ کر دی گئی ہو۔“

* * *

اس کے بعد علامہ ابن حزم ان لوگوں کے خلاف جو کہتے ہیں کہ ذکر سے مراد صرف قرآن کریم ہی ہے یہ لکھتے ہیں:۔

هذه دعوى كاذبة مجردة عن البرهان وتخصيص للذكر

”یہ جھوٹا بلا دلیل دعویٰ ہے اور ذکر کو بلا کسی دلیل کے خاص کرنا ہے، ذکر نام ہے

بلادليل والذكر اسم واقع على كل ما أنزل الله على نبيه صلى الله عليه وسلم من قرآن أو سنة وحي يبين بها القرآن؛ وأيضاً فإن الله يقول «وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ» فصح أنه عليه الصلاة والسلام مأمور ببيان القرآن للناس وفي القرآن مجمل كثير كالصلوة والزكاة والحج وغير ذلك مما لانعلم ما ألزمنا الله تعالى فيه بلفظه لكن ببيان النبي صلى الله عليه وسلم فإذا كان بيانه عليه الصلوة والسلام لذلك المجمل غير محفوظ ولا مضمون سلامته مما ليس منه فقد بطل الانتفاع بنص القرآن فبطلت أكثر الشرائع المفترضة

ہر اس چیز کا جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی خواہ قرآن ہو یا سنت، سنت بھی وحی ہے جس سے قرآن کریم کو بیان کیا جاتا ہے اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتے ہیں کہ: "ہم نے آپ پر ذکر نازل کیا تاکہ آپ کھول کھول کر بیان کر دیں اس کو جو ان پر نازل کیا گیا"۔ اس لئے یہ بات درست ہو گئی کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام لوگوں کے لئے قرآن کریم بیان کرنے پر مامور ہیں اور قرآن کریم میں بہت سی مجمل چیزیں ہیں جیسے کہ نماز، زکاۃ، حج وغیرہ جن میں ہم یہ نہیں معلوم کر سکتے کہ اللہ تعالیٰ ان الفاظ سے ہم سے کیا چاہتے ہیں سوائے اس کے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے بیان کریں تو اگر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا مجمل کو بیان کرنا محفوظ نہ ہو اور نہ اس کی حفاظت کی ضمانت لی گئی ہو تو پھر نص قرآنی سے انتفاع مشکل و ناممکن ہو جائے گا اور اس بناء پر اکثر وہ فرائض جو ہم پر

---

[1] النحل : ۴۴

علینا فیه فإذا لم نفهم صحیح مراد الله تعالیٰ منها [1]	لازم ہیں وہ مہمل ہو کر رہ جائیں گے اور ہم اللہ تعالیٰ کی مراد کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکیں گے۔

بعض منکرین حدیث اپنے استدلال میں مندرجہ ذیل آیات بھی پیش کرتے ہیں :۔

وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ [2]	"اور اترا ہے مجھ پر یہ قرآن تاکہ تم کو اس سے خبردار کروں اور جس کو یہ پہونچے"۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :

قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُم بِالْوَحْيِ [3]	"آپ کہہ دیں میں تم کو ڈراتا ہوں حکم کے موافق"۔

گویا ڈرانے کا اصل سرمایہ صرف اور صرف قرآن کریم ہی ہے اور اس ہی کو لوگوں کو آگا کرانے کے لئے وحی کیا گیا ہے اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لکھوایا اور یاد کرایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس اعتراض کے ذریعہ لوگوں کو دھوکا دینے کی کوشش کی گئی ہے اور مذکورہ بالا دونوں آیتوں کو خلط ملط کر کے اپنے زیغ کا ثبوت فراہم کیا گیا۔ اس لئے کہ پہلی آیت میں بغیر کسی حصر کے یہ کہا گیا ہے کہ میری طرف یہ قرآن اس لئے وحی کیا گیا تاکہ میں اس کے ذریعے سے تم کو اور جن کو یہ پہونچے ڈراؤں، اس آیت میں کہیں اس بات کی تصریح نہیں کی گئی کہ قرآن مجید کے علاوہ آپ پر کوئی دوسری وحی نازل نہیں ہوتی۔ البتہ دوسری آیت میں حصر کا لفظ "إنما" موجود ہے لیکن اس میں قرآن کے بجائے "وحی" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور وحی (جیسے کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں) باجماع امت قرآن و سنت (حدیث) دونوں کو شامل ہے۔

منکرین حدیث ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ اگر سنت نبوی حجت ہوتی تو حضور اقدس

---

[1] الإحکام (۱-۱۲۱ و ۱۲۲)۔

[2] الانعام : ۱۹

[3] الانبیاء : ۴۵

صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لکھنے کا بھی حکم دیتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین حدیث کی کتابت و تدوین کی خدمت انجام دیتے تاکہ سنت نبوی تبدیل و تحریف سے محفوظ ہو جاتی اور پھر وہ بھی قطعی الثبوت بن کر امت مسلمہ کو پہونچتی اور امت کے لئے اس پر عمل کرنا ضروری اور لازمی ہوتا لیکن سنت نبوی کی یہ خدمت نہ ہوئی اس لئے کہ اس کو قرآن شریف کی طرح لکھا نہیں گیا۔ بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لکھنے سے منع فرمادیا اور جو لکھا گیا تھا اسے مٹانے کا حکم دیدیا چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ[1]	"مجھ سے نہ لکھو اور جس نے قرآن کے علاوہ اور کچھ لکھا ہو تو وہ اس کو مٹا دے"

یہی طرز آپ کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین نے اختیار کیا چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پانچ سو احادیث لکھی تھیں انہیں جلا دیا اور فرمایا :-

خشیت أن أموت وھی عندی فیکون فیھا أحادیث عن رجل قد أئتمنتہ ووثقت بہ ولم یکن کما حدثنی فاکون قد نقلت ذاك[2]	"مجھے ڈر یہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مر جاؤں اور یہ میرے پاس رہے اور اس میں ایسی احادیث ہوں جو میں نے کسی شخص کو سچا سمجھ کر نقل کی ہوں حالانکہ وہ حدیث جس طرح اس نے بیان کی اس طرح نہ ہو تو گویا میں اس سے اس کا نقل کرنے والا ہو جاؤں گا"

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ احادیث جمع کرنے کا ارادہ کیا لیکن پھر اس خیال کو دل سے نکال دیا اور فرمایا :-

---

[1] مسند احمد (۳-۱۲ و ۲۱ و ۳۹ و ۵۶) سنن دارمی (ص-۶۴) صحیح مسلم (۲-۴۱۴) واللفظ لہ - وغیرہ۔

[2] تذکرۃ الحفاظ للذہبی (۱-۵) والحافظ عماد الدین بن کثیر فی مسند الصدیق - کنز (۵-۲۳۷)۔

إنی کنت أرید أن أکتب السنن
وإنی ذکرت قوماً کانوا قبلکم
کتبوا کتباً فاکبوا علیها وترکوا
کتاب اللّٰہ وإنی واللّٰہ لا أشوب
کتاب اللّٰہ بشیء أبداً [1]

"میرا ارادہ تھا کہ میں احادیث لکھوں لیکن مجھے تم سے پہلے گذری ہوئی ایسی قوم یاد آگئی جس نے کتابیں لکھیں اور اس پر ہی اکتفا کیا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو چھوڑ دیا۔ خدا کی قسم میں کتاب اللہ کے ساتھ کسی اور چیز کو ہرگز خلط ملط نہیں کروں گا۔"

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ[2]، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ[3] سے مروی ہے کہ انہوں نے لکھے ہوئے صحیفے مٹا دیے۔ تابعین میں حضرت علقمہ[4]، وحضرت عبیدہ[5]، وحضرت قاسم[6]، وحضرت شعبی[7]، وحضرت اعمش[8] رحمہم اللہ وغیرہ نے کتابت حدیث کو نامناسب سمجھا، ان تمام وجوہات کی بنا پر سنت نبوی مدون نہ ہوئی اور بہت بعد میں مدون ہوئی جس میں بھول چوک تحریف وتبدیل کا احتمال ہے اس لئے ایسی ظنی الثبوت سے احکام شرعیہ کا استنباط کیونکر ہو سکتا ہے خصوصاً جب کہ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ[9]

"اور جس بات کی آپ کو خبر نہیں اس کے

---

[1] جامع بیان العلم (۱-۶۴) طبقات ابن سعد (۳-۲۸۷) التراتیب الاداریہ (۲-۲۴۸) وابو خیثمہ کما فی الکنز (۵-۲۳۹)۔

[2] 〃 〃 〃 (۱- ۶۳ و ۶۴)۔

[3] 〃 〃 〃 (۱- ۶۵ و ۶۶) مسند دارمی (ص- ۶۵)۔

[4] 〃 〃 〃 (۱- ۶۶)۔

[5] مسند دارمی (ص- ۶۵) جامع بیان العلم (۱- ۶۷)۔

[6] جامع بیان العلم (۱- ۶۷)۔

[7] مسند دارمی (ص- ۶۷)، جامع بیان العلم (۱- ۶۷)۔

[8] جامع بیان العلم (۱- ۶۷ و ۶۸)۔

[9] الإسراء: ۳۶

| پیچھے نہ پڑیں۔“

نیز ارشاد فرمایا:۔

إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ[۱] | ”تم تو نرے اٹکل پر چلتے ہو۔“

ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے حدیث اور سنت کو کیونکر حجت قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس اعتراض کا جواب مختلف طریقوں سے دیا گیا ہے، ہم مختصراً پیش کرتے ہیں:۔

کتابت حدیث کی ممانعت جن احادیث سے ثابت ہوتی ہے ان میں سب سے زیادہ قوی حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کے حسب ذیل جوابات دیئے گئے ہیں:۔

۱ــــ بعض حضرات نے حدیث ابی سعید کو معلول قرار دیا ہے، اور اسے حضرت ابوسعید پر موقوف بتلایا ہے، امام بخاریؒ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں معلول ہونے کی وجہ ہی سے ذکر نہیں کیا ہے[۲]

۲ــــ کتابت حدیث کی ممانعت ابتداء اسلام میں تھی تاکہ احادیث قرآن کریم کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائیں جب یہ خطرہ ٹل گیا تو یہ ممانعت بھی ختم ہوگئی اور کتابت کی اجازت ہوگئی[۳]

۳ــــ ممانعت اس شکل میں تھی جب کہ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ساتھ لکھا جائے جس کی وجہ سے خلط ملط ہونے کا خوف ہو[۴]

---

[۱] الانعام: ۱۴۸

[۲] امام بخاریؒ وغیرہ علماء اس حدیث کے موقوف ہونے کے قائل ہیں ملاحظہ ہو فتح الباری (۱ - ۱۶۸) فتح المغیث للسخاوی (۲ - ۱۴۵) تدریب الراوی للسیوطی (ص - ۲۸۷) الباعث الحثیث (ص - ۱۳۲) توضیح الأفکار (۲ - ۳۵۳) وغیرہ۔

[۳] مقدمہ ابن صلاح (ص - ۱۶۱) فتح الباری (۱ - ۱۶۸) فتح المغیث (۲ - ۱۴۵) تدریب الراوی (ص - ۲۸۶) توضیح الافکار (۲ - ۳۵۳)۔

[۴] الباعث الحثیث (ص - ۱۳۲) فتح الباری (۱ - ۱۶۸) فتح المغیث (۲ - ۱۴۵) تدریب الراوی (ص - ۲۸۷) توضیح (۲ - ۳۵۴) وغیرہ۔

۴۔۔۔ ممانعت صرف اس شخص کے لئے ہے جس کا حافظ قوی ہو اور اسے بھولنے اور اختلاط کا خوف نہ ہو[1]

۵۔۔۔ ممانعت اس شخص کے حق میں ہے جس کے بارے میں یہ خوف ہو کہ وہ لکھ کر یاد کرنا چھوڑ دے گا اور لکھنے پر کلی اعتماد کر بیٹھے گا[2]

۶۔۔۔ ممانعت اس لئے تھی تاکہ کتاب اللہ کے مقابلہ پر کوئی دوسری کتاب نہ تیار کر لی جائے[3]

۷۔۔۔ مطلقاً کتابت کی ممانعت نہ تھی بلکہ اس کو قرآن کریم کی طرح مدوّن کرنے کی ممانعت تھی[4]

۸۔۔۔ ممانعت عمومی طور پر تھی لیکن خصوصی طور پہ لکھنے کی اجازت بعض حضرات کو دی گئی تھی[5]

۹۔۔۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین عام طور سے چونکہ اُمّی تھے اس لئے انہیں لکھنے سے منع فرمایا تھا تاکہ لکھنے میں غلطی نہ کریں اور جو صحیح لکھ سکتے تھے انہیں لکھنے کی اجازت دی گئی تھی[6] عام حالات میں اگر کوئی شخص اپنے لئے لکھنا چاہے تو لکھ سکتا تھا چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حدیثیں لکھیں تھیں جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ وہ احادیث لکھ لیا کرتے تھے۔ بعض حضرات نے ان سے

---

[1] مقدمہ ابن صلاح (ص - ۱۶۱) الباعث (ص - ۱۳۳) فتح الباری (۱ - ۱۶۸) فتح المغیث (۲ - ۱۴۵) تدریب (ص - ۲۸۶) توضیح (۲ - ۳۵۴) وغیرہ۔

[2] جامع بیان العلم (۱ - ۶۸) وحوالہ جات بالا۔

[3] جامع بیان العلم (۱ - ۱۶۸) فتح المغیث (۲ - ۱۴۵)۔

[4] السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی (ص - ۷۴)۔

[5] السنۃ قبل التدوین (ص - ۳۰۸)۔

[6] یہ ابن قتیبہ کا قول ہے مشکل الحدیث میں کما ذکرہ صاحب التراتیب الاداریۃ (۲ - ۲۴۷)۔

کہا کہ آپ جو کچھ سنتے ہیں سب لکھ ڈالتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں، آپ کبھی غصہ میں ہوتے ہیں اور کبھی خوشی میں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کر دیا، آپ نے اپنی انگشت مبارک سے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:-

اُكتب فوالذی نفسی بیدہ ما خج منه إلا حق [1]	"تم لکھو اس لئے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میری اس زبان سے حق ہی نکلتا ہے۔"

ایک روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے دریافت فرمایا: یا رسول اللہ میں آپ سے بہت سی باتیں سنتا ہوں کیا میں ان کو لکھ لیا کروں؟ آپ نے اجازت عطا فرما دی [2]

ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ہم آپ کی بہت سی احادیث سنتے ہیں لیکن یاد نہیں کر پاتے کیا ہم ان کو لکھ لیا کریں، آپ نے فرمایا: ہاں ضرور لکھ لیا کرو [3]

ایک اور روایت میں یوں ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ کیا آپ کی رضامندی اور غصہ دونوں حالتوں کی باتیں لکھ لیا کریں آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں اس لئے کہ میں دونوں حالتوں میں حق اور درست بات ہی کہتا ہوں [4]

ایک روایت میں یہ ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ میں آپ کی حدیثیں روایت کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ حفظ کے ساتھ ساتھ ہاتھ کے لکھے ہوتے سے بھی مدد لوں اگر آپ اس کی اجازت

---

[1] مسند دارمی (ص - ۶۷) مسند احمد (۲-۱۶۲ و ۱۹۲ و ۲۰۷ و ۲۱۵) سنن ابی داود (۲ - ۵۱۳ و ۵۱۴)۔ مستدرک حاکم (۱- ۱۰۴ و ۱۰۵) جامع بیان العلم (۱ - ۷۱)۔

[2] مسند احمد (۲ - ۲۰۷)۔

[3] 〃 〃 (۲- ۲۱۵)۔

[4] 〃 〃 (۲ - ۲۰۷ و ۲۱۵) مستدرک حاکم (۱ - ۱۰۵) جامع بیان العلم (۱ - ۷۱)۔

مرحمت فرمادیں ! تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ (ہاں) اگر میری حدیثیں ہوں، پھر تم اپنے دل کے ساتھ اپنے ہاتھ سے مدد لو (یعنی لکھ لیا کرو)[1]

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد بیٹھے لکھ رہے تھے کہ کسی نے پوچھا پہلے کونسا شہر فتح ہوگا قسطنطنیہ یا روم؟ تو آپ نے فرمایا: پہلے ھرقل کا شہر فتح ہوگا (یعنی قسطنطنیہ)[2]

حضرت عبداللہ بن عمرو نے احادیث مبارکہ لکھ کر ایک مجموعہ تیار کیا تھا جو اُن کو نہایت عزیز تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے زندگی کی دو چیزوں کی وجہ سے رغبت ہے ایک "صادقہ" اور دوسرے "وھط"۔ صادقہ وہ صحیفہ ہے جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث لکھ کر تیار کیا ہے اور وھط میرے والد عمرو بن العاص کی زمین ہے جس کو انہوں نے وقف کیا تھا اور وہ اس کے نگران تھے[3]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: مجھ سے زیادہ حدیثیں عبداللہ بن عمرو کے سوا کسی کے پاس نہ تھیں اس لئے کہ وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا[4]

ایک روایت میں ان سے یہ الفاظ مروی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا مجھ سے زیادہ جاننے والا عبداللہ بن عمرو کے سوا اور کوئی نہ تھا اس لئے کہ وہ ہاتھ سے لکھتے، اور دل سے یاد کر لیا کرتے تھے اور میں ہاتھ سے لکھتا نہ تھا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھنے کی اجازت حاصل کر لی تھی آپ نے انہیں اجازت مرحمت فرمادی تھی[5]

---

[1] مسند دارمی (ص - ۶۷) طبقات ابن سعد (۴ - ۲۶۲)-

[2] ، ، (ص - ۶۸) مسند احمد (۱ - ۱۷۶)-

[3] ، ، (ص - ۶۸) طبقات ابن سعد (۴ - ۲۶۲) جامع بیان العلم (۱ - ۷۲)-

[4] مسند احمد (۲ - ۲۴۸ و ۲۴۹) مسند دارمی (ص - ۶۷) صحیح بخاری (۱ - ۲۲) جامع ترمذی (۲ - ۹۱ و ۲۲۴) مستدرک حاکم (۱ - ۱۰۵) جامع بیان العلم (۱ - ۷۰)-

[5] مسند احمد (۲ - ۴۰۳)-

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی آتا ہے کہ ان کے پاس لکھا ہوا ایک صحیفہ تھا جس میں دیت قصاص اور فدیہ وغیرہ کے احکام تحریر تھے [۱]

فتح مکہ کے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنو خزاعہ نے اپنے ایک آدمی کے بدلہ میں جسے بنولیث نے قتل کر دیا تھا ان کے ایک آدمی کو مار ڈالا ، تو آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور تقریر کی ، فرمایا کہ اللہ نے مکہ سے قتل و غارت گری یا فرمایا کہ ہاتھی کے فتنہ کو روک دیا ہے اور اس پر اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسلمانوں کو حاکم بنا دیا ہے ، سن لو یہ مجھ سے پہلے بھی کسی کے لیے حلال نہ تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا ، میرے لئے بھی دن کے صرف ایک حصہ میں حلال کیا گیا تھا اور اب یہ اس وقت سے حرام و محترم ہے نہ اس کے کانٹے کاٹے جائیں گے اور نہ درخت اکھاڑے جائیں گے اور نہ اس کا لقطہ (گری پڑی چیز کو) اٹھایا جائے گا مگر وہ شخص جو اس کو مالک تک پہونچانا چاہے اور جس کا کوئی آدمی قتل کیا جائے تو اسے اختیار ہے یا دیت لے لے یا قصاص لے ۔ یہ خطبہ سن کر ایک یمنی شخص آگے بڑھے اور عرض کیا :-

اکتب لی یا رسول اللہ ؛ فقال : اکتبوا لأبی فلان [۲]	" اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کو میرے لئے لکھ دیجئے تو آپ نے فرمایا کہ

ابو فلاں (مراد ابو شاہ ہیں) کے لئے لکھ دو "

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا کرتے تھے آپ کی احادیث مبارکہ سنتے اور محظوظ ہوتے لیکن یاد نہ کر پاتے ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ : اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں

---

[۱] صحیح بخاری (۱ - ۲۱ و ۴۲۸) و (۲ - ۱۰۲۱) ابن ماجہ (ص - ۱۹۱) جامع ترمذی (۱ - ۱۶۹) سنن نسائی (۲ - ۲۴۱) ۔

[۲] . . (۱ - ۲۲) روایت میں مذکور یمنی صحابی کا نام ابو شاہ ہے جیسا کہ بخاری کی دوسری روایت میں اس کی تصریح ہے ملاحظہ ہو (۱ - ۳۲۸ و ۳۲۹) و (۲ - ۱۰۱۶) صحیح مسلم (۱ - ۴۳۸ و ۴۳۹) مسند احمد (۲ - ۲۳۸) سنن ابی داؤد (۱ - ۲۷۶) جامع ترمذی (۲ - ۹۱) جامع بیان العلم (۱ - ۷۰) ۔

آپ کی احادیث مبارکہ سنتا ہوں اور محظوظ ہوتا ہوں لیکن یاد نہیں کر سکتا (کیا کروں؟)

آپ نے ارشاد فرمایا :-

استعن بيمينك ، وأومأ بيده الخط [1]	" اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو ، اور اپنے دست مبارک سے لکھنے کی طرف اشارہ فرمایا۔"

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

«قيدوا العلم» قلت: وما تقييده ؟ قال: «كتابته» [2]	" علم کو مقید کر لو میں نے عرض کیا اس کو کیسے مقید کیا جائے ؟ فرمایا: لکھ کر "

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا :- " حدیث بیان کرو اور جو میری طرف جھوٹی نسبت کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم کو بنالے "۔ میں نے عرض کیا : اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ سے بہت سی باتیں سنتے ہیں اور اسے لکھ لیتے ہیں ، آپ نے ارشاد فرمایا :-

اكتبوا ولا حرج [3]	" لکھ لیا کرو کوئی حرج نہیں "

حضرت عبد اللہ عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بیٹھے تھے میں بھی وہیں موجود تھا اور میں حاضرین

---

[1] جامع ترمذی (۲ - ۹۱) مسند بزار کما فی المجمع (۱ - ۱۵۲) یہ الفاظ حضرت ابن عباس سے نوادر میں حکیم ترمذی نے اور حضرت جابر سے سنن سعید بن منصور میں بھی منقول ہیں کما فی الکنز (۵ - ۲۲۶)۔

[2] مستدرک حاکم (۱ - ۱۰۶) طبرانی کبیر اور اوسط میں اس طرح سے بھی منقول ہے کہ : میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میں علم کو مقید کر لوں ؟ آپ نے فرمایا : ہاں ، میں نے عرض کیا اس کا مقید کرنا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا : لکھنا ، ملاحظہ ہو مجمع الزوائد (۱ - ۱۵۲) ابن عساکر کما فی الکنز (۵ - ۲۴۳) جامع بیان العلم (۱ - ۷۳)۔

[3] طبرانی کبیر کما فی المجمع (۱ - ۱۵۱) والحکیم وسمویہ والخطیب فی تقیید العلم کما فی الکنز (۵ - ۲۲۳) والرامہرمزی کما فی التدریب (ص - ۲۸۶)۔

میں سب سے چھوٹا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانا آگ کو بنالے، جب عام لوگ چلے گئے تو میں نے پوچھا کہ آپ لوگ اس حدیث کو سننے کے بعد بھی کس طرح رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت حدیثیں روایت کرتے ہیں تو اس پر وہ حضرات ہنسنے لگے اور کہنے لگے: اے برادر زادے ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا ہے وہ ہمارے پاس کتاب میں لکھا ہوا ہے[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حافظ کے خراب ہونے کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا:-

استعن بیمینک[2] | "اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو"

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب تم حدیث لکھو تو سند کے ساتھ لکھا کرو، اگر وہ صحیح ہوگی تو اجر میں تم سب شریک ہوگے اور اگر جھوٹ ہوگی تو اس کا گناہ اس شخص پر ہوگا[3]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

قیدوا العلم بالکتاب[4] | "علم کو کتاب کے ذریعہ سے مقید کرو"

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پاس ایک صحیفہ ملا جس میں کچھ احکامات لکھے ہوئے تھے[5] اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات اور فرائض وسنن پر مشتمل صحیفے لکھ کر مختلف حضرات کو عنایت فرمائے[6]

ابتدا میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ احادیث لکھا نہ کرتے تھے لیکن بعد میں انہوں نے بھی لکھنا شروع کر دیا تھا اور صحیفے تیار کر لئے تھے چنانچہ فضیل بن حسن بن عمرو بن امیہ

---

[1] طبرانی نے اپنے معجم الکبیر میں روایت کیا ہے کما فی المجمع (۱-۱۵۲)۔

[2] معجم اوسط للطبرانی کما فی المجمع (۱-۱۵۲)۔

[3] مستدرک حاکم، ابونعیم، ابن عساکر عن علی کما فی الکنز (۵-۲۲۱) دیلمی کما فی التدریب (ص-۲۸۶)۔

[4] حکیم وسمویہ کما فی الکنز (۵-۲۲۷) جامع بیان العلم (۱-۷۲)۔

[5] جامع بیان العلم (۱-۷۱)۔ [6] جامع بیان العلم (۱-۷۱)۔

الضمری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث ذکر کی تو انہیں اس میں کچھ تردد ہوا ، میں نے عرض کیا کہ یہ حدیث میں نے آپ ہی سے سنی ہے، انہوں نے فرمایا کہ اگر تم نے مجھ سے سنی ہوگی تو وہ میرے پاس لکھی ہوئی ضرور ہوگی چنانچہ میرا ہاتھ پکڑ کر گھر لے گئے اور ہمیں بہت سی کتابیں دکھلائیں جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے مرتب کی تھیں ان میں وہ حدیث بھی مل گئی جو میں نے ذکر کی تھی تو فرمانے لگے کہ میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ اگر میں نے بیان کی ہوگی تو وہ میرے پاس ضرور لکھی ہوگی[1]

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں آپ سے بے شمار احادیث سنتا ہوں کیا آپ ان کے لکھنے کی اجازت دیں گے ؟ تو آپ نے فرمایا : ہاں ، چنانچہ پہلی کتاب جو میں نے اپنے ہاتھوں سے لکھی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل مکہ کے نام خط تھا[2]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے والے خادم تھے بچپن ہی سے ان کی والدہ نے ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خادم کے طور پر پیش کر دیا تھا یہ بھی احادیث لکھا کرتے تھے ، یزید الرقاشی بیان کرتے ہیں کہ جب ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ اصرار کرتے تو وہ اپنا لکھا ہوا صحیفہ ہمارے پاس لاتے اور فرماتے کہ یہ وہ احادیث ہیں جنہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا لکھا اور پیش کیا ہے[3]

کتابت حدیث کے جواز اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اجازت دینے اور حکم دینے سے متعلق احادیث کا یہ ایک سرسری جائزہ ہے تفصیل کا نہ یہ مقام ہے اور نہ اس مختصر سے رسالہ میں اس کی گنجائش ہے ۔

---

[1] جامع بیان العلم (۱-۷۴) ۔

[3] ابونعیم کما فی التراتیب الاداریہ (۲-۲۴۳) ۔

[2] معجم بغوی کما فی التراتیب (۲-۲۴۷) ۔

ان احادیث کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے صدقات اور احکام پر مشتمل خطوط لکھوائے ہیں جن کا تذکرہ کتب حدیث میں موجود ہے مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقات کے بارے میں مکتوب جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور انہوں نے حضرت انس کو جب بحرین بھیجا تو اسے دیدیا اس صحیفہ پر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر بھی تھی[1]

اہل یمن کو فرائض وسنن و دیات پر مشتمل ایک خط آپ نے تحریر کروایا اور عمرو ابن حزمؓ کے ہاتھ ارسال فرمایا[2]

صدقات کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحیفہ لکھوایا جو آپ کی حیات میں آپ کے پاس رہا، آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس[3]۔

حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ کو جب حضر موت کا عامل مقرر کیا تو انہیں بھی احکام لکھوا کر دیے[4]

ان تمام آثار وروایات کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ چونکہ شروع میں احادیث لکھی نہیں گئیں نہ صرف یہ بلکہ اس سے روک دیا گیا اس لئے حجت نہیں بن سکتیں، غور فرمائیے کہ اس دعوی کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے، اور کیا اب بھی کوئی شخص یہ کہہ کر انکار حدیث کی جرأت کرسکتا ہے کہ حدیث کا لکھنا شروع میں ممنوع تھا اس لئے حدیث نہیں لکھی گئی۔

---

[1] بخاری نے اس کی تخریج چھ جگہ کتاب الزکوٰۃ میں (۱- ۱۹۵ و ۱۹۶) وغیرہ میں اور اس کے علاوہ خمس اور شرکۃ ولباس وترک حیل میں کی ہے ابوداؤد نے اس کا پورا کا پورا حصہ ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو (۱- ۲۱۸) سنن نسائی (۱- ۳۴۰) مستدرک حاکم (۱- ۳۹۰ و ۳۹۱) وغیرہ۔

[2] سنن نسائی (۲- ۲۵۱ و ۲۵۲) ومعجم کبیر للطبرانی کما فی المجمع (۳- ۷۱ و ۷۲)۔

[3] سنن ابی داؤد (۱- ۲۱۹ و ۲۲۰) جامع ترمذی (۱- ۷۹) سنن ابن ماجہ (ص- ۱۲۸ و ۱۲۹) مسند احمد (۲- ۱۴، ۱۵)۔

[4] رواہ الواقدی کما فی کتاب الردۃ کذا فی نصب الرایہ (۲- ۳۶۲)۔

علاوہ ازیں کسی چیز کا حجت ہونا صرف اس کی کتابت پر موقوف نہیں ہوا کرتا، اگر کتابت ہی پر موقوف ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی طرح حدیث کی کتابت کا بھی ضرور حکم دیتے اور قرآن کریم کی طرح احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیم کی بھی کتابت کراتے لیکن چونکہ ایسا نہیں بلکہ جس طرح کتابت ضبط کا ایک ذریعہ ہے اسی طرح حفظ بھی حفاظت کا ایک بہترین ذریعہ ہے خصوصاً وہ عرب جو اعلیٰ قسم کے خداداد حافظہ کے مالک تھے، تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں عرب جیسے حافظہ کی مالک کوئی قوم پیدا نہیں ہوئی ان کے حافظے خارق عادت طور پر قوی تھے بعض اوقات ایک شخص ایک ہی مجلس میں پورا کا پورا قصیدہ ایک مرتبہ سن کر یاد کر لیا کرتا تھا، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق علامہ ابو عمر بن عبد البر نقل کرتے ہیں کہ:-

حفظ قصيدة عمر بن أبي ربيعة:	"انہوں عمر بن ربیعہ کا پورا قصیدہ (جو ستر شعر
أمن آل نعم أنت غاد مبكر،	کا ہے، جس کی ابتداء اس مصرعہ سے ہوتی ہے:
في سمعة واحدة على ما ذكروا.	أمن آل نعم أنت غاد مبكر
وليس أحد اليوم على هذا.[1]	ایک ہی مرتبہ سن کر یاد کر لیا تھا لیکن آج
٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭	کوئی اس حافظہ کا مالک نہیں ہے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین حفظ پر زیادہ اعتماد کیا کرتے تھے اور لکھنے سے اس لئے گریز کرتے تھے تاکہ حفظ کا ملکہ کمزور نہ پڑ جائے کیونکہ لکھنے کے بعد آدمی حافظہ پر بوجھ ڈالنا چھوڑ دیتا ہے اور لکھے ہوئے پر بھروسہ کر بیٹھتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عبد البر نے جہاں بعض ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے نام شمار کرائے ہیں جو کتابت کو اچھا نہیں سمجھتے تھے تو اس کے بعد ہی یہ بھی لکھا ہے کہ:-

من ذكرنا قوله في هذا الباب	"اس باب میں ہم نے جن حضرات کے اقوال
فإنما ذهب في ذلك مذهب	پیش کئے ہیں وہ حضرات دراصل اس بارے

---

[1] جامع بیان العلم (۱- ۶۹ و ۷۰)۔

العرب لأنهم كانوا مطبوعين على الحفظ مخصوصين بذلك، والذين كرهوا الكتاب كابن عباس والشعبي وابن شهاب والنخعي وقتادة ومن ذهب مذهبهم وجبل جبلتهم كانوا قد طبعوا على الحفظ فكان أحدهم يجتزئ بالسمعة ألاترى ما جاء عن ابن شهاب أنه كان يقول: إني لأمر بالبقيع فأسد آذاني مخافة أن يدخل فيها شيء من الخنا فوالله ما دخل أذني شيء قط فنسيته، وهذا مشهور: أن العرب قد خصت بالحفظ[1]

میں اہل عرب کے مسلک کے موافق فرماتے ہیں اس لئے کہ حفظ ان کی طبیعت میں داخل تھا اور اس میں انہیں خصوصیت حاصل تھی، اور جن حضرات نے کتابت کو اچھا نہیں سمجھا جیسے کہ حضرت ابن عباس شعبی، ابن شہاب، نخعی، قتادہ اور وہ حضرات جن کا یہی مذہب ہے اور جوان ہی جیسے حافظہ کے مالک ہیں کہ ان کی سرشت میں حفظ موجود تھا چنانچہ ان میں سے کوئی صرف ایک مرتبہ کے سن لینے پر اکتفا کیا کرتا تھا، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ابن شہاب فرماتے ہیں کہ میں جب بقیع سے گذرتا ہوں تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتا ہوں تاکہ ان میں کوئی غلط اور گندی بات نہ گھس جائے اس لئے کہ واللہ میرے کانوں میں آج تک کوئی ایسی بات داخل نہیں ہوئی کہ جسے میں بھول گیا ہوں۔ اور یہ بات تو بالکل مشہور ہے کہ اہل عرب حافظ کے معاملہ میں خصوصیت رکھتے ہیں۔"

رہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق صحیفہ جلا دینے کا سوال تو وہ انکے انتہائی ورع اور احتیاط کی دلیل ہے[2] یہ جب ہے جب کہ اس صحیفہ کا جلانا آپ سے ثابت بھی ہو ورنہ علا

---

[1] جامع بیان العلم (۱- ۶۹)۔

[2] السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی (ص- ۱۴۷) اسی ورع اور احتیاط کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی لکھنے سے گریز کیا تھا۔

شمس الدین ذہبیؒ اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

فهذا لا يصح، والله أعلم[1]	"یہ قصہ درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔"

حافظ ابن کثیر نے اس واقعہ کو مسند صدیق میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے :-

هذا غريب من هذا الوجه جداً، وعلي بن صالح لا يعرف[2]	"یہ واقعہ اس اعتبار سے بہت زیادہ عجیب سا ہے اور علی بن صالح (اس واقعہ کا راوی) غیر معروف ہے (معلوم نہیں کون ہے؟)

ڈاکٹر مصطفی سباعی المتوفی ۱۹۶۴ء) اپنی کتاب میں لکھتے ہیں :-

قال عنها الذهبي: إنها لا تصح وهو الذي تطمئن إليه النفس[3]	"علامہ ذہبی نے اس واقعہ کے بارے میں کہا کہ یہ قصہ درست نہیں ہے اور یہی بات دل کو لگتی ہے۔"

اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جو احادیث بیان کرنے سے ڈرتے تھے تو محض احتیاط کے خیال سے کہ کسی غلط بات کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ ہو جائے لیکن جو حضرات قوی الحافظہ تھے وہ خوب احادیث بیان کیا کرتے تھے جیسے کہ حضرت ابوہریرۃ، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

غرض بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو احادیث کے لکھنے یا بیان کرنے سے رکتے تھے وہ صرف احتیاط کی بناء پر تھا، اور جس طرح بعض صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے حدیثیں لکھنے کی کراہت ثابت ہے اسی طرح اور بہت سے صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے حدیثوں کا لکھنا اور لکھنے کا حکم دینا اور اس کو پسند کرنا بھی ثابت ہے چنانچہ ان میں سے ہم بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا ابھی تذکرہ کر چکے ہیں اور بعض صحابہ و تابعین کے اسماء گرامی

---

[1] تذکرۃ الحفاظ للذہبی (۱-۵)۔

[2] حافظ عماد الدین بن کثیر فی مسند الصدیق کما فی الکنز (۵ - ۲۳۷)۔

[3] السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی (ص - ۱۷۲)۔

حسب ذیل ہیں :-

حضرت عمر بن الخطاب ، انس بن مالک ، ابو امامہ ، عبداللہ بن عمر ، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن مسعود ، ____ عبداللہ بن عباس ، حسن بصری ، ابو الملیح ، معاویہ بن قرۃ، ابان ، سعید بن جبیر ، سفیان ، الضحاک ، بشیر بن نہیک ، ابو قلابہ ، سعید بن المسیب ، ابن شہاب زہری ، ابو الزناد ، شعبی ، ابن شبرمہ ، صالح بن کیسان وغیرہ[1] رضی اللہ عنہم اجمعین۔

رہا یہ کہنا کہ حدیث کا ذخیرہ بعد میں مدوّن ہوا اس لئے اس میں قطعیت نہ رہی بلکہ ظن پیدا ہو گیا اور دین کے معاملہ میں ظن پر عمل کرنا درست نہیں ہے یہ بڑی جہل بات ہے اور یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جس نے وضع حدیث کے قلع قمع کرنے والی انتھک کوششوں کا جائزہ نہ لیا ہو ، علاوہ ازیں کتابت حدیث صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں موجود تھی اور اس میں صحابہ کے اخیر دور تک انقطاع پیدا نہیں ہوا پھر دوسری صدی کے بالکل شروع میں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے حکم سے علماء امصار نے سنت کو مدوّن کر دیا اس لئے اس کی مسلسل کتابت میں کیوں کر شک کیا جا سکتا ہے۔

رہا یہ دعویٰ کرنا کہ دین اور احکام الٰہی میں ظن پر عمل کرنا درست نہیں اس کا تعلق اصول دین اور عقائد سے ہے جن کا منکر یا اس میں شک کرنے والا کافر ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا برحق ہونا اور قرآن کریم کی خدائے پاک کی طرف نسبت وغیرہ اسی طرح ارکان اسلام نماز روزہ حج وغیرہ کا دین میں داخل ہونا بداہۃً معلوم ہے لیکن فروع احکام میں یہ اصول معتبر نہیں اس لئے کہ فروع کو ظنی الثبوت دلائل سے ثابت کیا جا سکتا ہے[2]۔ چنانچہ قاضی تمام قضایا کا فیصلہ جن میں اجراء حدود و قصاص ، تقسیم وراثت وغیرہ داخل ہیں ظنی شہادتوں کی بناء پر ہی کرتا ہے۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مسند دارمی (ص - ۶۸ و ۶۹) جامع بیان العلم (۱-۷۰ تا ۷۷) التراتیب الاداریہ (۱-۲۴۴ وما بعدہ)۔

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی کی کتاب "السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی (ص-۲،۷،اور ۱)۔

حاصل یہ ہے کہ حجیت حدیث سے انکار کرنا اور یہ دعوی کرنا کہ اسلام صرف قرآن ہی میں منحصر ہے یہ کسی ایسے شخص سے نہیں ہو سکتا جو خدا کے دین اور شریعت کے احکام سے بخوبی واقف ہو، شریعت کے اکثر احکام سنت رسول اللہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام سے ہی ثابت ہیں، قرآن مجید میں تو اکثر احکام مجمل ہیں مثلاً پنجگانہ نماز، زکوٰۃ، روزہ، شعائرِ حج وغیرہ ان کی تفصیل اور جملہ معاملات و عبادات کے احکام وغیرہ یہ سب احادیث ہی سے ثابت ہیں۔ اسی لئے علامہ ابن حزم لکھتے ہیں :-

ونسأل قائل هذا القول الفاسد فى أى قرآن وجد أن الظهر أربع ركعات و أن المغرب ثلاث ركعات وأن الركوع على صفة كذا والسجود على صفة كذا و صفة القراءة فيها و السلام وبيان ما يجتنب فى الصوم وبيان كيفية زكاة الذهب والفضة والغنم والإبل والبقر ومقدار الأعداد المأخوذة منها الزكاة ومقدار الزكوة المأخوذة، وبيان أعمال الحج من وقت الوقوف بعرفة وصفة الصلاة بها

" اور ہم اس فاسد قول کے قائل سے یہ پوچھتے ہیں کہ کون سے قرآن میں یہ لکھا ہے کہ ظہر کی چار رکعتیں اور مغرب کی تین رکعتیں ہیں۔ اور یہ کہ رکوع اس طرح ہوگا اور سجدہ اس طرح ہوگا اور قراءۃ اس طرح ہوگی اور سلام اس طرح پھیرا جائے گا اور روزہ میں کن کن چیزوں سے بچا جائے گا اور زکوٰۃ کی کیفیت کا بیان کہ سونے چاندی بکری، اونٹ، گائے میں کیا واجب ہے اور کتنی مقدار پر زکوٰۃ لی جائے گی اور کیا زکوٰۃ لی جائے گی؛ اور حج کے اعمال کا بیان کہ عرفہ میں کب وقوف ہوگا اور وہاں نماز کیسے پڑھی جائے گی؟ اور مزدلفہ میں کس طرح اور رمی

وبمزدلفة ورمي الجمار وصفة الإحرام وما يجتنب فيه وقطع السارق وصفة الرضاع وما يحرم من المآكل وصفة الذبائح والضحايا وأحكام الحدود وصفة وقوع الطلاق وأحكام البيوع وبيان الربا والأقضية والتداعي والأيمان والأحباس والعمرى والصدقات وسائر أنواع الفقه وإنما في القرآن جمل لو تركناه وإياها لم ندر كيف نعمل فيها وإنما المرجوع إليه في كل ذلك النقل عن النبي صلى الله عليه وسلم وكذلك الإجماع إنما هو على مسائل يسيرة فلا بد من الرجوع إلى الحديث ضرورة، ولو أن امرأ قال: لا نأخذ إلا ما وجدنا في القرآن لكان كافرا بإجماع الأمة ولكان

جمار کی کیا صورت ہوگی اور احرام کس طرح باندھا جائے گا اور اس میں کن چیزوں سے بچنا چاہئے اور چور کا ہاتھ کاٹنا اور وہ رضاع جو باعث تحریم بنتا ہے اس کی کیا صورت ہے اور کونسی چیزیں کھانا حرام ہیں اور ذبح کس طرح کیا جائے گا اور قربانی کس طرح ہوگی اور حدود کے احکام اور طلاق کے واقع ہونے کی کیفیت اور بیوع کے احکام اور ربا کا بیان اور قضاء اور دعاوی کے فیصلہ کا بیان اور قسموں کا طریقہ اور وقف اور عمری اور صدقات کی تفصیل اور فقہ کے دیگر تمام انواع کا بیان کونسے قرآن میں ہے، قرآن کریم میں تو صرف اجمالاً تذکرہ ہے اگر ہم اس کو اسی حالت پر چھوڑ دیں تو ہم یہ نہ جان سکیں گے کہ اس پر کیسے عمل کیا جائے یہ سب کچھ معلوم کرنے کے لئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی کی طرف رجوع کیا جائے گا ، اسی طرح اجماع بھی چند مسائل پر ہے اس لئے بہر صورت حدیث کی طرف لازمی رجوع کرنا پڑے گا اور اگر کوئی

لا يلزمه إلا ركعة ما بين دلوك الشمس إلى غسق الليل وأخرى عند الفجر لأن ذلك هو أقل ما يقع عليه اسم صلاة ولا حد للأكثر في ذلك وقائل هذا كافر مشرك حلال الدم وإنما ذهب إلى هذا بعض غالية الرافضة ممن قد اجتمعت الأمة على كفرهم [1]

* * *

شخص یہ کہے کہ ہم صرف اسی پر عمل کریں گے جو قرآن کریم میں ہو تو وہ باتفاق امت کافر ہو جائے گا اور اس کو صرف ایک رکعت سورج کے ڈھلنے سے لیکر رات کی تاریکی چھانے کے درمیان اور دوسری صبح کے وقت پڑھنا ہوگی اس لیے کہ کم سے کم وہ مقدار ہے جس پر لفظ صلاۃ کا اطلاق ہوتا ہے اور اس سے زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے اور ایسا کہنے والا کافر مشرک اور مباح الدم ہے اس کے قائل بعض وہ غالی روافض ہیں جن کے کافر ہونے پر امت کا اجماع ہے۔

لہذا یہ کہنا کہ حدیث حجت نہیں اور اسلام قرآن ہی پر عمل کرنے کا نام ہے اپنی جہالت اور علمی بے مائیگی اور اتباع خواہش نفسانی اور زیغ کا ثبوت دینا ہوگا۔

آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اس حقیر سی خدمت کو قبول فرما کر فلاح دارین کا سبب بنائے۔ آمین ویرحم اللہ عبداً قال آمینا۔

اللهم اغفر لي ولوالدي ولمشايخي وللمسلمين والمسلمات الأحياء منهم والأموات وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وآله وصحبه أجمعين.

محمد حبیب اللہ مختار

۲۱ رجب المرجب ۱۳۸۵ھ

---

[1] الإحكام في أصول الأحكام (٢ - ٧٩ و ٨٠)۔

مراجع و مآخذ

عدد	نام کتاب	نام مصنف	سن وفات
۱ ۔	الاتقان فی علوم القرآن	جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱ھ
۲ ۔	الإحکام فی اُصول الاحکام	علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی	۳۵۶ھ
۳ ۔	الإحکام فی اُصول الاحکام	ابوالحسن علی بن علی الآمدی	۶۳۱ھ
۴ ۔	اساس البلاغۃ	محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸ھ
۵ ۔	اُصول التشریع الاسلامی	علی حسب اللہ المصری	
۶ ۔	إعلام الموقعین	محمد بن ابی بکر بن ایوب المعروف بابن القیم الجوزیۃ الدمشقی الحنبلیؒ	۷۵۱ھ
۷ ۔	إکفار الملحدین	محمد انور شاہ الکشمیریؒ	۱۳۵۲ھ
۸ ۔	الأم	محمد بن إدریس الشافعیؒ	۲۰۴ھ
۹ ۔	الباعث الحثیث	احمد محمد شاکر	
۱۰ ۔	البحر المحیط	ابوحیان محمد بن یوسف الاندلسی	۷۴۵ھ
۱۱ ۔	البرھان فی علوم القرآن	محمد بن عبداللہ الزرکشی	۷۹۴ھ
۱۲ ۔	تدریب الراوی	جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱ھ
۱۳ ۔	تذکرۃ الحفاظ	ابوعبداللہ شمس الدین الذہبی	۷۶۵ھ
۱۴ ۔	التراتیب الاداریۃ	عبدالحی بن عبدالکبیر الکتانی الفاسی	
۱۵ ۔	تفسیر ابن کثیر	أبوالفداء إسماعیل بن کثیر الدمشقی	۷۷۴ھ
۱۶ ۔	• بیضاوی	أبوالخیر عبداللہ بن عمر الشیرازی البیضاوی	۶۴۱ھ یا ۶۸۵ھ
۱۷ ۔	• طبری	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰ھ
۱۸ ۔	• قرطبی	أبوعبداللہ محمد بن أحمد الانصاری القرطبی	۶۷۱ھ

عدد	نام کتاب	نام مصنف	سنہ وفات
۱۹ -	تفسیر کبیر	فخر الدین محمد الرازی	۶۰۶ھ
۲۰ -	، کشاف	ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸ھ
۲۱ -	، مراغی	احمد مصطفیٰ مراغی	
۲۲ -	توضیح الأفكار	محمد بن اسماعیل الصنعانی	۱۱۸۲ھ
۲۳ -	جامع بیان العلم	ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر القرطبی	۴۶۳ھ
۲۴ -	، الترمذی	محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
۲۵ -	الحدیث والمحدثون	محمد محمد ابو زھو	
۲۶ -	الدر المنثور	جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱ھ
۲۷ -	دیوان ابی الطیب المتنبی	ابو الطیب احمد بن حسین الجعفی المتنبی	۳۵۴ھ
۲۸ -	الرسالۃ	محمد بن ادریس الشافعی	۲۰۴ھ
۲۹ -	روضۃ الناظر وجنۃ المناظر	موفق بن احمد	
۳۰ -	السنۃ قبل التدوین	محمد عجاج الخطیب	
۳۱ -	السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی	الدکتور مصطفیٰ السباعی	
۳۲ -	سنن ابن ماجہ	محمد بن یزید ابن ماجہ	۲۷۳ھ
۳۳ -	، ابی داود	سلیمان بن الاشعث السجستانی	۲۷۵ھ
۳۴ -	، بیہقی	احمد بن الحسین البیہقی	۴۵۸ھ
۳۵ -	، دارمی	ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی	۲۵۵ھ
۳۶ -	، نسائی	احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳ھ
۳۷ -	شرح السنۃ	ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۰ھ
۳۸ -	، معانی الآثار	ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱ھ
۳۹ -	الصحاح	اسماعیل بن حماد الجوہری	۳۹۳ھ

عدد	نام کتاب	نام مصنف	سنہ وفات
۴۰۔	صحیح البخاری	محمد بن اسماعیل البخاری	۲۵۶ھ
۴۱۔	صحیح مسلم	مسلم بن الحجاج القشیری	۲۶۱ھ
۴۲۔	طبقات ابن سعد	محمد بن سعد	۲۳۰ھ
۴۳۔	علوم الحدیث (مقدمہ ابن الصلاح)	آبو عمر عثمان بن عبد الرحمان	۶۴۳ھ
۴۴۔	عمدۃ القاری	بدر الدین محمود بن احمد العینی	۸۵۵ھ
۴۵۔	فتح الباری	احمد بن علی بن محمد بن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ
۴۶۔	فتح المغیث	شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاوی	۹۰۲ھ
۴۷۔	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	محمد المدعو بعبد الرؤف المناوی	۱۰۳۱ھ
۴۸۔	کتاب الروح	شمس الدین ابو عبد اللہ محمد الشہیر بابن قیم الجوزیۃ	۷۵۱ھ
۴۹۔	الکفایۃ فی علم الروایۃ	احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ
۵۰۔	کنز العمال	علی المتقی بن حسام الدین الہندی	۹۷۵ھ
۵۱۔	مجمع البحار	محمد طاہر القتنی	۹۸۶ھ
۵۲۔	مجمع الزوائد	نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷ھ
۵۳۔	مراسیل ابی داود	سلیمان بن الاشعث السجستانی	۲۷۵ھ
۵۴۔	مستدرک حاکم	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ النیسابوری	۴۰۵ھ
۵۵۔	المستصفیٰ	محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵ھ
۵۶۔	مسند آبی داود الطیالسی	سلیمان بن داود الطیالسی	۲۰۴ھ
۵۷۔	مسند آحمد	آحمد بن حنبل الشیبانی	۲۴۱ھ
۵۸۔	مصنف عبد الرزاق	عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱ھ
۵۹۔	معجم مقائس اللغۃ	ابو الحسین احمد بن فارس	۳۹۵ھ

عدد	نام کتاب	نام مصنف	سنہ وفات
۶۰۔	معرفة علوم الحديث	ابو عبد محمد بن عبد اللہ النیسابوری	۴۰۵ھ
۶۱۔	مفتاح الجنة	جلال الدين السيوطی	۹۱۱ھ
۶۲۔	مفردات	راغب الأصفہانی	۵۰۲ھ
۶۳۔	الموافقات	ابو اسحاق الشاطبی	۷۹۰ھ
۶۴۔	موطأ مالک	مالک بن انس	۱۷۹ھ
۶۵۔	نصب الرایہ	جمال الدين ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الزیلعی	۷۶۲ھ
۶۶۔	النہایہ	مبارک بن محمد ابن الأثیر الجزری	۶۰۶ھ
۶۷۔	یتیمة البیان مقدمہ مشکلات القرآن۔	السید محمد یوسف بن محمد زکریا البنوری۔	۱۳۹۷ھ